

# محدث

اشاعتِ خاص

فتنہ ازکارِ حدیث

مدیر اعلیٰ

حافظ عبد الرحمن مدنی

مجلس التحقیق الاسلامی



## ماہنامہ محدث کا اجمالی تعارف

مدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

مدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمن مدنی

ماہنامہ محدث کی ابتداء انڈیا سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والا ایک رسالہ جس کا نام محدث ہی تھا اسی کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیم ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ محدث کے ہی نام سے پاکستان میں عظیم اسکالر حافظ عبدالرحمن مدنی نے اس کا اجراء کیا اور 1979 سے لے کر اب تک کامیابی و کامرانی سے شائع ہو رہا ہے۔ اور محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ ماہنامہ محدث ہر صاحب علم و فضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کے لیے تلوار بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

## اجرائے محدث کے مقاصد

عناد اور تعصب سے بالاتر ہو کر اسلام کی ابدی تعلیمات کو فروغ دینا

دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع کرنا

قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر کے اسلامی روح کو کمزور کرنے والے عناصر کی بیخ کنی کرنا

علوم جدیدہ سے بہرہ ور کر کے انسانی افکار کو ارتقاء تک لے جانا

اتباع قرآن و سنت کی طرف والہانہ دعوت دینا

وحدت امت کو قائم رکھتے ہوئے سلف صالحین کے متفقہ فہم کا پرچار کرنا

اور

صحابہ، تابعین، محدثین اور تمام آئمہ کرام سے محبت کے جذبات کو پروان چڑھانا اس علمی و فکری مجلے کا شعار ہے یقینی طور پر ماہنامہ محدث علمی، تحقیقی، معلوماتی اور انتہائی شائستہ زبان رکھنے والے مضامین کا ایک حسین امتزاج ہے

## اہم اعلان

**معزز قارئین کرام! کتاب وسنت ڈاٹ کام پر آن لائن مطالعہ اور ڈاؤن لوڈنگ کے لیے مہیا کیے جانے والے تمام یونی کوڈ رسائل و جرائد چونکہ سوفٹ ویئر کی مدد سے ان پیج سے یونی کوڈ میں تبدیل کیے جاتے ہیں لہذا ان میں اغلاط کا امکان بہر حال موجود ہے۔ یونی کوڈ فارمیٹ میں مہیا کرنے کا بنیادی مقصد سرچنگ میں سہولت پیدا کرنا ہے۔ لہذا آپ سے التماس ہے کہ برائے مہربانی غلطیوں سے محفوظ مواد کے حصول کے لیے پی ڈی ایف (PDF) فارمیٹ میں موجود فائلز کو ڈاؤن لوڈ کیجیے۔ نیز نوٹ فرمائیں کہ پی ڈی ایف (PDF) اور (Word) فائلز میں کسی بھی قسم کے اختلاف کی صورت میں ہمارے نزدیک (PDF) فائلز کو ترجیح ہوگی۔**

## گھر بیٹھے محدث وصول کیجئے

**معزز قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کے لیے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں:**

**بیرون ملک: 20 ڈالر سالانہ**

**زر سالانہ: 200 روپے**

**نی شماره: 20 روپے**

بذریعہ منی آرڈر بینک ڈرافٹ 200 روپے بھیج کر سال بھر کے لیے گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی مضامین سے استفادہ کریں

**ایڈریس:** ماہنامہ محدث 99 جے بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700

**فون نمبرز: 042-5866476, 5866396, 0321-4340803**

**نوٹ:** برائے مہربانی ویب سائٹ کے ذریعے محدث آرڈر کرنے والے احباب ویب سائٹ کا حوالہ ضرور لکھیں۔ شکریہ

**مزید تفصیلات کے لیے** [webmaster@KitaboSunnat.com](mailto:webmaster@KitaboSunnat.com)

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

[www.Mohaddis.com](http://www.Mohaddis.com)

263

ملت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلہ

# مَحَدِث

لاہور

ماہنامہ

حافظ حسن مدنی

عظیم عبدالرحمن مدنی

حافظ حسن مدنی

فکر و نظر

فتنہ انکار، حصہ ۱

① پرویزیت

۱۲ مولانا رمضان سلطی

مسٹر غلام احمد پرویز کے کفریہ عقائد

۴۷ پروفیسر محمد دین قاسمی

اختلافِ تعبیر قرآن اور منکرینِ حدیث

۸۶ پروفیسر منظور ان عباسی

پرویز اور اطاعتِ رسول

۱۰۹ حافظ حسن مدنی

پرویزیت کے بارے میں طلحے امت کے فتاویٰ

② تاریخ ..... تدوینِ حدیث

۱۱۷ ڈاکٹر عبداللہ عابد

برصغیر میں فتنہ انکارِ حدیث کی تاریخ اور اسباب

۱۳۲ پروفیسر محمد نعیم

عہدِ نبویؐ میں کتابتِ حدیث

۱۳۹ علی احمد چوہدری

حفاظتِ حدیث میں حفظ کی اہمیت

۱۵۰ حافظ عبدالرحمن مدنی

حفاظتِ حدیث کے مختلف ذرائع

③ ہجیتِ حدیث

۱۵۶ صفی الرحمن مبارکپوری

انکارِ حدیث حق یا باطل؟

۱۸۷ سید ابوالاعلیٰ مودودی

حجیتِ حدیث پر بعض شبہات کا جائزہ

۱۹۷ عبدالخالق محمد صادق

مقامِ حدیث اور بزمِ طلوعِ اسلام کویت

۲۱۶ قاری محمد موسیٰ

حجیتِ حدیث اور فتنہ انکارِ حدیث

④ اشاریہ جات

۲۳۱ ڈاکٹر خالد رند عاوا

برصغیر میں انکارِ حدیث کا لٹریچر

۲۳۸ عبدالرشید عراقی

دفاعِ حدیث اور اہل حدیث

۲۳۹ ڈاکٹر محمد عزیز

دینی رسائل میں حجیتِ حدیث پر مضامین کا اشاریہ

دبیر الہدیٰ

۳۳۳ شمارہ ۹۰۸

المہرجب ۱۹۷۲ء

۲۰۰۲ء

۲۰۰ روپے

۲۰ روپے

مہینہ وار

۲۰ روپے

۲۰ روپے

Monthly MUHADDIS An  
UBL - Model Town Cross

دفتر کا پتہ

بجے، ماڈل ٹاؤن

۵۴۷۰۰

Ph: 5866476, 5866477

Email: hhasan@

بے شک کی روشنی میں اللہ اور محمد ﷺ کی شان و شانِ انوار کا دشمنوں اور منافقوں کے لیے انکارِ حدیث اور انکارِ نبوت کی

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

Publisher: Hafiz Abdul  
Printer: Shirkat Printing

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فکر و نظر

## فتنہ انکارِ حدیث

برصغیر میں انکارِ حدیث کا فتنہ چند صدیوں سے زوروں پر ہے۔ اس کی بعض صورتیں ایسے صریح انکارِ حدیث پر مبنی ہیں جس کے حامل کا مسلمان رہنا بھی ایک سوالیہ نشان ہے۔ جبکہ استخفافِ حدیث جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں اکثر و بیشتر پایا جاتا ہے۔ مرض ایک ہی ہے اگرچہ اس کی علامات مختلف صورتوں میں سامنے آتی ہیں۔ اس فتنہ کے بنیادی اسباب میں دین سے لاعلمی، غیر مسلم تہذیب سے مرعوبیت اور سیاسی و فکری محکومی سرفہرست ہیں۔ یہ پڑھے لکھے مجدد پسند حضرات کا فتنہ ہے، جو علومِ اسلامیہ سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے اسلام اور اس کے امورو انوائہی سے جذباتی عقیدت رکھتے ہیں، نہ ان کا جذبہ ایمانی کوئی قابلِ رشک ہوتا ہے۔ برصغیر میں مغرب کی فکری بالادستی اس فتنہ کا بنیادی محرک رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں ۷، ۸ سو سال اسلامی حکومت رہنے کے باوجود انکارِ حدیث کی ابتدا اس دور میں ہوئی جو انگریز کی غلامی کا دور ہے۔ برصغیر میں اس فتنہ کی ابتدا سرسید احمد خان نے کی جو مسلمانانِ برصغیر کو انگریز کی محکومیت اور فکری مرعوبیت تسلیم کرانے والے پہلے نمایاں فرد تھے۔ چند دہائیاں قبل فتنہ انکارِ حدیث کا مرکزی کردار جس شخص نے ادا کیا، وہ غلام احمد پرویز تھا جو انگریزی حکومت کا ملازم اور فکری طور پر ان کی علمی برتری کا قائل تھا۔ موجود دور میں بھی انکارِ حدیث کی زمام کار جن کے ہاتھوں میں ہے، ان میں اکثر انگریزی علوم و فنون کے پروردہ ہیں، ان کی ذہنی ساخت میں ایگزٹو علمی رفعت بچی ہوئی ہے۔ عالم عرب میں بھی جہاں جہاں اسلام کو فکری سطح پر یورپ سے واسطہ پڑا، وہاں اس فتنہ نے پر پرزے نکالے۔ چنانچہ برصغیر کے بعد مصر اس فتنہ کا زیادہ شکار ہوا جہاں اس کی تردید کے لئے زبردست لٹریچر بھی وجود میں آیا، اسکے بعد شام و بیروت کے مفکرین میں انکارِ حدیث کے جراثیم نے نشوونما پائی۔ خلیجی ممالک ایسی علمی اور فکری کشمکش سے دوچار نہیں ہوئے، وہاں اس کا زہر بھی بہت زیادہ نہیں پھیلا۔

صدرِ اسلام میں یہ فتنہ معتزلہ میں شروع ہوا۔ اور اس وقت اس کی وجہ یونانی فلسفہ سے مرعوبیت تھی۔ محدثین کی زبردست کوششوں سے اس فتنہ کا استیصال ہوا۔ اس کے بعد تیرہویں صدی ہجری میں یورپ کی یلغار کے بعد انکارِ حدیث کے جراثیم نے دوبارہ جنم لیا۔ اس سلسلہ میں مستشرقین کی کوششیں بھی شامل ہیں اور اکثر منکرینِ حدیث انہی کے افکار کے خوشہ چیں ہیں۔ منکرینِ حدیث کے بعض مشترک افکار پر مختصر تبصرہ پیش خدمت ہے:

### ① عقل پرستی

یورپ کا موجودہ ارتقا، اُن کی نظر میں ان کی ذہانت، معروضیت اور عقل پسندی کا مرہونِ منت ہے۔

ریشنل ازم (Rationalism) مذہب کے گڑے ہوئے تصور 'اندھے ایمان' (Blind Faith) کے ردِ عمل میں ایک باقاعدہ تحریک کے طور پر یورپ میں سرگرم ہوا اور اس کے قوی اثرات مسلسل چلے آ رہے ہیں۔ انسان کو اپنی عقل اور توجیہ پسندی پر ہمیشہ سے بڑا اعتماد رہا ہے اور اس عقل کے استعمال سے اگر اسے کچھ کامیابی حاصل ہو جائے تو پھر وہ 'عقل پرستی' تک پہنچا دیتی ہے۔

انکارِ حدیث کا فتنہ بھی چونکہ مغرب کی علمی مرعوبیت کا شاخسانہ ہے، اسلئے یہاں بھی عقل پسندی کے گہرے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ اکثر منکرینِ حدیث نے احادیث کو تسلیم کرنے میں عقلی حجت بازیاں کی ہیں اور حدیث کی صحت جانچنے کیلئے یہ اصول متعارف کرایا ہے کہ وہی احادیث قابلِ قبول ہیں جو عقلِ انسانی کو اپیل کرتی ہیں۔ مغرب نے احیاءِ علوم کی تحریک کے بعد جہاں علمی و فنی میدان میں پیش رفت کی ہے، وہاں فنِ استدلال کو بھی سائنسی خطوط پر استوار کیا ہے جس میں یہی عقل پرستی شدت سے کارفرما ہے۔ تحقیق کا سائنسی اسلوب سے قرار دیا جاتا ہے جو اعداد و شمار، عقل و منطق اور معروضیت کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو۔ اس اسلوبِ تحقیق میں امورِ غیبیہ، مذہب اور الہامی تصورات کو کوئی وزن نہیں دیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ وحی کی بنیاد پر کی جانے والی تحقیق کو مغرب میں باضابطہ اور مستند تحقیق شمار نہیں کیا جاتا۔

اس لحاظ سے ایک مسلمان اور غیر مسلم کے زاویہ فکر و نظر اور اسلوبِ استدلال میں بڑا نمایاں فرق ہے۔ اسلام میں عقل کو استعمال کرنے، اس پر اعتماد کرنے اور اس کی نشوونما کرنے کی بڑی ترغیب ملتی ہے لیکن اس کی بعض کوتاہ حدود کا اعتراف بھی موجود ہے۔ ایک مسلمان عقل پر بے جا اعتماد کرنے کی بجائے اپنی عقل کو خالقِ کائنات کی رہنمائی میں چلانے کا پابند ہے اور وہ اپنی عقل کو اس حد تک آزاد نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے خالق اور اس کی ہدایات پر بھی اعتراضات کرنا شروع کر دے۔ کیونکہ بہت سے دائرے ایسے ہیں جہاں انسانی عقل بے بس ہو جاتی ہے اور سائنس و منطق بھی قاصر نظر آتی ہے۔

وحی کی تشریح میں عقل و بصیرت کو استعمال کرنا اسلام کا مطلوب ہے جبکہ وحی پر اعتراض کے میدان میں عقل کو کھڑا کرنا عقل کے ساتھ ظلم اور اپنے خالق کی ہدایات کے ساتھ ناانصافی ہے۔ عقل سے وحی یعنی اسلام کو سمجھنے کی کوشش تو قابلِ تعریف ہے لیکن عقل سے اسلامی تعلیمات کو گھڑا نہیں جاسکتا۔

موجودہ دور کے مسائل میں ایک بڑا مسئلہ اسلوبِ استدلال کی تبدیلی کا ہے۔ اسلام میں استدلال کا اسلوب تو یہ ہے کہ جہاں فرمانِ الہی یا حدیثِ نبوی آجائے تو اس کی استنادی حیثیت کی توثیق کرنے کے بعد اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔ عقلی توجیہات، معروضی تک بندیاں اور منطقی صغریٰ کبرے مزید تائید کے لئے ہیں جو اطمینانِ قلبی کا موجب ہوتے ہیں، اسلام ان کی اجازت دیتا ہے لیکن اسلام میں کسوٹی بننے کا مقام بنیادی طور پر وحیِ الہی کو ہی حاصل ہے۔

جبکہ جدید تعلیم یافتہ حضرات جدید علمِ الکلام کی رو سے استدلال کی بنیاد صرف عقلی توجیہات کو بناتے ہیں اور آخر میں تائید کی غرض سے حدیثِ نبوی یا آیتِ قرآنی بھی لے آتے ہیں۔ اس طرزِ استدلال کی نشاندہی علما

اور دانشوروں کے اسلوبِ استدلال کے تقابلی مطالعہ سے بخوبی ہو سکتی ہے۔ ہمارے ہاں بھی جب سے جدید علم و فن نے اپنا سکہ جمایا ہے اور ذہنوں نے اہل مغرب کی فکری غلامی قبول کی ہے، تب سے نہ صرف ہمارا عام بلکہ مقبول دینی لٹریچر بھی اسی کی مثال پیش کرتا ہے۔ پڑھے لکھے طبقوں میں قرآن و حدیث کی بجائے عقلی و منطقی معروضات زیادہ مقبول ہیں۔ اسی تعقل پسندی کا شاخسانہ انکارِ حدیث بھی ہے۔ اگر عقل انسانی پر بے جا اعتماد ہو جائے تو وہ حدیث نبوی کو بھی چیلنج کرنے لگتی ہے اور مغربی علوم و فنون کے ارتقا اور ان کی عقل پسندی کا نقصان دہ پہلو ہے کہ ہمارے ہاں بھی ان کے خوشہ چین طبقے نے اس طرزِ فکر کو فروغ دیا ہے اور احادیث کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنا شروع کر دیا ہے۔ یورپ کو عقل پسندی گوارا ہو سکتی تھی کہ انکے ہاں الہامی ہدایات نہ صرف تحریف شدہ ہیں بلکہ بنیادی طور پر بھی اس قابل نہیں کہ موجودہ دور میں قابل عمل ہوں چنانچہ محرف الہامی تعلیمات پر ایمان لانے کی بجائے وہ اپنی رائے و عقل پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں جبکہ ہمارے ہاں اسلام نہ صرف ایک مکمل اور حتمی دین ہے بلکہ تحقیق و تدوین کے اعلیٰ معیاروں پر بھی محفوظ ہے۔ اسلئے مسلمانوں کو عقلی برتری پر مبنی رجحانات زیب نہیں دیتے۔

## 2) تدوین حدیث

منکرین حدیث میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو احادیث کو اس شرط پر قبول کرتے ہیں کہ وہ انسانی عقل کے مطابق ہوں۔ جبکہ بعض منکرین حدیث ایسے ہیں جو احادیث کی تدوین پر عدم اعتماد کی وجہ سے کلی طور پر احادیث نبوی کو قبول نہیں کرتے۔ قرآن جو حدیث کی بنسبت اعلیٰ معیار پر محفوظ ہے، وہ دونوں کی استنادی تحقیق میں بنیادی فرق ملحوظ رکھے بغیر دونوں کے لئے یکساں اسلوب اور مساوی درجہ حفاظت کا تقاضا کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کلام الہی ہونے کی حیثیت سے الفاظ کی حفاظت کا اسلوب چاہتا ہے جبکہ حدیث مراد الہی ہونے کے ناطے مفہوم کی حفاظت کے اصولوں پر روایت و تدوین ہوتی ہے۔

اسی طرح منکرین حدیث موجودہ حالات پر قیاس کرتے ہوئے صحیح تجربہ کئے بغیر برسوں قبل کے حالات کو اپنے دور کے اندازوں کے مطابق پرکھنا چاہتے ہیں۔ انسان کی محدود عقل و فراست میں یہ صلاحیت بڑی نادر ہے کہ وہ حالات کے معروضی فرق کو ملحوظ رکھ کر ہر دور کے تقاضوں اور اس کے مسلمات کو سمجھ سکے۔ جس طرح ہمارے مغرب گزیدہ مفکرین نے اسلام کے اسلوبِ استدلال کو ملحوظ نہ رکھ کر اور دونوں کے معروضی حالات کا فرق نہ کر کے جدید علم الکلام کو اپنایا اور اس کو ترقی یافتہ قرار دیا جو کہ دراصل جذبہ ایمان و یقین کی کمزوری کا مظہر ہے، اسی طرح دورِ نبوت میں حفاظت کے تقاضوں کو آج کے دور کے حفاظت کے تقاضوں سے پرکھنا بھی ایسی ہی بڑی غلطی ہے۔ موجودہ دور میں اگر کتابت کو حفاظت کا معتمد ذریعہ مانا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیشہ سے کتابت ہی معتمد اور مستند ترین ذریعہ چلا آ رہا ہو۔ بلکہ شاید بہت جلد انفرمیشن ٹیکنالوجی کی بدولت اب کتابت و تدوین بھی اپنی موجودہ حیثیت برقرار نہ رکھ سکے۔

اسلام کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے، نبی آخر الزمان پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا تو ضروری تھا کہ قیامت تک ایک مکمل دین انسانوں کے لئے محفوظ ترین صورت میں موجود ہو۔ اسی طرح اسلام کے احکام

اپنے پیروکاروں کے لئے ہمیشہ ایک جیسے رہے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شے پہلے مخاطب صحابہ کرام کے لئے تو دین کا درجہ رکھتی ہو اور بعد میں آنے والوں کے لئے اس کی کوئی دینی حیثیت نہ ہو۔ احادیث نبویہ کی تعمیل صحابہ کرام پر فرض تھی اور وہ اپنے نبی کے احکامات ماننے کے پابند تھے، ضروری ہے کہ ان پر لاگو شرعی احکام آگے بھی اسی حیثیت سے منتقل ہوں۔ کیونکہ اسلام تب ہی اللہ کا بھیجا ہوا دائمی آخری دین ہو سکتا ہے جب وہ قیامت تک اپنی اصل شکل اور برابر حیثیت میں سب کے لئے موجود ہو۔ دین کی حفاظت کی یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ذریعے اس طرح سادہ انداز میں پوری کرائی ہے جو ہر دور میں حفاظت کا آسان اور مرڈہ انداز رہا ہے۔ اور اس پر عمل کرنا، اس کے تقاضے بجالانا انسانوں کے لئے باسانی ممکن رہا ہے۔ چنانچہ ابتدا میں قرآن و حدیث کو بحفاظت آگے منتقل کرنے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ بنیادی طور پر حافظہ پر اعتماد کا طریقہ ہے، جس کو بعد میں کتابت اور دیگر ذرائع سے بھی تقویت دی گئی ہے۔

مکرمین حدیث نے یہ فرض کر لیا ہے کہ قرآن تو گویا ہمیشہ سے تحریری شکل میں محفوظ چلا آتا ہے، جبکہ حدیث کی تدوین میں زیادہ اعتماد حافظہ پر رہا ہے، اس لئے احادیث ناقابل اعتماد ہیں۔ جبکہ اگر معمولی غور و فکر سے بھی کام لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ موجودہ قرآن کی حفاظت بھی تحریر کی بجائے حافظہ (تلاوت و ادا) ہی کی مرہون منت ہے۔ ذیل میں ہم حافظہ اور کتابت کے تقابلی مطالعہ کے علاوہ ان دلائل کو پیش کرتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کی حفاظت میں بھی اصل اعتماد حافظہ اور ادا پر رہا ہے، اور اسی سے ملتی جلتی صورتحال روایت و تعامل کی شکل میں احادیث نبویہ کی ہے۔ حافظہ پر اعتماد کی بنیادی وجوہات درج ذیل ہیں:

① حافظہ انسان کی فطری بنیادی صلاحیت کی عکاسی کرتا ہے۔ ابتدائے آفرینش سے، جب فن کتابت وجود میں بھی نہیں آیا تھا، انسان اپنی روزمرہ یادداشت کے لئے حافظہ پر ہی اعتماد کرتا تھا۔ عرب کا حافظہ بڑا مثالی تھا حتیٰ کہ تحریر کرنے کو عیب اور حافظہ کی کمزوری خیال کیا جاتا تھا۔

② حافظہ کے لئے کسی آلہ یا کاغذ کی ضرورت نہیں بلکہ یہ صلاحیت ہر ذی شعور میں پائی جاتی ہے۔ دور نبوی میں کاغذ تو بالکل نادر، اور چمڑے وغیرہ بھی بہت کم موجود تھے۔

③ دور نبوی میں فن تحریر اس قدر سادہ تھا کہ آج کا حافظہ قرآن بھی اس دور کے لکھے قرآن کو نہیں پڑھ سکتا۔ اس میں نقاط اور حرکات جو عربی زبان میں غیر معمولی اہمیت رکھتی ہیں، کا استعمال بڑی دیر بعد شروع ہوا۔ چنانچہ دور نبوی کے فن کتابت میں وہ قوت نہیں تھی کہ وہ قرآن کی پوری طرح حفاظت کر سکے۔ سیغوں اور نقاط کا فرق بھی حافظے میں ہی محفوظ تھا۔ تجوید (مخارج و صفات) کا لحاظ تو بالکلیہ تلاوت و ادا پر ہی منحصر ہے، اسی طرح واقعات کی صحیح نشاندہی روایت کی استنادی حیثیت کی مرہون منت ہے۔

عالم عرب اور برصغیر دونوں میں رسم عثمانی میں ہی شائع ہونے والے قرآن کے رموز و علامات میں آج بھی اتنا فرق ہے کہ حافظہ قرآن کے علاوہ دیگر پاکستانی مسلمان عربی رسم الخط میں چھپے قرآن کریم سے تلاوت میں مشکل محسوس کرتے ہیں کیونکہ دونوں میں علامات اور کلمات لکھنے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا رسم الخط ایک باقاعدہ فن ہے جس میں بعض امور پر علما میں بھی اختلافات موجود



ہیں۔ یہ علم دینی مدارس بالخصوص مدارس تجوید و قراءت میں بانفصیل پڑھایا جاتا ہے۔ مزید برآں مختلف قراءات میں شائع شدہ قرآن کریم دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمان مغاربہ اور مشارقہ کے طرز کتابت میں بھی بڑا اختلاف ہے مثلاً مغاربہ کے ہاں 'ن' میں نقطہ نہیں لکھا جاتا، 'ق' کے نیچے ایک نقطہ ہوتا ہے اور 'ف' بغیر نقطہ کے لکھی جاتی ہے، جبکہ اہل مشرق کا طرز کتابت اس سے مختلف ہے۔

④ فن کتابت کے متحیر العقل ارتقا کے باوجود آج بھی حافظہ زیادہ جامع ہے۔ اس کی مدد سے ایک شے کو یاد کرنا اور اسے ادا کرنا، دونوں زیادہ آسانی سے اور بہتر طور پر مکمل ہوتے ہیں۔ قرآن کریم کے تلفظ اور ادائیگی کی تفصیلات کا 'فن کتابت' آج بھی احاطہ نہیں کرتا۔ گذشتہ برسوں میں خلیجی ممالک میں بعض ایسے مصاحف شائع ہوئے ہیں جن میں ادائیگی کے رموز مثلاً اِخفاء و ادغام اور مد و قصر وغیرہ کو ۲۴ رنگوں سے نمایاں کیا گیا ہے۔ آج سے چند برس قبل تک اس کا تصور بھی نہیں تھا۔ دیگر قراءت قرآن بالخصوص روایت ورش میں تحریر کئے جانے والے قرآن کریم میں ادائیگی کے رموز کے لئے رنگوں کا استعمال عرصہ سے متداول ہے۔ اس کے باوجود آج بھی فن کتابت میں قرآن کریم کی ادائیگی کی مکمل تفصیلات محفوظ نہیں ہو سکتیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت تلقی و اداء کے ذریعے ہوئی ہے جبکہ حدیث کی حفاظت نقل و روایت کے ذریعے!!

⑤ دور نبوی میں آلات کتابت اور کاغذ عام میسر نہ تھا۔ چنانچہ عہد نبوی میں قرآن اگر مکمل صورت میں موجود تھا تو وہ حفاظ قرآن کے سینوں میں تھا۔ کاغذ یا چمڑے پر تو قرآن متفرق اور بکھرا ہوا تھا۔ اسی لئے محققین کے نزدیک قرآن کریم کی آیات کی ترتیب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کیونکہ آیات کی ترتیب کے بغیر ایک مسلسل مضمون نہیں مل سکتا۔ جبکہ سورتوں کی ترتیب میں علما متفق نہیں ہیں۔ جمہور محدثین کے ہاں ان ٹھیکریوں، چوڑی ہڈیوں اور کھجور کی چھالوں پر لکھے ہوئے قرآن کو پہلے تو حفاظ قرآن نے ہی 'صحف' کی شکل عہد صدیقی میں دی۔ پھر سورتوں کی مکمل ترتیب اور خاص رسم الخط میں حضرت عثمان نے مصحف کی صورت قرآن جمع کیا۔ لہذا 'جامع القرآن' کا لقب آج تک انہی کے لئے خاص ہے۔

⑥ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی حفظ و ادا کی صورت ملانہ کہ بصورت کتابت، جبریل امین اور نبی

☆ ہمارے بعض کم علم لوگ اسے علم رسم الخط کے اختلافات سمجھنے کی بجائے قرآن میں تحریف بنانا شروع کر دیتے ہیں۔ دو سال قبل ماہنامہ 'طلوع اسلام' میں ایسا ہی ایک مضمون شائع ہوا جس میں فلوریڈا کے ایک پرویزی قلدکار نے مدینہ منورہ کے کنگ ہند کمپلیکس سے شائع ہونے والے قرآن کریم کے لاکھوں نسخہ جات جو ہر سال حجاج کرام میں تقسیم کئے جاتے ہیں، کو تحریف قرآن کی ایک عظیم سازش قرار دیا اور مسلمانوں کو اس کے خلاف منظم ہونے کی دعوت دی۔ لیکن یہ کم علمی اور جہالت کے سوا کچھ نہیں۔ قرآن کریم کی کتابت کے اصول آج بھی عربی زبان کی کتابت سے جا بجا مختلف ہیں اور ان اصولوں کو ملحوظ رکھے بغیر قرآن کو لکھنا جائز نہیں۔

کیونکہ قرآن کریم کے لکھنے میں رسم عثمانی کی پابندی بھی ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالم عرب میں شائع ہونے والی کتب میں قرآنی آیات کی کمپوزنگ نہیں کی جاتی بلکہ اس کی کتابت ہی لگائی جاتی ہے۔ یہی طریقہ زیادہ حفاظت والا اور قرآن کریم کے زیادہ لائق ہے۔ جب ان کے خیال میں قرآن کو وہی فن کتابت حفاظت مہیا کر رہا ہے جو چند صدیوں بعد مدون ہوا تو پھر منکرین حدیث اس رسم الخط کا کیا کریں گے جو چند صدیوں بعد وجود میں آیا۔ آیا اس میں عجمی سازش کا امکان بھی وہ پیدا کر لیں گے!!

رحمت ﷺ اس کو حافظے کی مدد سے صحابہ کرام کو پہنچایا کرتے۔

⑦ اس امر کی شہادت بھی قرآن میں موجود ہے کہ قرآن کریم کی دنیا میں حفاظت کس طرح ہوئی:

﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ﴾

”بلکہ وہ (قرآن) تو واضح آیات ہیں جو ان لوگوں کے سینے میں محفوظ ہیں جنہیں علم دیا گیا ہے۔ اور

ہماری آیات سے بے انصاف لوگوں کے سوا کوئی انکار نہیں کرتا۔“ (العنکبوت: ۴۹)

⑧ قرآن کریم کی دو صدیقی میں تدوین کا واقعہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت اوّلا

حافظ کے ذریعے ہوئی۔ چنانچہ جب تک حفاظ قرآن کی بڑی تعداد موجود رہی، صحابہ کرام حفاظت قرآن

سے مطمئن رہے۔ جب جنگ یمامہ میں تقریباً ۷۰ حفاظ قرآن صحابہ کی شہادت پر حضرت عمرؓ بن خطاب

کو حفاظت قرآن کی فکر دامن گیر ہوئی تو انہوں نے خلیفہ اول کو تدوین قرآن کا مشورہ دیا۔ اس سے پتہ

چلتا ہے کہ اس سے قبل جلیل القدر صحابہ کرام حفاظ قرآن کی کثرت کی وجہ سے مطمئن تھے اور وہ حفاظت

سینوں میں تھی، کتابت میں نہیں۔

ہمارے ذہن میں کتابت والے یہ مغالطے اس لئے جنم لیتے ہیں کہ ہم اس دور کو اپنی موجودہ عادات پر

قیاس کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں چونکہ معانی کے اوپر دلالت کرنے والے الفاظ کی زیادہ حفاظت مطلوب تھی،

اس لئے اس کے باقاعدہ حفظ اور تلاوت کو تعمیری امر قرار دیا گیا۔ جبکہ حدیث میں اصل شے اُسوۂ رسول یعنی

مرادِ بانی ہے، جن کو سنتِ رسول کی روایت کرنے والے صحابہ کرام کے حوالے سے پیش کیا جاتا ہے۔ اسی لئے

احادیث کی نسبت اور کئی راوی صحابی کے اعتبار سے ہوتی ہے یعنی اُسوۂ رسول کی خبر دینے والا صحابی ہی ہوتا ہے۔

لہذا اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ دور نبوی میں نہ صرف حدیث بلکہ قرآن بھی بین الدتین تدوین نہ ہوا تھا

بلکہ دونوں کو اوپر بیان کردہ وضاحت کی رو سے آنے والے ادوار میں احاطہ تحریر میں لایا گیا جو اس دور کے ایک

سادہ، جامع اور معمول بہ طریقہ سے تھی۔ مگرین حدیث کا قرآن و سنت کی تدوین پر عدم اعتماد والا اعتراض

در اصل فنِ تحریر کے موجودہ ارتقا اور یورپی علوم کے طریقہ حفاظت سے مرعوب ہونے کا شاخسانہ ہے، جس میں

زمانوں کے بدلتے ہوئے حالات کی رعایت نہیں رکھی گئی۔

### ③ الحاد اور بے عملی

فقہاء مذاہب کی فقہی تشریحات کو مختلف سیاسی و تمدنی وجوہات کی بنا پر بقول شاہ ولی اللہؒ چوتھی صدی

ہجری کے بعد اس قدر قبول عام حاصل ہوا کہ ہر فرد کے لئے کسی فقہی مسلک کی مناسبت سے متعارف ہونا

ضروری ٹھہرا۔ یہ تو ایک انتہائی جو صدیوں جاری رہی۔ اس میں بھی اصلاح کی ضرورت تھی جس کی طرف شاہ

ولی اللہ نے بطور خاص توجہ دی اور آزادی فکر اور فقہی توسع کو برصغیر میں پھیلانے کے لئے سرگرمی سے کام لیا۔

☆ یعنی قرآن کو براہ راست نسبت تو اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے لیکن اس کے پہلے راوی اور قاری رسول کریم ﷺ ہیں۔ اس طرح

حدیث کی براہ راست نسبت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف ہوتی ہے لیکن اس کی خبر اور روایت چونکہ صحابہ کرام سے چلتی ہے، اسلئے

تعال رسول ہونے کے باوجود سوائے اُرداد و وظائف کے وہ کلام یا خبر صحابہ ہی کی وجہ سے حدیث کہلاتی ہے۔

افسوسناک امر یہ ہے کہ مروّجہ تقلیدی جمود کی اس مبارک اصلاحی تحریک کے ردِ عمل میں انتہائی رویہ کے طور پر ایک الحادی فکر نے بھی جنم لیا۔ یعنی تفریط کی صورت میں 'تقلید' اگر ائمہ کرام کی آرا کی غیر مشروط اطاعت کا تصور دیتی تھی تو اس الحادی تحریک نے مفرطانہ طور پر علمائے اُمت کی تمام محققانہ خدمات پر خطِ تینِخ پھیر دیا۔

شاہ ولی اللہ کی تحریک کے حاملین یعنی تقلید میں اصلاح کے علم بردار تو ائمہ کی خدمات کے معترف اور ان کی علمی تحقیقات کے قدردان ہیں، صرف وہ ان کو نبی کی طرح معصوم قرار دینے سے گریز کرتے ہیں۔ ان کے پیش نظر جذبہ اتباع سنت ائمہ کی تشریحات کے تسلسل کو ساتھ لے کر چلنے کا داعی ہے جبکہ اس دوسرے الحادی گروہ نے نہ صرف امام الانبیا ﷺ کی استنادی حیثیت کو بلکہ ان کی احادیث تک کو مشکوک بنایا اور ان علماء کی خدمات سے بھی کھلا انحراف کیا۔ علومِ اسلامیہ میں تدوین و ارتقا کے تمام مراحل بیک جنبشِ قلم انہوں نے ختم کر کے رکھ دیئے اور کہا کہ علماء کو آج تک اسلام کی سمجھ نہیں آئی، تدوین حدیث ایک عجمی سازش تھی، اور آج اسلام کی ایسی تعبیر نو کرنے کی ضرورت ہے جو علماء کی کاوشوں کی آلائشوں سے پاک ہو۔

اس اعتبار سے منکرین حدیث کی یہ الحادی سوچ ہے جس کے بعد اسلام کا حلیہ بالکل مسخ ہو جاتا ہے۔ اپنے پیشرو علماء پر اندھا دھند اعتراضات نے انہیں بالکل ایک نئے اسلام کا داعی بنا دیا جس میں کوئی بات بھی طے شدہ نہیں۔ پھر بات ائمہ تک نہیں رہی بلکہ صحابہ کرام تک اور پھر وہاں سے رسالت تک پہنچی اور عملاً سارا اسلام باز بچہ اطفال بن کر رہ گیا۔ اب منکرین حدیث کے جتنے گروہ ہیں، اتنے ہی فکری انتشار کا شکار ہیں اور قرآن کے نام پر وحدت کے یہ داعی اہل قرآن خود اتنے فکری مغالطوں کا شکار ہیں کہ ان کی اس آزادی فکر نے اسلام کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔

منکرین حدیث کے فاسد اعتقادات اور گمراہ کن نظریات کی تردید چونکہ علماء اسلام نے ہی کی اور انہیں علمی و فکری طور پر ان حضرات سے واسطہ پڑا، چنانچہ منکرین حدیث کا ایک مشترکہ ہتھیار یہ بھی رہا کہ علماء کو وہ علماء سوء قرار دیتے اور ان کے پیش کردہ اسلامی اعتقادات کو وہ مضحکہ خیز قرار دیتے رہتے ہیں۔

علماء کی ناقدری اور ان کو نازیبا کلمات سے نوازنے میں بھی منکرین حدیث کی تربیت مغربی لٹریچر نے کی جس نے طویل عرصہ اپنے ہاں کی پاپائیت سے معرکہ آرا ہو کر دینی رہنماؤں کو اجتماعی معاملات سے بے دخل کر دیا تھا۔ صیہونی اثرات کے زیر تسلط عالمی میڈیا اپنی بھرپور قوت سے علماء اسلام کے خلاف سامراجی ادوار سے سرگرم رہا ہے اور اس کی بھرپور مہم کا نتیجہ ہے کہ مولوی اور ملاً جو کبھی علماء کے لئے صیغہ افتخار تھا، اب حرفِ ملامت بن گیا اور شہروں میں کوئی بھی ایسے القاب کو اپنے لئے پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ منکرین حدیث کے لئے میدان ہموار کرنے میں بھی ان کے سرپرست مغرب نے پر زور معاونت کی اور عملاً ان کے ہاتھوں اصلاح کی بجائے الحادی تحریک اور فکری تحریف نے جنم لیا۔

انکارِ حدیث دیگر فروعی مسائل کی طرح ایک معمولی مسئلہ نہیں بلکہ اساسیاتِ دین سے متعلق ہے۔ انکارِ حدیث کے جراثیم اگر کسی میں پختہ ہو جائیں یا وہ استخفافِ حدیث کا ارتکاب شروع کر دے تو اس سے منصب

رسالت پر حرف آتا ہے جبکہ رسالت پر غیر مشروط ایمان اسلام کا بنیادی ضروری تقاضا ہے۔ ایک راسخ العقیدہ مسلمان اور حدیث پر متزلزل ایمان رکھنے والے کے عقائد و نظریات اور طرز زندگی میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔

حدیث نبوی کا انکار اکثر ایسے لوگ بھی کرتے ہیں جو صرف نام کے مسلمان رہنا چاہتے ہیں، عملاً اسلام کے کسی شعرا سے یا کسی دینی فریضہ کی ادائیگی سے انہیں کوئی غرض نہیں ہوتی۔ اس اعتبار سے انکارِ حدیث بد عملی کی راہ ہموار کرتا ہے۔ قرآن کریم میں نماز، زکوٰۃ جیسی بنیادی عبادتوں کی تفصیلات بھی نہیں ملتیں، چنانچہ پڑھے لکھے لوگوں کے لئے یہ بڑا آسان ہوتا ہے کہ وہ کسی بہانے حدیث کا انکار کر دیں تاکہ عمل کرنے سے ہی جان چھوٹ جائے۔ مقامِ افسوس ہے کہ انکارِ حدیث کے یہ مسموم اثرات ہمارے جدید تعلیمی نظام کے پڑھے لکھے لوگوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں اور وہ اپنی معمول کی گفتگو میں اس کا اظہار کسی نہ کسی طرح کرتے رہتے ہیں۔ انہی وجوہات کی بنا پر ادارہ محدث نے یہ ضروری سمجھا کہ 'فتنہ انکارِ حدیث' پر ایک خاص نمبر شائع کرے جس میں مختلف حوالوں سے نہ صرف منکرین حدیث کے خیالات و اعتراضات کی وضاحت کی جائے بلکہ اس کے بنیادی اسباب اور تاریخی تجزیہ کو بھی قارئین کے سامنے لایا جائے۔

## تعارف فتنہ انکارِ حدیث نمبر

جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ گذشتہ سال اگست کا شمارہ مولانا امین احسن اصلاحی اور ان کے اخلاف کے استخفافِ حدیث پر مشتمل نظریات پر تبصروں کا حامل تھا۔ احادیث پر اسی نوعیت کے اعتراضات کے جوابات کیلئے ہم نے مزید ایک شمارہ شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو بعض معمول کے شماروں کے بعد شائع ہوگا، ان شاء اللہ جبکہ موجودہ اشاعت خاص میں پرویزیت اور فتنہ انکارِ حدیث کے متعلق مضامین جمع کئے گئے ہیں۔

① اس اشاعت خاص کے بنیادی طور پر چار حصے کئے گئے ہیں۔ پہلا حصہ بطور خاص پرویزی افکار کے بارے میں ہے۔ جس میں مولانا محمد رمضان سلٹی (نائب شیخ الحدیث جامعہ لاہور الاسلامیہ) نے مسٹر غلام احمد پرویز کے عقائد کو ان کی کتب کی مدد سے قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ ایمان کے بنیادی ارکان، ایمان باللہ، ایمان بالرسول، ایمان بالملائکہ، ایمان بالآخرتہ اور ایمان بالکتب (القرآن) پر پرویز کا نظریہ اس کی اپنی کتب سے پیش کر کے گویا مولانا نے اُن فتاویٰ کے دلائل قارئین کے سامنے رکھے ہیں جن میں اسلامی عقائد سے انحراف کی بنا پر پرویز کو امام کعبہ اور عالمی مفتیان کرام نے دائرۃ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

اس حصہ کا دوسرا مضمون پروفیسر حافظ محمد دین قاسمی کا ہے جس میں انہوں نے احادیث کو چھوڑنے کی بنا پر نام نہاد اہل قرآن کے باہمی اختلافات کی قلعی کھولی ہے۔ اپنے مقالہ میں دس مثالوں کی مدد سے انہوں نے اس امر کو بھی آشکارا کیا ہے کہ مسٹر پرویز حدیث رسول سے انکار کر کے ساری زندگی خود بھی بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہے اور اپنی تردید آپ کرتے رہے۔ مقالہ نگار نے پرویز کے ماہنامہ 'طلوع اسلام' کی اکثر فائلوں کا بڑی محنت سے مطالعہ کر کے پرویزی تحریروں کے باہمی تضادات اور اپنی تردید آپ کی نشاندہی کی ہے۔

اس حصہ کا تیسرا مضمون پرویز کے رسالہ اطاعت رسول کے ناقدانہ تجزیہ پر مبنی ہے جس میں پروفیسر منظور

احسن عباسی نے اطاعتِ رسول کے تصور پرویز اور اس کے نتائج کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اس مقالہ کے مطالعہ سے بخوبی یہ علم ہو جاتا ہے کہ پرویز کا نظریہ اطاعتِ رسول کتنا پرفریب اور الفاظ کا گورکھ دھندا ہے جس سے علمائے امت کی معروف اصطلاح 'اطاعتِ رسول' کی بجائے مرکزِ ملت کی اصطلاح گھڑی گئی ہے اور پھر اس کے ذریعے تحریفِ دین کی راہ ہموار کی گئی ہے۔

اس حصہ کے آخری مضمون میں مذکورہ بالا عقائد کی بنا پر گزشتہ چند سالوں میں امتِ اسلامیہ کی صاحبِ علم و فضل شخصیات کی طرف سے 'پرویزیت' کے خارج از اسلام ہونے پر فتاویٰ جمع کئے گئے ہیں جس میں امامِ کعبہ، حالیہ مفتی اعظم سعودی عرب، حکومتِ کویت اور شیخ عبدالعزیز بن بازؒ کے فتاویٰ کے متن دیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ۲۰۰۹ برس قبل پرویزیت کے خلاف چلائی جانے والی مہم اور ۲۰۱۲ پاکستانی علماء اور عالم عرب کی نامور شخصیات کے فتاویٰ کا مختصر تذکرہ بھی کیا گیا ہے تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ ملتِ اسلامیہ کس طرح نصف صدی سے آج تک ان کے کفر پر متفق رہی ہے۔

② محدث کی اس اشاعت خاص کا دوسرا حصہ فتنہ انکار حدیث کے تجزیہ و تاریخ اور تدوین حدیث کے موضوعات پر مشتمل ہے۔ اس حصہ کے پہلے مضمون میں 'انکار حدیث کے لٹریچر' پر پی ایچ ڈی کرنے والے پروفیسر ڈاکٹر عبداللہ نے برصغیر کے معروف اہل علم کی تحریروں کی مدد سے فتنہ انکار حدیث کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے اور معروف منکرین حدیث کا تعارف علماء کرام کی زبانی پیش کیا ہے۔ اس حصہ کے باقی تینوں مضامین تدوین حدیث کے حوالے سے ان اعتراضات کے جواب پر مشتمل ہیں جو منکرین حدیث کی طرف سے اکثر کئے جاتے ہیں۔ پہلے مضمون میں عہد نبوی میں کتابت حدیث کے ثبوت پر دلائل جمع کئے گئے ہیں۔ دوسرا مضمون حفظ حدیث کے حوالے سے ہے، جس میں تدوین حدیث بذریعہ حفظ اور اس پر بعض اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ اس حصہ کا آخری مضمون محترم مدیر اعلیٰ کے ایک خطاب کی ترتیب ہے جس میں انہوں نے حفظ و کتابت کے ساتھ تعاملِ امت کو بھی حدیث کی حفاظت کا اہم ذریعہ قرار دیا ہے۔

③ تیسرا حصہ منکرین حدیث کی طرف سے کئے جانے والے عمومی اعتراضات و شبہات کے جواب میں لکھے جانے والے مضامین پر مبنی ہے۔ پہلا مضمون محقق شہیر مولانا صغی الرحمن مبارکپوری (سابق امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند) کا ہے جو انہوں نے اس اشاعت خاص کے لئے راقم کو ریاض میں ہونے والی ملاقات میں دیا۔ اس میں فاضل مکرم نے ۷، ۸، ۹ بنیادی اعتراضات کی بڑے متوازن انداز میں وضاحت فرمائی ہے۔ یہ اعتراضات قریباً وہی ہیں جو پرویزوں کی طرف سے احادیث کے بارے میں کئے جاتے ہیں۔ دوسرا مضمون جماعتِ اسلامی کے مؤسس، نامور اسلامی مفکر سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا ہے جس میں انہوں نے سپریم کورٹ کے ایک جسٹس صاحب کے حدیث پر اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے حجیت حدیث کی بحث بڑے خوبصورت انداز میں کی ہے۔ یہ اعتراضات اکثر وہ ہیں جو دانشور حضرات کے ذہنوں میں حدیثِ نبوی کے بارے میں پائے جاتے ہیں۔ اس حصہ کا تیسرا مضمون مرکزی جمعیت اہل حدیث، کویت کے اہم رہنما مولانا عبدالخالق

صاحب کا ہے جنہوں نے کویت میں بزم طلوع اسلام کی سرگرمیوں اور اس کی بیخ کنی کے لئے علماء حق کی کاوشوں پر روشنی ڈالنے کے علاوہ منکرین حدیث کے بعض شبہات کی عالمانہ انداز میں وضاحت کی ہے۔ آخر میں ادارہ طلوع اسلام کی کویت میں سرگرمیوں سے متعلق رپورٹ کے علاوہ ان کے مقابل علماء کرام کی سرگرمیوں کا ایک مختصر تذکرہ بھی موجود ہے۔ ان سرگرمیوں کے نتیجے میں کویت و سعودی عرب کی حکومتوں نے طلوع اسلام کے بانی غلام احمد پرویز کو خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ آخری مضمون قاری محمد موسیٰ صاحب کا ہے، جس میں نسبتاً عام فہم انداز میں مختصر الفاظ میں حجیت حدیث کے تصور کی وضاحت کی گئی ہے۔

④ اس نمبر کا چوتھا حصہ اپنی نوعیت کی بالکل منفرد کاوشوں پر مبنی ہے۔ پہلے مضمون میں جناب ڈاکٹر خالد رندھاوا صاحب نے اس تمام کتابی لٹریچر کا اشاریہ تیار کیا ہے جو برصغیر میں انکار حدیث کے حوالے سے لکھا گیا۔ دوسرے مضمون میں عبدالرشید عراقی صاحب نے اس ضمن میں علماء اہل حدیث کی خدمات کا ایک مختصر جائزہ اور ان کی تصنیفات کی فہرست پیش کی ہے۔ جبکہ اس حصہ کا آخری مضمون برصغیر کے جملہ دینی جرائد میں اس موضوع کے حوالے سے آج تک شائع ہونے والے مضامین کا موضوع وار اشاریہ ہے، جس کے آخر میں متعدد ذیلی اشاریے بھی بنائے گئے ہیں۔

یہ ہے مختصر الفاظ میں اس خصوصی اشاعت کا تعارف۔ ہماری محنت اور ۳ ماہ (اگست، ستمبر، اکتوبر) کی کاوش آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ہمارا مقصد صرف ایک ہے اور وہ ہے: حدیث رسول اللہ کا دفاع اور اس کی استنادی حیثیت پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کی حتی المقدور وضاحت تاکہ جو دین نبی کریم اُمت مسلمہ کے حوالے کر گئے ہیں، وہ قرآن اور احادیث نبویہ کی مدد سے مکمل اور احسن صورت میں اُمت کے زیر عمل رہے۔ اس مقصد میں ہم کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں، اور ہماری اس کاوش سے اس فتنہ کے سدباب میں کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے، اس کے لئے ہم اپنے رب کے حضور دست بدعا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حدیث نبوی کی خدمت کرنے والوں میں شامل فرمائے اور ہماری اس حقیر کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین! (حافظ حسن مدنی)

### محدث کا فتنہ انکار حدیث نمبر

کتابی صورت میں بھی فورلکرائزنگل کے ساتھ محدود تعداد میں دستیاب ہے۔  
فوری رابطہ کریں: قیمت کتاب ۱۵۰ روپے، رجسٹرڈ ڈاک: ۲۰ روپے مزید

یہ خاص نمبر ۴ شماروں کی ضخامت (4x72=288 صفحات) پر مبنی ہے، جسے ۲ شماروں (اگست، ستمبر) کے متبادل قرار دیا گیا ہے جبکہ آئندہ شمارہ ۲۷ صفحات پر دو ماہ کا ہوگا۔ 'سود نمبر' ڈاک کے ذریعے نہ ملنے کی شکایات بکثرت ملی تھیں، چنانچہ اس نمبر کو رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے بھیجا جا رہا ہے۔ ۶۳ مزید صفحات اور رجسٹری کی مدد میں ادارہ کو ۴۰ روپے کا اضافی بوجھ پڑا ہے۔ ایک غیر کاروباری ادارہ ہونے کی وجہ سے یہ بوجھ ادارہ کے لئے ناقابل برداشت ہے، جس کے لئے قارئین سے مزید ادائیگی کی توقع کی جاتی ہے۔ ادارہ محدث

## مسٹر غلام احمد پرویز کے کفریہ عقائد

کویت سے شائع ہونے والے اخبار 'الایمان' کے دسمبر ۱۹۹۸ء کے شمارہ میں سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کا غلام احمد پرویز اور اس کے حواریوں کے بارے میں ایک فتویٰ شائع ہوا تھا جس میں مفتی صاحب نے پرویز کے عقائد و نظریات معلوم ہونے کے بعد اسے اور اس کے پیروکاروں کو کافر قرار دیا تھا۔

زیر نظر مضمون میں ہم چاہتے ہیں کہ مسٹر پرویز اور اس کے تبعین کے اعتقادات ان کی اپنی کتابوں کے حوالہ جات سے منظر عام پر لائیں تاکہ قارئین کو معلوم ہو سکے کہ واقعی آنجہانی پرویز اور اس کے حواری کفریہ عقائد کے علمبردار ہیں، اور ان کے کفر و ارتداد میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے، اور شیخ ابن باز نے ان کے کافر و مرتد ہونے کا جو فتویٰ دیا ہے، بالکل برحق اور سچ ہے۔ کیونکہ مسٹر پرویز کی خودنوشت کتابیں ان کے کفریہ عقائد کی تصدیق کرتی ہیں اور اس کے افکار ان لوگوں کے ملحد و مرتد ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔ اہل اسلام کے ہاں یہ بات مسلم ہے کہ اسلام کے بنیادی عقائد حسب ذیل ہیں:

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا، یوم آخرت پر ایمان، فرشتوں پر ایمان اور قرآن کریم پر ایمان لانا وغیرہ..... یہ ایسے عقائد ہیں جن کے اقرار و تصدیق سے کوئی شخص مسلمان ہوتا ہے اور ان عقائد کا انکار کرنے والا یا ان کی من پسند تخریف کرنے والا شخص کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ لہذا آئندہ سطور میں اس بات کو واضح کیا جائے گا کہ امت مسلمہ کے نزدیک ان عقائد سے کیا مراد ہے، اور مسٹر پرویز اور اس کے پیروکار کیسے ان عقائد کو مسخ کرنے کی مذموم کوشش میں مصروف ہیں۔

### ① ایمان باللہ

ذات الہی کے بارے میں امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ

اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانے کو دین اسلام میں بنیادی اہمیت حاصل ہے جس سے کوئی مسلمان

☆ نائب شیخ الحدیث جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ)، نیوگارڈن ٹاؤن لاہور

انکار نہیں کر سکتا، اور اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے اور اپنی مخلوقات سے الگ تھلگ ہونے کو تمام مسلمان بالاتفاق تسلیم کرتے آ رہے ہیں اور قرآن کریم نیز سنت نبویہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہی عقیدہ پیش کرتے ہیں اور امام ذہبیؒ اس پر امت مسلمہ کا اجماع ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”أدرکننا العلماء فی جمیع الأمصار حجازا و عراقا و مصر و شامًا و یمنًا فکان مذهبهم أن الله تبارک و تعالیٰ علی عرشه بائن من خلقه کما و صف نفسه بلا کیف و أحاط بكل شیء علما (کتاب العلو للذهبی ص ۱۳۷)

”حجاز، عراق، مصر، شام اور یمن کے تمام علما کا یہی عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور اپنی تمام مخلوقات سے جدا اور الگ تھلگ ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی ایسی ہی صفات بیان فرمائی ہیں، جن کی کیفیت کو وہی جانتا ہے اور اس کا علم ہر چیز کو شامل ہے۔“

ابن ابطہ عقیدہ توحید پر امت کا اجماع نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”أجمع المسلمون من الصحابة و التابعین أن الله علی عرشه فوق سمواته بائن من خلقه“ (کتاب الإبانة)

”تمام صحابہ اور تابعین اور اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے اور وہ اپنی ساری مخلوق سے جدا ہے۔“

حافظ ابونعیم، اللہ تعالیٰ کے بارے میں امت مسلمہ کا عقیدہ یوں بیان فرماتے ہیں:

”طریقتنا و طریقة السلف المتبعین للکتاب و السنة و إجماع الامة و ممّا اعتقدوه أن الأحادیث التي ثبتت فی العرش و استواء الله علیه یقولون بها و یثبتونها من غیر تکییف و لا تمثیل و أن الله بائن من خلقه و الخلق بائون منه لا یحل فیهم و لا یمتزج بهم و هو مستو علی عرشه فی سماؤه من دون أرضه“

”ہمارا طریقہ وہی ہے جو سلف صالحین کا تھا اور وہ سب کتاب و سنت اور اجماع امت کے پابند تھے۔ ان سب کا یہ عقیدہ تھا کہ جن نصوص و آیات میں اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا ذکر آتا ہے، انہیں بلا کیف اور بلا تمثیل تسلیم کیا جائے اور اس بات پر بھی ایمان ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی تمام مخلوق سے جدا ہے اور مخلوقات اس سے الگ تھلگ ہے۔ یہ نہیں کہ وہ اپنی مخلوق کے اندر حلول کئے ہوئے ہو اور نہ ہی وہ اپنی مخلوق سے متصل ہے بلکہ وہ اپنے عرش پر مستوی ہے اور اس کا عرش آسمان کے اوپر ہے، زمین پر نہیں۔“ (کتاب العلو، ص ۱۳۸)

امام ابن خزیمہؒ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اہل سنت کے مذکورہ عقیدے سے انکار اور اس سے انحراف کرنے والے شخص کے مرتد اور اس کے واجب القتل ہونے کی صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”من لم یقر بأن الله تعالیٰ علی عرشه قد استوی فوق سبع سمواته فهو کافر“



برہہ بستانب فاین تاب و إلا ضرب عُنُقَهُ“ (معرفہ علوم الحدیث، ص ۸۴)  
 ”جو شخص اس بات کا اقرار نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور اس کا عرش سات  
 آسمانوں کے اوپر ہے، وہ کافر ہے۔ اسے کہا جائے کہ وہ اپنے بد عقیدہ سے توبہ کرے، اور اگر وہ  
 اس سے توبہ کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو اس کی گردن اڑادی جائے۔“

یہ ہے وہ عقیدہ جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ پر ایمان ہی دراصل دین  
 اسلام کی بنیاد ہے، جس سے انکار کرنے یا اس عقیدہ کو حید کی تحریف کر دینے کے بعد کوئی شخص مسلمان نہیں  
 رہ سکتا۔

### پرویز کی نظر میں اللہ سے کیا مراد ہے؟

اب آئیں دیکھیں کہ مسٹر غلام احمد پرویز جو فرقہ طلوع اسلام کے بانیوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ  
 کے بارہ میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں، اور کیسے وہ ساری زندگی عقیدہ توحید کو مسخ کرنے کی کوشش میں مصروف  
 رہے ہیں۔

اگرچہ مسٹر پرویز اپنی تالیفات میں ’اللہ یا خدا‘ کا لفظ بکثرت استعمال کرتے ہیں، جس سے عام  
 لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ پرویز کے نزدیک بھی تصورِ خدا وہی ہے جو اہل اسلام کے ہاں ہے۔ حالانکہ حقیقت  
 حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ مسٹر پرویز کے ہاں اللہ یا خدا سے مراد وہ ذات نہیں ہے جو عرش پر مستوی  
 ہے اور جس پر تمام مسلمانوں کا ایمان ہے، بلکہ انہوں نے عقیدہ توحید اور ایمان باللہ کے مفہوم کو ایسا مسخ  
 کیا ہے کہ کوئی مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا، اور اس پر ان کی تالیف کردہ کتابیں گواہ ہیں۔ جیسا کہ وہ  
 اپنی کتاب ’سلیم کے نام‘ میں اپنے متنبی ’سلیم‘ کو اللہ پر ایمان لانے کا مفہوم سمجھاتے ہوئے لکھتے ہیں:  
 ”میں نے تمہیں اپنے سابقہ خط میں بتایا تھا کہ خدا پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ جو معاشرہ اس کے  
 قوانین کے مطابق قائم ہو، اسے صفاتِ خداوندی کا مظہر ہونا چاہئے۔“ (سلیم کے نام: ۲۲۵/۱)

دیکھئے مسٹر پرویز نے خدا پر ایمان کو معاشرہ پر ایمان لانے سے تعبیر کر دیا، اور اس معاشرہ پر ہی  
 صفاتِ خداوندی کو چسپاں کر دیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کامل اور بلا کیف مانی جاتی ہیں جبکہ معاشرہ  
 اور مخلوق کی صفات ناقص ہیں اور ان کی کیفیت بھی ہمارے لئے منکشف ہے۔

مسٹر پرویز اپنی اسی کتاب کے دوسرے مقام پر اہل اسلام کے ہاں عقیدہ خدا کو رد کرتے ہوئے  
 اور مارکس کے نظریہ خدا کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”انسانوں کے خود ساختہ مذہب کے پیدا کردہ خدا پر ایمان لانے اور اس کے دعاوی پر توکل  
 رکھنے سے وہ یقین کسی طرح پیدا نہیں ہو سکتا جو انسان کو احتیاج کی فکر سے بے خوف کر دے۔ یہی

وہ خدا تھا جس کے متعلق مارکس نے کہہ دیا تھا کہ اس کا تصور سرمایہ داروں کی مصلحت کو شیوں کا پیدا کردہ ہے، لیکن 'خدا' کے تصور کا ایک مفہوم وہ ہے جسے (بزعم پرویز) خود خدا نے متعین کیا ہے اور جو قرآن کے حروف و نقوش میں جگمگ جگمگ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس تصور کی رو سے ان مقامات پر خدا سے عملاً مفہوم، وہ نظام ہے جو اس کے قوانین کو نافذ کرنے کے لئے مشکل ہوتا ہے اور اس طرح وہ تمام ذمہ داریاں اپنے سر پر لے لیتا ہے، جنہیں خدا نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔  
(سلیم کے نام: از پرویز، ج ۱ ص ۲۹۹)

اس عبارت پر غور کیجئے، مسٹر پرویز مارکس کی تقلید میں اندھا ہو کر کیسے خدا پر ایمان کے اسلامی مفہوم کو بے فائدہ بنا رہا ہے اور خدا پر ایمان سے مراد وہ نظام بناتا ہے جو اس کے قوانین کا نفاذ کرے، اگرچہ قوانین خداوندی کے نفاذ سے انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن خدا سے مراد ہی نظام لے لینا بے دین ذہن کی اختراع ہے۔ آپ قرآنی آیت ﴿الْكَرْحَمْنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ (سورۃ طہ: ۵) ”رحمن جل شانہ عرش پر قائم ہے۔“ کی روشنی میں غور کریں، کیا قرآن کریم کی نصوص اس خدا کا تصور پیش کرتی ہیں جو مارکس یا مسٹر پرویز نے پیش کیا ہے؟ یا اس عقیدہ توحید کو پیش کرتی ہیں جس کا تعارف ہم نے متذکرۃ الصدور میں کروایا ہے؟ لہذا ایسی عبارتوں سے مسٹر پرویز کی ضلالت کھل کر سامنے آجاتی ہے اور اس سے ان کے کفر کا پردہ چاک ہو جاتا ہے اور اب وہ اپنے متبئی سلیم کو قرآن فہمی کا قانون سکھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

”سلیم اگر تم ایک اہم نکتہ کو سمجھ لو تو قرآن فہمی میں تمہاری بہت سی مشکلات کا حل خود بخود نکل آئے گا یعنی ان مقامات میں جہاں قرآن کریم میں لفظ ’اللہ‘ استعمال ہوا ہے، ’اللہ کی جگہ اگر تم ’اللہ کا قانون‘ کہہ لیا کرو تو بات بالکل واضح ہو جائے گی۔“ (سلیم کے نام: ج ۱ ص ۱۷۳)

بزم پرویز میں اگر کوئی شخص عقل سے کام لینے والا موجود ہو تو وہ ان حضرات سے پوچھے کہ جب قرآن کریم کے دیگر مقامات میں اللہ تعالیٰ کے قوانین اور ان کی پیروی کی اہمیت واضح الفاظ میں ذکر کر دی گئی ہے تو ’اللہ‘ کے اسم گرامی کو قانون کے معنی میں لینے کی ضرورت کیا ہے؟ کیا اللہ اور قانون دونوں مترادف ہیں؟ اور اس کے باوجود اگر آپ لوگ ’اللہ‘ کو قوانین کے معنی لیتے ہیں تو یہ صرف اس لئے ہے کہ مسلمانوں کے ہاں اللہ تعالیٰ پر ایمان کے عقیدے کو مسخ کر دیا جائے اور اہل اسلام کے دلوں سے عظمتِ خدا کے تصور کو ختم کر دیا جائے اور مرکزی حکومت کے قوانین کو خدا کے قوانین کا نام دے کر ان کی اہمیت کو دلوں میں راسخ کر دیا جائے۔

مسٹر پرویز اپنے مخصوص تمسخرانہ انداز میں اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا انکار کرتے ہوئے

لکھتے ہیں: (سلیم کے نام: پیش لفظ، ج ۲)

”خدا کے متعلق عام تصور یہی ہے کہ وہ کائنات سے باہر، انسانی دنیا سے الگ اپنے عرش حکومت پر بیٹھا ہے۔ ہمارا فریضہ یہ ہے کہ ہم اس کے احکام بجالاتے رہیں، اس سے وہ خوش ہو جاتا ہے، اگر ایسا نہ کیا جائے تو وہ ناراض ہو کر انسانوں کو جہنم میں ڈال دیتا ہے، یہ تصور غیر قانونی ہے۔“

دیکھئے مسٹر پرویز کائنات سے الگ عرش پر مستوی ذات باری تعالیٰ کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہے، بلکہ وہ ایسے خدا کی تلاش میں سرگرداں ہے جو کسی تنظیم کی شکل میں کائنات کے اندر ہی موجود ہو۔

حالانکہ قرآنی نصوص سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات سے جدا ہے جسے ان دنیاوی آنکھوں سے دیکھا نہیں جاسکتا، اور ہر چیز سے بڑھ کر اس سے اور اس کی شریعت سے محبت کرنا مسلمانوں کے ایمان کا جز ہے، لیکن پرویز ایسے خدا سے محبت کو محال اور دشوار شمار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”جس قسم کی محبت انسانی محبوب سے کی جاتی ہے، اس قسم کی محبت خدا سے کی ہی نہیں جاسکتی، تم کسی اُن دیکھی چیز سے محبت کر ہی نہیں سکتے۔“

اس سے ذرا آگے چل کر وہ لکھتے ہیں: ”محسوسات کا خوگر انسان کسی غیر مرئی و غیر محسوس حقیقت سے محبت نہیں کر سکتا۔“ (سلیم کے نام: ج ۳ ص ۸۹)

مسٹر پرویز کا یہ دعویٰ آیت ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَتَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ (البقرہ: ۱۶۵) اور اس جیسی دیگر متعدد آیات کے خلاف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنا خدا مخلوقات کے اندر ہی تلاش کرنے کی کوشش میں تھے جو محسوس اور مرئی یعنی دنیا میں ہی نظر آنے والا ہو، لہذا وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گئے اور اس نے محسوس اور دنیا میں ہی نظر آنے والا خدا تلاش کر لیا جس کی بشارت وہ اپنے حواریوں کو دیتے ہوئے ”نظام ربوبیت“ میں صفحہ ۱۵۸ پر لکھتے ہیں:

”ہم اس مقام پر ایک اہم نکتہ کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں، جسے آگے بڑھنے سے پہلے سمجھ لینا ضروری ہے۔ ہم نے ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ.....﴾ کی آیت میں بھی اور مذکورہ صدر آیت میں بھی ”اللہ“ سے مراد لیا ہے ”وہ معاشرہ جو قانون خداوندی کو نافذ کرنے کیلئے متشکل ہو۔“

قانون خداوندی کا لفظ بھی پرویز صاحب کا نکتہ کلام ہے جسے وہ بکثرت اپنی کتابوں میں ذکر کرتے ہیں، ورنہ قارئین پر یہ بات مخفی نہیں کہ وہ قانون فرنگی کو قانون خداوندی کا نام دیتے ہیں، اور مستشرقین و ملحدین کے آراء و افکار کو قرآنی آیات کے لبادے میں پیش کرتے ہیں، اور اس ہیرا پھیری میں وہ مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ ان کی اس چابک دستی کا ہم فراخ دلی سے اعتراف کرتے ہیں۔ دوسرے مقام میں وہ اسلامی حکومت کے منشور کو ”بیثاق خداوندی“ کا نام دیتے ہوئے اور اپنے حواریوں کو محسوس اور مرئی خدا کا مشاہدہ کرواتے ہوئے رقم طراز ہیں: (سلسیل، ص ۱۲۲)

”چونکہ عمال حکومت اسلامیہ کا عہد نامہ ان کے اور حکومت کے اقتدارِ اعلیٰ (یعنی ان کے خدا)

کے مابین ہوگا، اس لئے ہم نے اس کا عنوان 'میشاق خداوندی' مناسب سمجھا ہے۔“  
اس کے بعد انہوں نے میثاقِ خداوندی کی تفصیل نقل کی ہے لیکن ان کے سابقہ اقتباس پر غور فرمائیں جس میں انہوں نے اقتدارِ اعلیٰ کو ہی خدا قرار دیا ہے اور اربابِ اقتدار کو عمالِ حکومت کا خدا بنا کر کفر کا ارتکاب کیا ہے اور اپنے اس کفر کو بر ملا لوگوں پر مسلط کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”قرآن میں جہاں اللہ اور رسول کے الفاظ اکٹھے آتے ہیں، وہاں اس سے مراد کیا ہوتی ہے؟  
..... اس سے مراد اسلامی نظامِ حکومت ہے جو خدا کے احکام نافذ کرنے کے لئے متشکل ہوتا ہے۔“

(قرآنی فیصلے، ج ۱ ص ۲۳۷)

اللہ تعالیٰ کے احکام کے نفاذ سے کسی کو انکار نہیں ہے اور نہ ہی اس پر کسی کو کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔ لیکن اللہ اور رسول کے مقدس کلمات سے نظامِ حکومت مراد لینا مسٹر پرویز کے کفر و الحاد اور ان کی منافقت کی غمازی کرتا ہے۔ جس کی جرأت اس سے پہلے کسی مسلمان کو نہیں ہوئی۔

### مفسرین قرآن پر اپنی من مانی تعبیر تھوپنے کی جسارت

● **مفسر ابن جریر طبری برہتان:** جھوٹے آدمی کو اپنی بات سچ باور کرانے کے لئے دیگر متعدد جھوٹوں کا سہارا درکار ہوتا ہے جیسا کہ مسٹر پرویز نے اللہ و رسول کے مقدس کلمات کو مرکزی حکومت کے لئے استعمال کر کے کذبِ بیانی کی، اور اسے سچ بنانے کے لئے دوسرا جھوٹ یہ بولا کہ وہ مفسر ابن جریر طبری کو بھی اس میدان میں کھینچ لائے اور یہ دعویٰ کر دیا کہ

”یہ بات کہ قرآن کریم میں جہاں اس ضمن میں اللہ اور رسول کے الفاظ آئے ہیں، اس سے مراد 'اسلامی نظام' ہے، ہماری اختراع نہیں؛ یہ خیال متقدمین کا بھی تھا، اور خود ہمارے زمانے کے مفسرین کا بھی ہے، مثلاً قرآن کریم کی آیت ہے ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ.....﴾ اے رسول تم سے پوچھتے ہیں أنفال (مالِ غنیمت) کے متعلق، کہہ دو کہ أنفال اللہ اور رسول کے لئے ہے۔“

امام ابن جریر طبری جن کی تفسیر کو ائمہ التفاسیر کہا جاتا ہے، اللہ و رسول کی تفسیر میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد اپنا فیصلہ یہ لکھتے ہیں: ”وَأُولَىٰ هَذِهِ الْأَقْوَالِ بِالصَّوَابِ فِي مَعْنَى الْأَنْفَالِ قَوْلُ مَنْ قَالَ هِيَ زِيَادَاتٌ يَزِيدُهَا الْإِمَامُ لِبَعْضِ الْجَيْشِ أَوْ جَمِيعِهِمْ“  
”انفال کے معنی کے متعلق ان تمام اقوال میں سے قرین صواب ان لوگوں کا قول ہے جنہوں نے کہا ہے کہ یہ وہ اضافے ہیں جو امام وقت بعض یا کل فوج کے لئے کرتا ہے۔“

اس کے بعد مسٹر پرویز حق کا خون کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”یہاں انفال کے معنی سے بحث نہیں، مدعا صرف یہ ہے کہ اللہ و رسول کی تفسیر انہوں نے امام

وقت لکھی ہے۔“ (قرآنی فیصلے از پرویز، ج ۲ ص ۲۲۲)

مستشرقین کے اس ہندی شاگرد نے یہاں ابن جریر طبریؒ کے سر وہ جھوٹ تھوپنے کی کوشش کی ہے جس کا ان کے ذہن میں پوری زندگی تصور بھی نہیں آیا اور نہ ہی انہوں نے اللہ ورسول کے مقدس الفاظ کو امام وقت کے لئے استعمال کیا ہے، بلکہ وہ مذکورہ عبارت میں لفظ اَنْفَال کا معنی اور اس کی تفسیر و تشریح بیان کر رہے ہیں اور ان کے یہ الفاظ واولیٰ هذه الاقوال بالصواب فی معنی الأَنْفَال اس پر دلیل کے لئے کافی ہیں اور اَنْفَال کے بارہ میں وہ راجح قول یہ ذکر کر رہے ہیں کہ اس سے مراد ”وہ اضافی مال ہے جو امام لشکر مجاہدین میں سے بعض یا سب کو ان کی کارکردگی کے پیش نظر دیتا ہے“..... لیکن ان صاحب نے اَنْفَال کی تشریح میں آنے والے لفظ ’امام‘ کو ’اللہ ورسول‘ کی تفسیر بنا دیا اور اسے ابن جریر طبریؒ کے سر منڈھ دیا ہے، حالانکہ مفسر طبریؒ اپنی مذکورہ عبارت میں ’اللہ ورسول‘ کی تفسیر نقل نہیں کر رہے، بلکہ وہ تو صرف اَنْفَال کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں، اس لئے ان کے کلام کی ابتدا میں یہ لفظ آئے ہیں ”قال أبو جعفر: اختلف أهل التأویل فی معنی الأَنْفَال“ (دیکھئے تفسیر طبری: ج ۶ ص ۱۶۸)

یعنی ابن جریر طبریؒ کے نزدیک اَنْفَال کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے جسے وہ بیان کر رہے ہیں، اور اس بارے میں مختلف اقوال میں سے راجح قول کو ذکر کر رہے ہیں اور ان کے نزدیک اللہ اور رسول کی مراد میں کسی مسلمان کا اختلاف ہی نہیں جسے ذکر کرنے کی انہیں ضرورت درپیش ہو، اور نہ ہی اللہ ورسول کا مفہوم ان کے نزدیک امام وقت یا مرکزی حکومت ہے، لیکن یہ صاحب ان کے قول کی غلط توجیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں ”یہاں اَنْفَال کے معنی سے بحث نہیں“ حالانکہ امام طبریؒ بحث ہی اَنْفَال کے معنی سے کر رہے ہیں، اللہ ورسول کا معنی تفسیر طبریؒ میں زیر بحث ہی نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں امت مسلمہ کا کبھی اختلاف ہی واقع نہیں ہوا۔

① مسٹر پرویز کی مثال تو ساون کے اندھے کی سی ہے جسے ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے، اس نے امام وقت یا حکومت وقت کو اپنا اللہ اور خدا بنا رکھا ہے، اس لئے جہاں کہیں اسے ’امام‘ کا لفظ نظر آ جاتا ہے وہ اس کی تعبیر اللہ ورسول سے کرنے کے درپے ہو جاتا ہے، جیسا کہ وہ اب امام رازیؒ کو اپنے کفریہ موقف کی تائید میں گھسیٹتے ہوئے لکھتا ہے:

”امام رازی نے آیت ۵۸۳۳ ﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ کے تحت امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: إِذَا قَتَلَ وَأَخَذَ الْمَالَ فَلِإِمَامٍ مُّخَيَّرٍ فِيهِ بَيْنَ ثَلَاثَةِ أَشْيَاءَ ﴿ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ ”اگر باغی یا ڈاکو نے قتل بھی کیا ہے اور مال بھی لیا ہے تو امام کو اختیار ہے کہ تینوں سزاؤں (قتل، قطع اور صلیب) میں سے جو سزا چاہے، اس کو دے۔“

(قرآنی فیصلے، ج ۲ ص ۲۲۳)

مشر پرویز نے صغریٰ امام رازی سے اور اس کا کبریٰ امام ابوحنیفہ سے لے کر یہ نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی ہے کہ امام رازی کے نزدیک بھی اللہ سے مراد امام وقت ہے

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا !!

حالانکہ امام رازی لفظ اللہ کو مخلوقات میں سے کسی دوسرے پر استعمال کرنے کے بالکل خلاف ہیں، اس لئے وہ اپنی کتاب کے آغاز اور سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے تحت لفظ اللہ کی یہ خصوصیت ذکر کرتے ہیں:

أطبق جميع الخلق على أن قولنا الله مخصوص بالله سبحانه وتعالى وكذلك قولنا الإله مخصوص به سبحانه وتعالى (تفسیر رازی: ۱۶۳۱)

”اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق اس بات پر متفق ہے کہ لفظ اللہ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، ایسے ہی لفظ الہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔“

تفسیر رازی میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اس وضاحت کے ہوتے ہوئے بھی مشر پرویز کا یہ دعویٰ کر دینا کہ امام رازی کے نزدیک اللہ سے مراد امام وقت یا وقت کی گورنمنٹ ہے، بہت بڑی جہالت اور حماقت کی بات ہے اور وہ اپنے کفریات کو لوگوں میں رائج کرنے کے لئے علماء اسلام کو استعمال کرنا چاہتے ہیں جبکہ امام رازی کا مسلک تو یہ ہے کہ کلمہ اسلام (جو کفر سے اسلام میں داخل ہونے کے لئے پڑھا جاتا ہے) میں لفظ اللہ کی جگہ اگر باری تعالیٰ کا ہی کوئی دوسرا نام استعمال کیا جائے تو یہ جائز نہیں ہے، اور نہ ہی اس طرح کوئی شخص دائرۃ اسلام میں داخل ہو سکتا ہے، مثال کے طور پر اگر کوئی غیر مسلم ”لا إله إلا الله“ کی بجائے ”لا إله إلا الرحمن“ کہے تو امام رازی کے نزدیک ایسا شخص مسلمان نہیں ہوگا۔ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

”الخاصية الثانية أن كلمة الشهادة التي بسببها ينتقل الكافر من الكفر إلى الإسلام لم يحصل فيها إلا بهذا الإسم فلو أن الكافر قال: أشهد أن لا إله إلا الرحمن أو إلا الرحيم أو إلا الملك أو إلا القدوس، لم يخرج من الكفر ولم يدخل في الإسلام أما إذا قال: أشهد أن لا إله إلا الله فإنه يخرج من الكفر ويدخل في الإسلام وذلك يدل على اختصاص هذا الإسم بهذا الخاصية“

”یعنی کلمہ توحید جسے پڑھ کر کافر اسلام میں داخل ہوتا ہے، وہ کلمہ ”لا إله إلا الله“ ہے۔ اگر کوئی شخص لفظ اللہ کی جگہ کوئی دوسرا نام ذکر کرے، اور لا إله إلا الرحمن یا لا إله إلا الرحيم وغیرہ پڑھے تو وہ کفر سے نہیں نکلے گا اور نہ ہی دائرۃ اسلام میں داخل ہوگا۔ کفر سے نکل کر وہ مسلمان

تب ہی کہلائے گا جب ”لا اِلهَ اِلا اللّٰهُ“ پڑھے اور یہ لفظ ’اللہ‘ کے ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونے کی دلیل ہے۔“ (التفسیر الکبیر از امام رازی: ج ۱ ص ۱۶۲)

دیکھئے، امام رازی کلمہ توحید میں لفظ اللہ کی جگہ اسماء الہی سے ہی کوئی دوسرا اسم گرامی استعمال کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتے، اور مسٹر پرویز ان سے لفظ ’اللہ‘ کو امام وقت یا حکومت وقت پر استعمال کرنے کے جواز کو ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں، اور اس طرح وہ اپنی ضلالت کی تائید میں امام رازی کو سہارا بنانا چاہتے ہیں۔

● پرویز صاحب امام سیوطیؒ کو بھی اپنے کفریہ موقف کی تائید میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اسی آیت کی تفسیر میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ الدر المنثور میں یہ روایت درج کرتے ہیں:

”عن سعید بن المسیب والحسن والضحاك في الآية قالوا: الإمام مخير في المحارب يصنع به ما شاء“ سعید بن مسیب، حسن بصری اور ضحاک علیہم الرحمہ نے کہا ہے کہ ’محارب‘ کے معاملہ میں امام کو اختیار ہے کہ جو چاہے کرے۔“ (قرآنی فیصلے: ج ۲ ص ۲۲۳)

آخر میں مسٹر پرویز ان مفسرین سے نقل کردہ کلام کا نتیجہ ذکر کرتے ہیں کہ

”ان حضرات کے اقوال سے دو باتیں ظاہر ہو گئیں، ایک یہ کہ ان کے نزدیک ”اللہ اور رسول“

سے مراد امام وقت ہے اور دوسرے یہ کہ.....“ (قرآنی فیصلے: ج ۲ ص ۲۲۳)

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ امام سیوطی کے نزدیک آیت ﴿اِنَّمَا جِزَاءُ الَّذِيْنَ يَحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ میں اللہ ورسول سے مراد امام وقت نہیں ہے، بلکہ ان کے نزدیک اللہ سے وحی نازل کرنے والی ذات اور رسول سے وحی قبول کرنے والی شخصیت ہی مراد ہے۔ اور ان کی مذکورہ عبارت میں ’امام‘ سے مراد امیر المؤمنین ہے، جسے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف بغاوت اختیار کرنے والے مجرم کو آیت بالا میں ذکر ہونے والی سزاؤں میں سے کوئی ایک سزا دینے کی اجازت ہے۔

لیکن اگر مسٹر پرویز کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا جائے تو بات بالکل الجھ جاتی ہے کیونکہ اس کے نزدیک ’اللہ اور رسول‘ سے مراد امام وقت سے الگ ہستیاں نہیں ہیں بلکہ امام وقت ہی اللہ ورسول ہے، تو اس طرح آیت بالا کا مفہوم یہ بن جاتا ہے کہ جو مجرم اللہ ورسول (یعنی امام وقت) کے خلاف بغاوت اختیار کرے، تو اس کی سزا میں امام وقت (یعنی اللہ ورسول) کو اختیار ہے وہ اُسے جو سزا چاہے دے سکتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ..... بقول پرویز..... امام وقت (اللہ ورسول) اپنے خلاف ہونے والی بغاوت کے مجرم کو خود ہی سزا دے سکتا ہے اور اپنے مقدمہ کا فیصلہ خود ہی کر سکتا ہے کیونکہ بزعم پرویز امام وقت سے مراد اللہ ورسول ہے اور اللہ ورسول ہی امام وقت ہے۔ گویا مدعی خود ہی قاضی بن کر اپنے کیس کا فیصلہ ثالث کی بجائے خود ہی کر سکتا ہے، بلکہ خود ہی مجرم کو سزا دینے کا اختیار بھی حاصل کر لیتا ہے۔ حالانکہ جس

طرح قاضی اپنے ذاتی کیس کا فیصلہ خود نہیں کر سکتا، اسی طرح امامِ وقت سے بھی لازماً اللہ ورسول مراد نہیں ہو سکتا۔

## اللہ اور رسول سے مراد 'مرکزِ ملت' ہے..... پرویز

مسٹر پرویز نے اپنی پوری کوشش ”اللہ ورسول“ کی اطاعت و فرمانبرداری سے لوگوں کو ہٹانے میں صرف کر دی، اور ان مقدس کلمات کے مفاہیم کو بگاڑنے میں دن، رات وہ کو لہو کے تیل کی طرح جتے رہے اور قرآن کریم کی تحریف معنوی کرنے کے لئے انہوں نے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں جانے دیا۔ قرآنی آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ کے الفاظ پر اپنا کافرانہ موقف مسلط کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس آیتِ مقدسہ کا مفہوم بالکل واضح ہے، اس میں ’اللہ ورسول‘ سے مراد مرکزِ ملت یعنی نظامِ خداوندی (Central Authority) اور اولوالامر سے مفہوم افسرانِ ماتحت ہیں۔“

اس سے ذرا آگے چل کر وہ مزید کھل کر سامنے آتے ہیں

”قرآن کریم میں مرکزِ ملت کو ’اللہ اور رسول‘ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔“

(معراجِ انسانیت از پرویز: ص ۳۲۲، ۳۲۳)

مسٹر پرویز نے چونکہ مرکزی حکومت کو اپنا اللہ اور رسول بنا لیا تھا، اس لئے قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے وہاں اس کے نزدیک مرکزی حکومت کی اطاعت و فرمانبرداری مراد ہے۔ جیسا کہ اس نے لکھا ہے:

”حکومت کے انتظامی امور کے لئے ایک مرکز ہوگا اور اس مرکز کے ماتحت افسرانِ مجاز، قرآن کریم میں اس کے لئے ’خدا اور رسول‘ کی اصطلاح آئی ہے یعنی وہ نظامِ خداوندی جسے رسول اللہ نے منسکھل فرمایا، خدا اور رسول کی اطاعت سے مقصود اسی مرکزِ حکومتِ خداوندی کی اطاعت تھی۔“

(قرآنی قوانین، ص ۶)

دوسرے مقام پر لکھتا ہے:

”رسول اللہ کے بعد خلیفۃ الرسول رسول اللہ کی جگہ لے لیتا ہے، اب خدا اور رسول کی اطاعت سے مراد اسی جدید مرکزِ حکومت کی اطاعت ہوتی ہے۔“ (معراجِ انسانیت: ص ۳۵۷)

مسٹر پرویز ساری زندگی بے عقلی کی باتیں کرتے رہے اور اپنی کتابوں میں جا بجا ایسی باتیں لکھ کر عقل کا منہ چڑاتے رہے، جبکہ ایک عقلمند انسان بشرطیکہ وہ مسلمان بھی ہو بخوبی جانتا ہے کہ اللہ اور رسول کے مقدس کلمات ایسی اصطلاحات نہیں ہیں جنہیں جس پر چاہیں منطبق کر دیں، بلکہ لفظ ’اللہ‘ نام ہے اس ذاتِ مقدس کا جو واجب الوجود ہے، عرش پر مستوی اور وحی نازل کرنے والا ہے اور رسول اللہ سے مراد وہ



شخصیت ہے جو وحی کو قبول کرنے والی ہے۔ جدید مرکزی حکومت کو ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں ہے اور نہ ہی اس میں اور اللہ و رسول میں کوئی قدر مشترک ہے۔ جس کی بنا پر مرکزی حکومت کو اللہ و رسول بنا دیا جائے۔ اگر بقول پرویز مرکزی حکومت کو اللہ و رسول تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرکز حکومت وحی نازل کرنے والا ہے اور خود ہی وحی وصول کرنے والا بھی ہے۔ اگر مسٹر پرویز کی عقل کا دیوالیہ نہ نکل گیا ہوتا تو وہ ضرور سوچتے کہ جب قرآن کریم اور حدیث نبویؐ میں امر اور مسلمان حکمرانوں کی بات ماننے کا حکم بصراحت موجود ہے تو اللہ و رسول کی اطاعت پر مشتمل آیات سے مرکزی حکومت کی اطاعت مراد لینے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

◉ مسٹر پرویز اللہ و رسول سے جدید مرکز حکومت ہی مراد لیتے اور اپنے اسی موقف پر قائم رہتے تو ہوسکتا تھا کہ انہیں ملحد لوگوں کی دنیا میں عقلمند انسان مان لیا جاتا، مگر تعجب ہے کہ وہ اپنے اس موقف پر بھی قائم نہ رہے، اور مرکز حکومت کے علاوہ اللہ و رسول کی دیگر مختلف تعبیرات پیش کر کے وہ ملحد لوگوں کے نزدیک بھی عقل و متانت سے عاری ایک یا دو گوانسان ہی سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ اب وہ ”اللہ اور رسول“ کی دیگر نئی ہی تعبیریں بیان کرتے ہیں اور آیت ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا﴾ ”یعنی زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو“ کے تحت وہ اللہ سے معاشرہ مراد لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ہم نے (اس آیت میں) اللہ سے مراد لیا ہے وہ معاشرہ جو قانون خداوندی کو نافذ کرنے کے لئے متشکل ہو۔“ (نظام ربوبیت از پرویز ص ۱۵۸)

لیکن سوال یہ ہے کہ بزعم پرویز زمین پر چلنے والوں کا رزق تو معاشرے کے ذمہ ہو گیا، مگر اس معاشرہ کا رزق کس کے ذمہ ہوگا؟ کیونکہ دوسروں کے رزق کی ذمہ داری لینے والے معاشرے کے افراد بھی کھانے، پینے کے سامان سے مستغنی تو نہیں ہیں جنہیں رزق کی ضرورت نہ ہو۔

◉ دوسرے مقام پر خدا کو ایک قوت بتاتا ہے اور کہتا ہے:

”قرآنی تعلیم کی بنیاد خدا کی وحدت پر ہے، یعنی اس حقیقت کے اعتراف پر کہ کائنات میں صرف ایک قوت ہے جس کا اقتدار و اختیار ہے۔“ (لغات القرآن: ج ۴ ص ۱۶۹)

اللہ تعالیٰ قائم بالذات، واجب الوجود ہے، لیکن اگر کہا جائے کہ وہ ایک قوت ہے، جیسے پرویز نے کہا ہے، تو اس طرح اللہ تعالیٰ کے قائم بالذات ہونے کی نفی ہو جاتی ہے کیونکہ قوت ایک عرض ہے جو قائم بالغیر ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ کو ایک قوت بنانے والا ذات باری تعالیٰ کے وجود سے انکار کرنا چاہتا ہے، اور یہ نظریہ بھی مسٹر پرویز کا اپنا نہیں بلکہ اسے انہوں نے مستشرق میتھیو آرنلڈ سے چرایا ہے جو کہتا ہے:

”خدا اس قوت کا نام ہے جو سب کی مسبب ہے۔“ (انسان نے کیا سوچا، ص ۳۸)

اسلامی تعلیمات کی بنیاد ایمان باللہ پر ہے، اس لئے مسٹر پرویز نے نظریہ خدا کو لوگوں کے دلوں میں سے مسخ کرنے کے لئے سر توڑ کوشش کی، اور اس بارے میں وہ مختلف تضادات کا شکار ہوئے ہیں، کبھی وہ خدا کو مرکز حکومت بناتے ہیں اور کبھی اسے معاشرہ اور کبھی قوت کہتے ہیں۔ لیکن اول الذکر نظریہ اس کے نزدیک راجح معلوم ہوتا ہے، اس لئے اس پر اس نے دلائل پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان دلائل کا جائزہ ہم سابقہ صفحات میں ذکر کر آئے ہیں جس سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ مرکز ملت یا مرکز حکومت کو خدا بنا کر مسٹر پرویز دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں کیونکہ کوئی مسلمان کسی مرکز یا معاشرے کو خدا بنانے کی جسارت نہیں کر سکتا۔

آخر میں ہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں امام راغب کی المفردات کا اقتباس نقل کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ اللہ کو مخلوقات میں سے کسی فرد و معاشرہ کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور المفردات راغب وہ کتاب ہے جسے مسٹر پرویز کی طرف سے بھی شرف قبولیت حاصل ہو چکا ہے۔ جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے:

”مفردات امام راغب کے علاوہ، نظر سے کوئی ایسی کتاب نہیں گزری جسے خالص قرآنی الفاظ کا

لغت کہا جاسکے“ (لغات القرآن، ج ۱ ص ۲۰)

یہی امام راغبؒ الہ کے مادہ کے تحت لفظ اللہ کے بارہ میں فرماتے ہیں:

”خَصَّ بِالْبَارِي تَعَالَىٰ وَلِتَخَصُّصِهِ بِهِ قَالَ تَعَالَىٰ ﴿هَلْ تَعَلَّمَ لَهُ سَمِيًّا﴾

”لفظ اللہ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس کی خصوصیت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ”بھلا تم اس کا کوئی ہم نام پاتے ہو؟“ (المفردات، ص ۲۱)

امام راغبؒ کی طرح تمام اہل اسلام لفظ اللہ کو اس ذات باری تعالیٰ کا ذاتی نام مانتے ہیں جو اپنی مخلوقات سے بلند عرش پر مستوی ہے، اور اس لفظ کو خالق کائنات سے مخصوص سمجھتے ہیں اور اس کا استعمال مخلوق میں سے کسی فرد یا جماعت کے لئے حرام جانتے ہیں، لیکن مسٹر پرویز کا لفظ اللہ کو مخلوق میں سے مرکز حکومت یا مرکز ملت کے لئے استعمال کرنا، کبھی اس سے معاشرہ اور کبھی قوت مراد لینا ان کی منافقت کی دلیل ہے، چونکہ اس قسم کے نظریات انہوں نے مستشرقین کی تالیفات سے اخذ کئے ہیں جو قرآن اور اسلام کو ان کی تحریف معنوی کرنے کے لئے پڑھتے ہیں اور وہ سب کافر و ملحد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، تو ان کے نقش قدم پر چل کر قرآن اور اسلام کی تحریف معنوی کرنے والا غلام احمد پرویز مسلمان کیسے ہو سکتا ہے؟“

مسٹر پرویز نے چونکہ اپنے حواریوں کو جدید مرکزی حکومت کی صورت میں اس دنیا میں ہی خدا دکھا دیا تھا، اس لئے اس کے عقیدت مند اس پر بڑے خوش ہوتے اور خط و کتابت کے ذریعے وہ اپنی مسرت کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ جیسا کہ ایک عقیدت مند نے تفصیلی خط لکھ کر مسٹر مذکور کے ہاں اپنی خوشی کا اظہار ان الفاظ سے کیا:

”وہ خدا جو ہموں کے پردے میں تھا، آپ کی کتابوں کے مطالعہ سے اب وہ ظاہر ہو چکا ہے۔“  
(قرآنی فیصلے، ج ۴ ص ۱۱۰)

پرویزیوں پر ظاہر ہو جانے والا خدا وہی ہے جسے یہ لوگ جدید مرکزی حکومت یا مرکز ملت سے تعبیر کرتے ہیں، ان کے کفر و ارتداد پر اس سے بڑھ کر اور کون سی دلیل درکار ہے؟

## ② ایمان بالرسول

تمام مسلمانوں کے ہاں یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ نبوت و رسالت وہی چیز ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا، اُسے اپنی وحی کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ کوئی شخص اپنی ذاتی محنت و کاوش سے یا عبادت و ریاضت سے منصب نبوت و رسالت کو حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہے جو اس کے ذاتی اختیار پر منحصر ہے۔ جملہ اہل اسلام کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد بے شمار انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں لیکن اب نبوت و رسالت حضرت محمد ﷺ پر مکمل ہو گئی ہے۔ اب آپ ﷺ ہی نبی اور رسول ہیں، کوئی شخص آپ ﷺ کے بعد نبی یا رسول کا لقب حاصل نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم کی آیت ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ﴾ (آل عمران: ۱۴۴) میں کلمہ حصر اس بات پر فیصلہ کن دلیل ہے کہ رسول صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ اور اُمت میں جو شخص اسلامی نظام کے نفاذ میں انتھک محنت کرنے والا ہو یا عملاً اسے نافذ کر دینے والا ہو، وہ رسول اللہ ﷺ کا ادنیٰ اُمتی ہونے سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔ اس کے برعکس جو شخص محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے یا کسی اُمتی کو رسول کا لقب دینے لگے، بلکہ وہ قرآنی آیات جو رسول کے لفظ پر مشتمل ہیں انہیں مرکز حکومت پر منطبق کرنے لگے، وہ ختم نبوت کا منکر اور مسلمانوں کے اجماع کے مطابق وہ دائرۃ اسلام سے خارج ہے۔

اب آئیں دیکھیں، مسٹر پرویز کیسے اس منصب رسالت پر ڈاکے ڈالتے رہے اور اُمت کے بعض افراد کو رسول کے مقدس لقب سے نوازتے رہے۔ جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿فَلَا وَدَبَّكَ لَا يَوْمُنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

”قرآن سے فیصلہ انفرادی طور پر نہیں لیا جائے گا، بلکہ اس کے لئے ایک زندہ اور محسوس ثالث

اور حاکم کی ضرورت ہوگی۔ اس فیصلہ کرنے والی اتھارٹی کو قرآن میں 'اللہ اور رسول' کی جامع اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے۔" (سلیم کے نام، ج ۲ ص ۳۲۸)

دیکھئے پرویز نے 'اللہ و رسول' کو جامع اصطلاح بنا دیا اور اس میں بے شمار افراد کو داخل کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے، حالانکہ کوئی مسلمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی امتی کو رسول کا لقب دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

دوسرے مقام پر وہ رسول کے لفظ سے اپنی مراد کو بیان کرتے ہوئے یوں گویا ہیں:

"اللہ اور رسول سے مراد وہ مرکز نظام اسلامی ہے جہاں سے قرآنی احکام نافذ ہوں۔"

(معراج انسانیت، ص ۳۱۸)

لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ مسٹر پرویز کے ہاں قرآنی احکام سے مراد وہ احکام نہیں ہوتے جو قرونِ اولیٰ سے مسلمانوں میں مسلم چلے آ رہے ہیں اور جو صحابہ کرامؓ اور رسول اکرم ﷺ کے زیرِ عمل رہے ہیں، بلکہ مسٹر مذکور کے ہاں اس سے مراد وہ احکامات ہوتے ہیں جنہیں وہ فرنگیوں کے افکار کی روشنی میں گھڑتے ہیں اور پھر انہیں بڑی کھینچا تانی سے قرآنی آیات میں ٹانگنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد انہیں 'مفہوم القرآن' یا 'مطالب الفرقان' کے نام سے منظر عام پر لے آتے ہیں۔ ذہنی لحاظ سے یورپ سے مرعوب لوگ ایسے افکار کو اسلامی اور قرآنی سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں اور قرآن و سنت کی سمجھ رکھنے والے حضرات جب یہ دیکھتے ہیں کہ متن قرآن میں جن لوگوں کی مذمت ہو رہی ہے، مسٹر پرویز کی مفہوم القرآن یا مطالب الفرقان میں انہی کو ہیرو بنا کر پیش کیا جا رہا ہے تو وہ ان کی اس ہیرو پھیری پر سرسپٹتے رہ جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کسی جھوٹ کو سچ باور کرانے کے لئے اسے کئی بار بولیں تو سننے والوں کو وہ جھوٹ عین سچ دکھائی دینے لگتا ہے۔ مسٹر پرویز کی کتابوں کا بھی یہی حال ہے، وہ اپنے متعدد جھوٹوں کو قریباً ہر کتاب میں دہراتے چلے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی تالیفات میں تکرار کی بھرمار ہے اور اس طرح ان کے کذبات اور افتراءات کو ان کے عقیدت مند سچ سمجھ بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ یہ افکار طرد مستشرقین کی عقلی غلطیوں اور ان کی ذہنی نجاستیں ہیں جنہیں مسٹر پرویز اپنی ساری زندگی قرآنی اور اسلامی احکام کے طور پر متعارف کرانے کی حماقت کرتے رہے جیسا کہ وہ اللہ اور رسول سے مرکز حکومت اور افسرانِ مجاز جیسی اپنی مراد کو اپنی کتابوں میں لائے ہیں اور لکھتے ہیں:

"حکومت کے انتظامی امور کے لئے ایک مرکز ہوگا اور اس مرکز کے ماتحت افسرانِ مجاز، قرآن کریم میں اس کے لئے 'خدا اور رسول' کی اصطلاح آئی ہے۔"

(قرآنی قوانین: ص ۶)

لیکن پرویز نے ..... جو مفکر قرآن کے لقب سے بھی یاد کئے جاتے ہیں ..... ان آیات قرآنیہ پر (جن میں اللہ اور رسول کے مقدس کلمات استعمال ہوئے ہیں) رک کر کبھی یہ سوچنے کی زحمت نہ کی کہ ان قرآنی آیات میں اللہ اور رسول کا لفظ مفرد استعمال ہوا ہے جس سے لامحالہ فرد واحد ہی مراد ہو سکتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ ہے، لہذا رسول کا مفرد لفظ افسران مجاز کے جتھوں کے لئے کیسے استعمال ہو سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب دینے کی بجائے اب وہ اپنے خود ساختہ 'خدا و رسول' یعنی افراد حکومت کو اللہ تعالیٰ کے مبعوث کردہ رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں کو کینسل کرنے اور منسوخ بنانے کا اختیار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

” (اسلامی نظام) سابقہ ادوار کے فیصلوں میں خواہ وہ رسول اللہ کے زمانے میں ہی کیوں نہ صادر ہوئے ہوں، رد و بدل کر سکتا ہے اور بعض فیصلوں کو منسوخ بھی کر سکتا ہے۔“

(شاہکار رسالت، ص ۲۸۱)

مسٹر پرویز کی طرف سے منصب رسالت پر اس ڈاکہ زنی کا مذکورہ کتاب کے نام (شاہکار رسالت) سے جو کھلا ہوا تضاد ہے، اس سے قطع نظر اگر ..... بقول پرویز: ..... اسلامی نظام کی علمبردار حکومت اور اس کے افسروں کو رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے فیصلوں کو تبدیل یا منسوخ کرنے کا اختیار دے دیا جائے تو اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ پر وحی کا نزول بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے بلکہ بایں طور تو آپ ﷺ کے فرمودات کا آپ کے کسی اُمتی کے قول و فعل سے بھی کوئی امتیاز باقی ہیں رہتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی طرف سے بعض احکام کا نسخ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہوتا تھا۔ لیکن مسٹر پرویز کے خود ساختہ رسول (اسلامی حکومت) کا رد و بدل اور نسخ اپنی ہوائے نفس سے ہوگا اور وحی الہی کے خلاف بھی۔ مسٹر پرویز کو نجانے ایسے کفریہ عقائد اپنانے اور انہیں لوگوں تک پہنچانے میں کیا لذت آتی تھی کہ وہ ان سے توبہ کرنے کی بجائے اُلٹا انہیں اپنی سب تصنیفات میں دہراتے رہتے تھے، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

”قرآن میں جہاں اللہ اور رسول کے الفاظ اکٹھے آتے ہیں، وہاں اس سے مراد اسلامی نظام

حکومت ہے جو خدا کے احکام نافذ کرنے کے لئے متشکل ہوتا ہے۔“ (قرآنی فیصلے، ج ۱ ص ۲۳۷)

اندھی عقیدت سے بالاتر ہو کر پرویز کی لٹریچر کا مطالعہ کرنے والے شخص پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ مسٹر پرویز عام طور پر اپنی تالیفات میں اپنی لفاظی کا جادو دکھانے کی کوشش کرتے ہیں اور لفظی ہیرا پھیری سے وہ عامۃ الناس کو اپنے جال میں پھانسنے کی تاک میں رہتے ہیں جیسا کہ وہ مذکورہ اقتباس میں اور اس جیسے دیگر مقامات میں کہا کرتے ہیں کہ

”قرآن میں جہاں اللہ اور رسول کے الفاظ اکٹھے آتے ہیں، وہاں اس سے مراد اسلامی نظام حکومت ہوتا ہے۔“

اس سے عام قاری یہی سمجھتا ہے کہ مسٹر پرویز کے ہاں اللہ اور رسول سے اسلامی نظام حکومت اسی وقت مراد ہے جبکہ یہ دونوں لفظ اکٹھے آجائیں لیکن یہ الفاظ ایک دوسرے سے جدا ہو کر استعمال ہوں تو پھر شاید اس کے ہاں اللہ سے مراد ذات باری تعالیٰ اور رسول سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصیت ہوتی ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے، اور نہ ہی کسی شخص کو اس مغالطہ کا شکار ہونا چاہئے۔ بلکہ مسٹر پرویز کے نزدیک رسول کا لفظ خواہ لفظ اللہ سے مل کر استعمال ہو یا اُس سے جدا ہو کر، بہر حال اس سے ہر دور کی ’مرکزی اتھارٹی‘ ہی مراد ہوتی ہے جیسا کہ اس نے آیت ﴿وَإِذَا جَاءَ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ أَدَّعَوْا بِهٖ وَكَلَّوْا رُدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَالِیْ اَوْلِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلَّہُمُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَہٗ مِنْہُمْ .....﴾ (النساء: ۸۳) کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

”ان کے دعوائے اطاعت کوشی کی یہ کیفیت ہے کہ جب کہیں سے امن یا خوف کی آڑتی ہوئی سی بات سن پاتے ہیں تو اسے لے دوڑتے ہیں اور خوب پھیلاتے ہیں۔ حالانکہ نظام سے وابستگی اور اطاعت کا تقاضا ہے کہ ایسی باتوں کو رسول (یعنی مرکزی اتھارٹی) یا اپنے افران ماتحت تک پہنچایا جائے تاکہ وہ لوگ جو بات کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر لیں۔“ (مفہوم القرآن، ج ۱ ص ۲۰۵)

دیکھئے یہاں لفظ ’رسول‘ کو مسٹر پرویز نے مرکزی اتھارٹی سے تعبیر کیا ہے، اس لئے کہ لفظ ’رسول‘ خواہ لفظ ’اللہ‘ سے مل کر آئے یا اُس سے جدا ہو کر، دونوں صورتوں میں مسٹر مذکور کے ہاں اس سے مرکزی اتھارٹی یا مرکز ملت مراد ہوتا ہے۔ اس کے ہاں ان سے مراد ذات باری تعالیٰ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصیت ہرگز نہیں ہوتی۔

بالکل ویسے ہی جیسے کہ غلام احمد پرویز کو اپنے دادا رحیم بخش کے ساتھ ملا کر ذکر کیا جائے یا اس سے جدا کر کے، دونوں صورتوں میں اس سے مراد وہی شخص ہوگا جو اپنی پوری زندگی فرنگی افکار کو قرآن کے نام پر لوگوں کے سامنے پیش کر کے ان کی عقلوں سے کھیلتا رہا، اور امت مسلمہ کے اسلاف کو سازشی قرار دے کر خود اسلام کا علمبردار اور اس کا ٹھیکے دار بنا رہا۔

مسٹر پرویز اگر اپنی کسی کتاب میں محمد رسول اللہ کا نام نامی ذکر بھی کرتے ہیں، تو اس کے ہاں اس سے مراد بھی وہ ذات رسالت نہیں ہوتی جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی تھی بلکہ وہ حضرت محمد ﷺ کو بھی ایک ریفا رمر (مصلح) کی حیثیت سے لیتے ہیں، اور آپ ﷺ پر من جانب اللہ وحی کے نزول کے منکر ہیں، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

”دوسری طرف ہمارا مذہب پرست طبقہ ہے۔ وہ بھی حقیقت کو بالعموم جس انداز سے پیش کرتا ہے، اس سے نہ صرف یہ کہ حقیقت کماھی سامنے نہیں آتی بلکہ ان کے بیان سے جو تصویر ذہن میں مرتسم ہوتی ہے، اس سے رسول کا صحیح مقام نگاہوں کے سامنے نہیں آتا، یہ کہتے ہیں کہ آپ مامور من اللہ تھے جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا، آپ اس کی تعمیل کرتے تھے۔“

(معراج انسانیت از پرویز: ص ۱۷۴)

حالانکہ پرویز کے ہاں صحت کے اعتبار سے شرف قبولیت حاصل کرنے والی کتاب المفردات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پانے والی شخصیت کو ہی نبی کہا گیا ہے۔ امام راغب فرماتے ہیں:

”النبوة سفارة بين الله وبين ذوي العقول من عباده لإزاحة علتهم في أمر معادهم ومعاشهم“ (المفردات: ص ۴۸۲)

”نبی اللہ تعالیٰ اور اس کے اہل عقل بندوں کے درمیان پیغامبر ہوتا جو ان کی دنیا اور آخرت کے معاملات میں واقع ہونے والے فساد کا ازالہ کرنے کے لئے بھیجا جاتا تھا۔“

اور قرآن کریم کی متعدد آیات میں آپ ﷺ پر وحی کی نزول کی صراحت موجود ہے۔ اس لئے مسٹر پرویز مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ’رسول‘ کے لفظ سے مرکزی اتھارٹی یا مرکز ملت مراد لے کر اور آپ ﷺ کے مامور من اللہ ہونے کا انکار کر کے دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں۔

### ③ آخرت پر ایمان

اسلامی عقائد میں، ’یوم آخرت‘ پر ایمان لانے کو جو اہمیت حاصل ہے، اس سے ہر صاحب ایمان شخص بخوبی واقف ہے، اور وہ علی وجہ البصیرت اس بات کو جانتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی کے بعد موت ہے اور موت کے بعد قیامت کے دن ہر شخص کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور ہر مرد و زن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہو کر اچھے یا برے اعمال کا حساب دے گا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت کی کتابوں کے ذریعہ اور انبیاء کرام کو مبعوث کر کے اچھے یا برے اعمال سے لوگوں کو آگاہ کر دیا، لہذا آخرت کے دن نیک اعمال سرانجام دینے والے لوگ مقام جنت میں اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے اور وہ اپنے اچھے عملوں کی جزا دیئے جائیں گے، اور شریعت الہیہ سے ہٹ کر زندگی گزارنے والے لوگ جہنم رسید کئے جائیں گے اور اپنے برے اعمال کی سزا پائیں گے۔ اور قرآن کریم واشکاف الفاظ میں اس بات کی طرف راہنمائی کرتا ہے کہ جنت اور جہنم دو مقام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نیک اور بد لوگوں کی جزا اور سزا کے لئے تیار کر رکھے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَمَّا مَنْ طَغَىٰ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا فَلِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ

رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَلَئِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ﴿ (النازعات: ۳۷-۴۱)  
 ”جس شخص نے سرکشی اور شرارت کی زندگی گذاری اور دنیا کی زندگی کو ہی ترجیح دی تو جہنم اس کا مقام ہوگا، لیکن جو شخص اپنے رب کے سامنے حساب دینے سے ڈر کر زندگی بسر کرتا رہا اور اپنے آپ کو نفسانی خواہشات سے روکتا رہا تو اس کا مقام جنت ہوگا۔“

## پرویز کے نزدیک ’جہنم‘ سے مراد

آب آئیں دیکھیں، پرویز مسلمانوں کے ہاں مسلمہ عقیدہ آخرت کی کیسے تحریف کرتا ہے اور جنت و جہنم کے دو مقام ہونے سے انکار کرتا ہے، بلکہ وہ جنت و جہنم کو اپنے قلم کے زور سے دنیا میں ہی کھینچ لانے کے درپے ہے، اور لکھتا ہے:

”جہنم انسان کی قلبی کیفیت کا نام ہے، لیکن قرآن کریم کا انداز یہ ہے کہ وہ غیر محسوس، مجرد حقائق کو محسوس مثالوں سے سمجھاتا ہے۔“ (جہان فردا: ص ۲۳۵)

مسٹر پرویز جہنم کو حقیقت سے خالی، غیر محسوس قلبی کیفیت کا نام دیتا ہے، اور اس کے مخصوص مقام کا نام ہونے سے انکار کرتا ہے، اور اس کا یہ نظریہ فرمان الہی کے خلاف ہے جس میں فاسق و فاجر لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی صراحت پائی جاتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَّحُوبُونَ نَّمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ، ثُمَّ يُقَالُ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ﴾ (المطففين: ۱۷-۱۵)

”وہ (مجرم لوگ) اس (قیامت کے) دن اپنے رب تعالیٰ (کے دیدار) سے روک دیئے جائیں گے، اس کے بعد وہ جہنم میں داخل ہوں گے پھر ان سے کہا جائے گا یہ وہی جہنم ہے جسے تم (دنیا میں) جھٹلایا کرتے تھے۔“

مسٹر پرویز کو سوچنا چاہئے تھا کہ اگر جہنم غیر محسوس قلبی کیفیت کا نام ہے، جیسا کہ ان کا زعم باطل ہے تو اس میں داخل ہونے کا کیا معنی ہے؟ اور کسی شخص کو قلبی کیفیت میں داخل ہونے کا حکم کیسے دیا جاسکتا ہے؟ قرآن کریم میں مجرمین کے جہنم میں داخل ہونے کا فرمان موجود ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جہنم قلبی کیفیت نہیں ہے، بلکہ ایک مقام کا نام ہے، جس میں مجرم لوگ داخل کئے جائیں گے اور داخلہ کسی محسوس مقام میں ہی ہوتا ہے قلبی کیفیت میں نہیں، اور ﴿ثُمَّ يُقَالُ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ﴾ میں جہنم کے متعلق ﴿هَذَا﴾ اسم اشارہ کا استعمال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جہنم محسوس چیز کا نام ہے کیونکہ کسی محسوس چیز کی طرف اشارہ کر کے ہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ وہی جہنم ہے جسے تم دنیا میں ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ بنا بریں پرویز کا اسے قلبی کیفیت بتانا اور اسے غیر محسوس، حقیقت سے خالی حالت قرار دینا ایسا فکر ہے جو سراسر قرآنی نصوص کے خلاف ہے



## پرویز کے نزدیک 'جنت' سے مراد

مسٹر پرویز جہنم کی طرف جنت کے بارہ میں بھی اپنا ایسا ہی باطل نظریہ اپنے حواریوں پر ٹھونسے ہوئے لکھتے ہیں:

”جہنم کی طرح اخروی جنت بھی کسی مقام کا نام نہیں، کیفیت کا نام ہے۔“ (جہان فردا: ص ۲۷۰)

ادھر قرآن کریم جنت کے متعلق لفظ ہی 'مقام' کا استعمال کرتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ﴾ (الدخان: ۵۱، ۵۲)

”پرہیزگار لوگ امن کے مقام جنت اور اس کے چشموں میں ہوں گے۔“

بلکہ قرآن مجید تو جنت کے دروازوں کا ذکر بھی کرتا ہے، سورہ زمر میں ہے:

﴿وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ وَهَّاءٌ وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ﴾ (سورہ زمر: ۷۳)

”جو لوگ اپنے رب سے ڈر کر زندگی گزارتے رہے، ان کو گروہ درگروہ جنت کی طرف روانہ کیا جائے، جب وہ اسکے پاس پہنچیں گے اور اسکے دروازے کھول دیئے جائیں، تو جنت کے فرشتے ان سے کہیں گے تم پر سلام ہو، تم بہت اچھے رہے، اب اس جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ۔“

غور کیجئے، دروازے ایسی چیز کے ہوتے ہیں جو جوہر اور قائم بالذات ہو۔ مسٹر پرویز دل کی کیفیت کو جنت بناتے ہیں جو عرض ہے، جس کے لئے دروازوں کا ہونا ناممکن ہے۔ اور وہ چونکہ چور دروازے سے داخل ہو کر مفکر قرآن بنے ہیں، اس لئے ان کے نزدیک ممکن اور ناممکن میں کوئی فرق نہیں تھا، اور وہ محال چیز کو ممکن کہنے سے بھی دریغ نہیں کیا کرتے تھے، یہ بات ان کی تالیفات سے واضح ہے جیسا کہ ایک مقام پر وہ اپنے حجرے میں بیٹھے قلم کے زور سے جنت کو عالم بالا سے دنیا میں کھینچ لانے کی کوشش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”جنت کی آسائش اور زیبائش وہاں کی فراوانیاں اور خوشحالیوں اس دنیا کی زندگی میں حاصل ہو جاتی ہیں، مرنے کے بعد کی جنت کے سلسلہ میں ان کا بیان تمثیلی ہے۔“ (نظام ربوبیت: ص ۸۲)

مسٹر پرویز کی دنیاوی جنت چونکہ خود ساختہ ہے اور خلاف قرآن بھی، اس لئے قرآن کریم کی روشنی میں پرویزی جنت پنپ نہیں سکتی، کیونکہ قرآنی جنت تو وہ ہے جو موت کے بعد قیامت کے دن حاصل ہوگی اور اس جنت میں داخل ہونے کے بعد کبھی موت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، اور نہ ہی جنتی کو اس سے کبھی نکالا جائے گا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ وَوَقَّهْمَ عَذَابَ الْجَحِيمِ﴾ (الدخان: ۵۲)

”یعنی پہلی (دنیا کی) موت کے بعد اس میں اہل جنت موت کا شکار نہیں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ

انہیں جہنم کے عذاب سے بچالے گا۔“

مسٹر پرویز نے اس جنت کو جو دنیاوی موت ﴿الْمَوْتَةَ الْأُولَى﴾ کے بعد تھی، موت سے پہلے ہی دنیا کی زندگی میں تراشنے کی سعی لاحاصل کی ہے جو قرآن کریم کی آیات کے خلاف ہے۔ ان کے دل میں اگر خوف خدا کی رفق باقی ہوتی تو وہ ایسا غلط نظریہ پیش کرنے کی جسارت ہرگز نہ کرتے اور غیر قرآنی چیز کو قرآنی بنانے کی کوشش نہ کرتے، اس پر مستزاد یہ کہ مسٹر مذکور نے مرنے کے بعد حاصل ہونے والی جنت کے متعلق قرآنی آیات کو تمثیل قرار دے کر..... معاذ اللہ..... اللہ تعالیٰ کو ڈرامہ باز بنانے کی حماقت کی ہے کیونکہ عربی لغت میں ’تمثیل‘ کا معنی ڈرامہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، لہذا ایسے شخص کو جو اللہ تعالیٰ کے فرامین کو حقائق پر محمول کرنے کی بجائے انہیں تمثیلی قرار دے، دین اسلام کے بارے میں ہرگز مخلص تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

## جنت و جہنم کا خالق کون؟

پرویز چونکہ اپنی خیالی دنیا میں جنت اور جہنم کو اس دنیا میں لے آئے تھے، اس لئے لازم تھا کہ وہ اس جنت اور جہنم کو تیار کرنے والا بھی خود انسان کو بناتے، لہذا وہ اس بات کا اعلان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ کوئی ایسی چیز ہے، جسے خدا نے وہاں اپنے طور پر الگ تیار کر رکھا ہے، اس کا مفہوم وہی ہے جسے اوپر بیان کیا گیا ہے، یعنی ہر شخص اپنی جنت یا جہنم زندگی کے ہر سانس میں ساتھ کے ساتھ تیار کرتا رہتا ہے۔“ (لغات القرآن: ج ۳، ص ۱۱۲۹)

مسٹر مذکور کا یہ نظریہ بھی قرآنی نصوص سے متصادم ہے، قرآن کریم کی وضاحت کے مطابق جنت و جہنم کو تیار کرنے والا کوئی انسان نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ﴾  
 ”یعنی ان (کامیاب ہونے والوں) کے لئے جنت کے مقامات اللہ تعالیٰ نے خود تیار کئے ہیں، جن میں نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ ان کی بڑی کامیابی ہوگی۔“ (التوبہ: ۸۹)

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا﴾ (التوبہ: ۱۰۰)

”ان مہاجرین و انصار سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا، اور وہ اس پر راضی ہوئے اور اس (اللہ) نے ان کے لئے جنت کے مقامات تیار کئے ہیں، جن میں نہریں بہتی ہیں، اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔“

اور جہنم کے بارے میں فرمان الہی ہے:

﴿وَعَصَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَعَنْهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (الف: ۶)

”اور اللہ تعالیٰ ان (منافقوں اور مشرکوں) پر غصہ ہوا اور اس نے ان پر لعنت کی، اور ان کے لئے جہنم تیار کی ہے، اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔“

ان قرآنی آیات میں اس بات کی صراحت پائی جاتی ہے کہ جنت و جہنم کو تیار کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، اس کے برعکس مسٹر پرویز کے مذکورہ اقتباس کو دیکھئے کہ وہ کیسے سینہ زوری سے قرآن کریم کی صریح آیات کی مخالفت کرتے ہیں اور جنت اور جہنم کا خالق اور ان کا تیار کرنے والا انسان کو بنانے کی کوشش میں ہیں۔

## جہنم کے حق دار کون؟

مسٹر پرویز اپنی ساری زندگی مسلمانوں کو ہی گمراہ بناتے رہے، اور اہل اسلام کے اسلاف کو سازشی قرار دیتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے جہنم کے حقدار بھی مسلمانوں کو ہی بنا ڈالا جس کا اظہار کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

”قرآن کریم نے جو کہا تھا کہ جہنم میں اکثریت ان لوگوں کی ہوگی جو اپنے جرائم کا بوجھ بھی اپنی پیٹھ پر لادے ہوں گے، اور ان لوگوں کے جرائم کا بوجھ بھی جو ان کی وجہ سے غلط راہوں پر چل نکلے تو مجھے تو اس کے مخاطب ہم مسلمان ہی دکھائی دیتے ہیں۔“ (نظام ربوبیت، ص ۲۶۷)

مسٹر پرویز ہمیشہ اسی تگ و دو میں رہتے تھے کہ آیات قرآنیہ کی وعید کو مسلمانوں پر ہی منطبق کر دیں، اور مسلمانوں کو لوگوں کے سامنے مجرم بنا کر پیش کریں، جیسا کہ اس مقام پر آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ دنیاوی زندگی میں کمزور ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو ہی جہنمی بنانے کے درپے ہیں، جس کا سبب یہ ہے کہ ان کے نزدیک دنیا کی آسائشیں اور دنیاوی خوشحالیاں ہی بنیادی چیزیں ہیں جنہیں وہ جنتی زندگی سمجھتے ہیں، لہذا جو شخص ان آرائشوں اور زیبائشوں سے محروم ہے، وہ اس کے نزدیک جنت کی نعمتوں سے بھی محروم ہے، اور جہنم کا حقدار بھی ہے۔ لیکن ان کا یہ نظریہ اس وقت خاک میں مل جاتا ہے جب ہم قرآن کریم میں سابقہ قوموں کے واقعات کا مطالعہ کرتے ہیں، انہیں دنیا کی خوشحالیاں حاصل ہونے کے باوجود ان کے جرائم کی وجہ سے عذاب نازل کر کے نیست و نابود اور دنیا سے بے دخل کر دیا گیا، حالانکہ وہ دنیا کی پرویزی جنت میں مزے لے رہے تھے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی زندگی خواہ کتنی ہی خوشحال ہو اسے جنت قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لئے مسٹر پرویز کا یہ کہنا کہ

”آج ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ کسی طرح اس دنیا کی جہنم جنت سے بدل جائے۔“

(لغات القرآن: ج ۱ ص ۴۳۹)

یہ ان کی بے فائدہ کوشش ہے کیونکہ پرویزی جنت سے موت آنے پر بہر حال بے دخل ہونا پڑے

گا، جبکہ وہ جنت جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کے لئے آخرت میں تیار کی ہے، اس میں نہ موت ہے اور نہ ہی اس میں جانے والے کو کبھی اس سے بے دخل ہی کیا جائے گا بلکہ وہ ﴿حَالِدِينَ فِيهَا﴾ کے تحت اس میں ہمیشہ رہے گا۔

## جنت اور دوزخ، دنیا میں یا آخرت میں؟

تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جنت اور دوزخ کا تعلق آخرت کی زندگی سے ہے، اور قرآن و سنت نیز اجماع امت سے یہ بات بھی مسلم ہے کہ آخرت کی زندگی قیامت قائم ہونے کے بعد شروع ہوگی اور اس وقت اس دنیا کا سارا سلسلہ درہم برہم کر دیا جائے گا، اس کے برعکس پرویز کی جہنم اور جنت اس دنیا کی زندگی سے ہی تعلق رکھتی ہے، بلکہ پرویز یوں کی قیامت اور آخرت بھی اس دنیا سے ہی شروع ہو جاتی ہے، جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں:

يوم القيامة سے مراد ہوگا وہ انقلابی دور جو قرآن کی رو سے سامنے آیا تھا۔“

(جہان فردا: ص ۱۳۳)

حالانکہ قرآن کی رو سے جو انقلابی دور رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں سامنے آیا تھا، اس میں آپس کے دشمن باہمی محبت و موڈت کے رشتے میں منسلک ہو گئے تھے، اور جو پشت در پشت خون کے پیاسے تھے وہ اس انقلاب کے بعد ایک دوسرے کے غنوار اور نمکسار بن گئے تھے، اور ان میں مثالی مواخاۃ اور بھائی چارہ قائم ہو گیا تھا، لہذا ایسے دور کو ’یوم القیامہ‘ کیسے کہا جاسکتا ہے؟

حالانکہ قیامت کے دن تمام رشتے ناطے ٹوٹ جائیں گے اور ہر ایک کو اپنی جان کی ہی فکر ہوگی، کوئی شخص کسی دوسرے کا پرسان حال نہیں ہوگا۔ جیسا کہ قرآن کریم نے قیامت کا منظر پیش کیا ہے:

﴿اِذْ تَبَرَأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَاوَّاءُ الْعَذَابِ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ﴾

”اس (قیامت کے) دن پیٹھوا لوگ اپنے پیروؤں سے بیزار ہو جائیں گے اور وہ عذاب الہی

دیکھ لیں گے اور ان کے آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔“ (البقرہ: ۱۶۶)

**یوم قیامت کب؟** بنا بریں قرآن کی رو سے سامنے آنے والے انقلابی دور کو یوم القیامہ نہیں کہا

جاسکتا جو خوشحالیوں کا مجموعہ تھا جبکہ قیامت تو بڑی آفتوں پر مشتمل ہوگی۔ بعض قرآنی آیات میں اسی روز قیامت کے لئے الساعۃ کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے، اور پرویز اپنی عادت کے مطابق اس لفظ کی بھی تحریف معنوی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”الساعۃ“ سے مراد حق و باطل کی وہ آخری جنگ ہوتی ہے جس میں باطل کی قوتیں شکست کھا کر

برباد ہو جاتی ہیں۔“ (لغات القرآن، ج ۲، ص ۹۱۸)

لیکن پرویز کی اس اختراع پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ صاحب قرآن ﷺ سے جب الساعة کے بارہ میں پوچھا جاتا تھا تو آپ اس کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا کرتے تھے، جیسا کہ سورہ احزاب میں ہے:

﴿يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ﴾ (الاحزاب: ۶۳)

”یعنی لوگ آپ سے الساعة (قیامت) کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دو اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔“

جب قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، تو مسٹر پرویز کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ حق و باطل کے درمیان ہونے والی جنگوں میں سے آخری جنگ ہے جس میں باطل کی قوتیں شکست کھا جائیں گی۔ اس پر متزاد یہ کہ اہل حق اور اہل باطل تو ہر دور میں موجود رہتے ہیں، اور حق و باطل کی جنگیں بھی ہر زمانہ میں ہوتی رہتی ہیں اور یہ سلسلہ آئندہ بھی چلتا جائے گا، تو مسٹر مذکور نے اسے آخری جنگ کیسے بنا دیا؟ جبکہ یہ جنگی سلسلہ کبھی منقطع ہونے والا نہیں ہے۔

نیز قرآن کریم کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ الساعة (قیامت) کو بپا کرنا اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے، کسی انسان یا انسانوں کے کسی گروہ کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ قیامت کو قائم کر دے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسِنُهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجَلِّئُهَا لَوْفَتَهَا إِلَّا هُوَ.....﴾ (الاعراف: ۱۸۷)

”لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب واقع ہوگی؟ کہہ دو کہ اس کا علم تو میرے رب کو ہے، وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔“

اس کے برعکس مسٹر پرویز نے قیامت کو اہل حق و باطل کے درمیان آخری جنگ قرار دے کر اس کے ظاہر کرنے کا اختیار بجائے اللہ تعالیٰ کے، لوگوں کے ہاتھ میں دے دیا ہے، ایسے شخص کو مفکر قرآن کہنے کی بجائے محرف قرآن کہنا چاہئے جس نے اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب کو باز بچہ اطفال بنا رکھا تھا۔

## پرویز کی نظر میں آخرت کیا ہے؟

چنانچہ اس محرف قرآن نے ساعت اور قیامت کی طرح ”آخرت“ کے مفہوم کو بھی مسخ کرنے کی کوشش کی ہے، جیسا کہ وہ اپنے متنبیٰ سلیم کو آخرت کا مفہوم سمجھاتے ہوئے لکھتا ہے:

”جو فائدہ پوری نوع انسانی کے اندر گردش کرتا ہوا افراد تک پہنچتا ہے، اسے مال کار، آخر الامر یا مستقبل کا فائدہ کہا گیا ہے جس کے لئے قرآن میں آخرت (مستقبل) کی اصطلاح آئی ہے۔“

(سلیم کے نام: ج ۱ ص ۲۱۳)

سلیم کو چاہئے تھا کہ وہ پرویز سے پوچھتا کہ یہ آخرت جو آپ نے پیش کی ہے، ان لوگوں کی ہے جو

نوع انسانی کو فائدہ پہنچاتے ہیں، لیکن جو لوگ نوع انسانی کو راہِ راست سے گمراہ کر کے انہیں نقصان پہنچاتے ہیں ان کی آخرت کون سی ہے؟ کیا ایسے لوگ آخرت سے دوچار نہیں ہوں گے جو کسی بھی طرح لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں؟ چاہئے تو تھا کہ آخرت کی تعریف ایسی کی جاتی جو نفع اور نقصان پہنچانے والے دونوں قسم کے لوگوں پر صادق آتی اور اہل شرک کے انجام کو بھی شامل ہوتی، لیکن مسٹر پرویز نے ’آخرت‘ کی ناقص بلکہ بھونڈی تعریف پیش کر کے اپنے جہل مرکب میں گرفتار ہونے کا ثبوت دیا ہے۔

پرویز کے ذہن پر چونکہ دنیاوی مفاد اور دنیاوی خوشحالیوں سوار تھیں اور وہ دنیا کے عمیاش لوگوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو لٹاڑا کرتے اور ان پر جہنمی ہونے کے فتوے دانا کرتے تھے، اسلئے انہوں نے ’آخرت‘ کی پہچان کرواتے ہوئے بھی اسکے مفہوم میں دنیا کے ساز و سامان کو داخل کر دیا ہے جیسے کہ وہ کہتا ہے:

”سامانِ آخرت سے مقصود ہے وہ متاع جسے (انسان) آنے والی نسلوں کیلئے جمع کرتا ہے۔“

(اسباب زوالِ امت: ص ۲۶)

اگر قرآن کریم آخرت کی اصطلاح کو..... بقول پرویز:..... اس متاع و سامان کے لئے استعمال کرتا ہے جسے اس دنیا میں آنے والی نسلوں کے لئے جمع کیا جائے اور وہ پوری نوع انسانی میں گردش کرتا ہوا تمام افراد تک پہنچے تو اس نظریہ کی مخالفت کا تصور صاحب قرآن ﷺ سے نہیں کیا جاسکتا اور آپ اپنی امت بلکہ اپنے اہل بیت کے لئے مستقبل کے فائدہ (یعنی آخرت) کو چھوڑ کر ان پر مفادِ عاجلہ (یعنی دنیا کا سامان) پیش نہیں کر سکتے تھے، حالانکہ قرآن کریم میں یہ صراحت موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کی فتوحات کی وجہ سے مسلمانوں کے خوشحال ہو جانے کے بعد آپ ﷺ سے نان و نفقہ بڑھانے کا مطالبہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ چونکہ تمام معاملات میں سادگی پسند تھے، اس لئے آپ کو ان کے اس مالی مطالبے پر سخت رنج ہوا اور آپ نے اپنی بیویوں سے علیحدگی اختیار کر لی جو ایک مہینے تک جاری رہی۔ تب اللہ نے درپیش مسئلہ کے بارہ میں فیصلہ دیتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿يَأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزَيَّنَّتْهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتُّكُمْ وَأَسْرَحُكُمْ سَرَاحًا جَبِيلًا، وَإِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالذَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ (الاحزاب: ۲۸، ۲۹)

”یعنی اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں سے کہہ دو: اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت کی طلبگار ہو تو آؤ میں تمہیں (دنیا کا) مال دے کر اچھی طرح سے رخصت کردوں، اور اگر تم اللہ اور اس کے پیغمبر اور آخرت کے گھر کی طلبگار ہو تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکوکار عورتوں کے لئے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔“

غور فرمائیے؛ اگر آخرت سے مراد وہ سامان ہو جو آنے والی نسلوں کے لئے جمع کیا جائے اور جو

ساری نوع انسانی میں گردش کرتا ہوا تمام افراد تک پہنچے تو کیا اللہ کے رسول ﷺ جو قرآنی فکر کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں، ایسی آخرت کو نظر انداز کر کے اپنی اُمت کے لئے بلکہ اپنی ازواج مطہرات کے لئے مفادِ عاجلہ (الحیاء الدنیا) کو اختیار کر سکتے تھے؟ اور کیا صاحبِ قرآن ﷺ سے اس بات کا تصور کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے اہل بیت کے لئے قرآنی آخرت چھوڑ کر اس کے برعکس دنیا کا سامان دینے کے لئے تیار ہو جائیں؟

مسٹر پرویز نے قرآنی اصطلاحات کے مفہیم کو مسخ کرنے کے لئے ایسی تحریفات کی ہیں، جن کی زد سے خیر القرون کے اہل اسلام بلکہ خود رسول کریم ﷺ بھی نہ بچ سکے، ورنہ آپ ﷺ کے بارے میں یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ اپنی ازواج کو مستقبل کا فائدہ (آخرت) چھوڑ کر دنیا کا سامان دینے کے لئے آمادہ ہو جائیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ”آخرت“ کا وہ مفہوم نہیں ہے جو مسٹر پرویز نے گھڑا ہے بلکہ اس سے اُخروی زندگی مراد ہے، جسے ہر دور کے مسلمان بالاتفاق تسلیم کرتے چلے آ رہے ہیں، اور جسے امام راغبؒ نے بایں الفاظ ذکر کیا ہے:

”ويعبر بالدار الاخرة عن النشأة الثانية كما يعبر بالدار الدنيا عن النشأة الاولى“ (المفردات: ص ۱۳)

”آخرت کے گھر سے مراد دوسری بار لوگوں کی تخلیق ہے، جیسا کہ ان کی پہلی بار تخلیق کو دارِ دنیا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔“

پرویز اپنے قلم کی سائید مارتے ہوئے میدانِ محشر میں اہل دنیا کے اجتماع سے بھی بائیں پاس نکل جانا چاہتے ہیں اور لکھتے ہیں:

”یہ تصور صحیح نہیں کہ جتنے لوگ مرتے ہیں وہ مرنے کے بعد قبروں میں روک لئے جاتے ہیں، اور پھر ان سب کو ایک دن اکٹھا اٹھایا جائے گا، اسے حشر یا قیامت کا دن کہا جاتا ہے۔“  
(جہان فردا: ص ۱۸۰)

اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے انسان کی ملاقات کو جھٹلاتے ہوئے لکھتا ہے:

”وہ (خدا) ہماری رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہے، اس لئے اس سے جدا ہو کر دنیا میں آنے اور مرنے کے بعد اس سے پھر جا کر ملنے کا تصور قرآنی نہیں۔“ (جہان فردا: ص ۳۴)

مسٹر مذکور یہاں بھی قرآن کریم کی صریح نص کی مخالفت کر رہے ہیں، اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو قرآن کے نام سے ہی غیر قرآنی بتلاتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندوں کی صفات ذکر کرتے ہوئے ان کی حسب ذیل خوبی بیان فرماتے ہیں:

﴿الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ (البقرة: ۲۶)

”وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں یہ یقین ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ سے ملنے والے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔“

اور مرنے کے بعد قیامت کے دن لوگوں کے اکٹھا کئے جانے کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الجماعہ: ۲۶)

”یعنی کہہ دو کہ اللہ ہی تمہیں زندگی بخشتا ہے پھر وہی تمہیں مارتا ہے پھر قیامت کے دن تمہیں اکٹھا کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن بہت سے لوگ اس سے بے علم ہیں۔“

اور قیامت کے دن میدانِ محشر میں جمع کئے جانے سے متعلق فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَوْمَ نُسِئِرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَحَشَرْنَا هُمْ فَلَمَّ نَعَادِرُ مِنْهُمْ أَحَدًا﴾  
(الکہف: ۴۷)

”اس دن ہم پہاڑوں کو (اپنی جگہ سے) چلا دیں گے اور آپ زمین کو صاف میدان دیکھو گے،

اور سب لوگوں کو ہم اکٹھا کریں گے اور ان میں سے کسی کو بھی پیچھے نہیں چھوڑیں گے۔“

اس مقام پر ذکر ہونے والی آیات کو آخر تک پڑھا جائے تو ایک سچے مسلمان کو یقین ہوتا چلا جاتا

ہے کہ قیامت کا دن برحق ہے اور مرنے کے بعد لوگ میدانِ محشر میں اپنے خالق و مالک اللہ تعالیٰ سے

ملاقات کریں گے، اور اپنی زندگی کے اعمال کا حساب دیں گے اور مجرمانہ زندگی گزارنے والے لوگ اپنے

نامہ اعمال کو دیکھ کر خوف زدہ ہوں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَوَضَعَ الْكِتَابَ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلُمُ رَبُّكَ أَحَدًا﴾ (الکہف: ۴۹)

”عملوں کا دفتر کھول کر سامنے رکھ دیا جائے گا، آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ جو کچھ اس میں لکھا

ہوگا، اسے دیکھ کر خوف زدہ ہو رہے ہوں گے، اور کہیں گے: ہائے شامت! یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ

چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے اور نہ ہی بڑی بات کو، ہمارے ہر عمل کو ہی اس کتاب نے لکھ رکھا ہے، اور

انہوں نے جو عمل کئے ہوں گے، اپنے سامنے پائیں گے، اور آپکا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا؛“

اور مسٹر پرویز کے ہاں مسلمہ لغات المفردات میں ہے:

وسمی یوم القیامۃ یوم الحشر کما سمی یوم البعث ویوم النشر (ص ۱۴۰)

”قیامت کے دن کو ہی حشر کا دن کہا جاتا ہے، جیسا کہ اسے بعث و نشر کے دن سے بھی موسوم

کیا جاتا ہے۔“

اور قیامت کے دن حساب و کتاب کے برحق ہونے کے متعلق امام رابع فرماتے ہیں:



الساعة الكبرى وهي بعث الناس للمحاسبة (المفردات: ص ۲۴۸)  
 ”یعنی قیامت کبریٰ سے مراد لوگوں کا حساب و کتاب کے لئے اٹھایا جانا ہے۔“

مسٹر پرویز کی گمراہی اور ضلالت کی وجہ دراصل مستشرقین کے آراء و افکار ہیں جنہیں وہ ابدی حقیقت مان کر قرآن کریم کی نصوص کی تحریف کیا کرتے تھے، اور قرآنی آیات کو مستشرقین کے افکار کے مطابق ڈھالنے میں مصروف رہا کرتے تھے، ان کے حشو و نشر اور اخروی جنت و جہنم نیز یوم الحساب سے انکار کا سبب بھی درحقیقت مستشرقین کے افکار ہیں جیسا کہ وہ یوم الحساب کی تاویل ’واہٹ ہائڈ‘ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یوم الحساب تو ہر آن ہمارے ساتھ لگا ہوا ہے۔“ (انسان نے کیا سوچا؟: ص ۲۱۳)

پرویز اگر اسلام کے ساتھ مخلص ہوتے تو قرآنی آیات کو بنیاد بنا کر ان کے خلاف آنے والے اہل استسراق کے آراء و افکار کو رد کرنے کی جرأت کرتے، اس کے برعکس انہوں نے خلاف قرآن ان افکار و اقوال کو اصل بنا لیا اور قرآنی آیات کی معنوی تحریف کر کے کفر کا ارتکاب کیا ہے، اور گمراہ لوگوں کو اپنا پیشوا بنا کر غلامانہ ذہنیت کا ثبوت دیا ہے۔

#### 4 فرشتوں پر ایمان

فرشتوں پر ایمان لانا بھی مسلمانوں کے بنیادی عقائد میں شامل ہے۔ اور قرآن کریم کے متعدد مقامات پر اس بات کی صراحت موجود ہے کہ فرشتے اپنا خارجی وجود اور ذاتی تشخص رکھتے ہیں۔ وہ نبی مخلوق ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، کی روایت کے مطابق فرشتے نور سے تخلیق کئے گئے ہیں، لہذا ان پر ایمان لانا ایمان بالغیب کا ایک جز ہے۔ سب فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہیں، اور ان میں سے کسی میں بھی خدائی صفات نہیں پائی جاتیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طاعت اور فرمانبرداری کے لئے پیدا فرمایا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں، اور کسی بات میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے، بلکہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان رہتے ہیں۔

وہ آسمان سے نیچے بھی اترتے ہیں، اور زمین سے اوپر آسمان کو بھی چڑھتے ہیں، جبریلؑ اور میکائیلؑ انہی میں سے ہیں۔ پھر کچھ فرشتے دودو، تین تین، چار چار پروں والے بھی ہیں، فرشتوں نے بدر کے میدان میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمانوں کی نصرت بھی کی تھی۔ یہ سب چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ فرشتوں کا خارجی وجود ہے، لیکن چونکہ وہ محسوسات اور مشاہدات کی زد سے باہر ہیں، اس لئے بعض لوگ ان کے خارجی وجود کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں جیسا کہ فرشتوں کے خارجی وجود سے

انکار کرتے ہوئے پرویز لکھتے ہیں:

”ملائکہ ہماری اپنی داخلی قوتیں ہیں یعنی ہمارے اعمال کے وہ اثرات جو ہماری ذات پر مرتب ہوتے رہتے ہیں۔“ (ابلیس و آدم از پرویز: ص ۱۶۲)

## پرویز کے نزدیک ’فرشتے‘ کیا ہیں؟

مسٹر پرویز کے بقول ملائکہ (فرشتے) انسانوں سے الگ مخلوق نہیں ہیں، بلکہ انسان کی اندرونی قوتوں اور نفسیاتی توانائیوں کو ہی ملائکہ کہا گیا ہے، اس کے برعکس قرآن کریم میں انسانوں سے بالکل الگ تھلک مخلوق کو ’ملائکہ‘ سے تعبیر کیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (الاحزاب: ۵۶)

”یعنی اے جماعتِ مؤمنین! دیکھو خدا اور اس کے فرشتے سب نبی پر درود و سلام بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی پیغمبر پر درود و سلام بھیجا کرو۔“

بنابریں اگر ملائکہ (فرشتوں) سے مراد ہماری داخلی قوتیں ہوتیں جیسا کہ مسٹر پرویز کا دعویٰ ہے تو آیت مذکورہ میں ملائکہ (فرشتوں) کو مسلمانوں کے ساتھ خطاب سے الگ ذکر کرنے اور ان کے درود کو مسلمانوں کے درود سے جدا بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ اہل اسلام کے درود بھیجنے کے حکم میں ان کی داخلی قوتیں..... جنہیں پرویز صاحب ملائکہ اور فرشتے سمجھتے ہیں..... بھی شامل تھیں، اس کے برعکس ملائکہ کو اہل ایمان سے الگ ذکر کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ملائکہ (فرشتے) انسان کی داخلی قوتوں کا نام نہیں بلکہ انسانوں سے الگ نورانی مخلوق ہے جس کا وجود انسانی وجود سے بالکل جدا گانہ ہے۔

مسٹر پرویز کا ذہن چونکہ ماڈی تھا، اس لئے وہ کسی ایسی ذات کو ماننے کے لئے ذہنی طور پر آمادہ نہیں تھے جو غیر مرئی ہو اور ان کی یہ جسارت یہاں تک جا پہنچی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھی ایک مرئی اور محسوس پیرائے میں پیش کرنے کی تگ و دو کرتے رہے جیسا کہ ایک مقام پر وہ کہتے ہیں:

”اللہ سے مراد وہ معاشرہ جو قانونِ خداوندی کو نافذ کرنے کیلئے متشکل ہو“ (نظام ربوبیت: ص ۱۵۸)

غور فرمائیں؛ جس شخص کی ذہنی آوارگی سے اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات محفوظ نہیں رہ سکی، لفظ ’ملائکہ‘ اس کی ذہنی اُتج سے کیسے بچ سکتا تھا۔ چنانچہ وہ ملائکہ کی بھی ایسی ہی ماڈی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ملائکہ یعنی کائنات کی قوتیں جن سے رزق پیدا ہوتا ہے، انسان کے تابع فرمان ہیں۔“

(’ابلیس و آدم از پرویز: ص ۵۲‘)

## اس طرح نبی کریم کو بھی فرشتہ ہونا چاہئے!

لیکن اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر واقعی ملائکہ سے مراد رزق پیدا کرنے والی قوتیں ہیں اور

’ابلیس و آدم‘ کے سابقہ اقتباس کے مطابق یہ انسان کی داخلی قوتیں ہیں اور بقول پرویز یہ ملائکہ کا قرآنی مفہوم بھی ہے تو صاحب قرآن ﷺ کو اس قرآنی مفہوم کے ساتھ بدرجہ اتم متصف ہونا چاہئے تھا، کم از کم آپ کو تو اپنے ملک (فرشتہ) از ملائکہ ہونے کی نفی نہیں کرنا چاہئے تھی کیونکہ آپ ﷺ عملی میدان میں قرآنی مفہیم و مطالب کی چلتی پھرتی تصویر تھے اور جب رزق پیدا کرنے والی قوتیں (ملائکہ) آپ میں مکمل طور پر موجود تھیں تو آپ ﷺ خواہ خواہ ’ملک‘ از ملائکہ قرار پاتے ہیں۔ مگر اس کے برعکس قرآن کریم میں یہ وضاحت موجود ہے کہ رسول کریم ﷺ بجا بگ دہل اپنے ملک از ملائکہ ہونے کی نفی کرتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ، إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ.....﴾ (الانعام: ۵۰)

’اے پیغمبر! تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں، اور نہ ہی میں یہ کہتا ہوں کہ میں ’ملک‘ ہوں، میری حیثیت تو فقط یہ ہے کہ اس بات پر چلتا ہوں جو خدا کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔‘

## پھر ملائکہ کی دوسری تعبیر

مسٹر پرویز اندھیرے میں تیر چلانے اور نادانوں کی طرح ٹاک ٹوئیاں مارنے کے بہت عادی تھے اسی وجہ سے ان کی تصنیفات، تضادات کا پلندہ ہیں۔ ان کی تالیفات کا مطالعہ کرنے والے کو ان میں ایک خواب کی مختلف تعبیروں سے واسطہ پڑتا ہے، ہوسکتا ہے ایسے موقع پر پرویز صاحب کا کوئی عقیدت مند اور ان کا تقلید پسند تفسیر کے نام سے اسے بخوشی قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے، لیکن ایک حقیقت پسند شخص اس کے تضادات کو دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے کہ وہ ان کی کس بات کا اعتبار کرے اور ان کی کس رائے کو حتمی قرار دے۔ یہی کام انہوں نے ملائکہ کی تعبیر سے متعلق دکھایا ہے۔ پہلے تو وہ انہیں انسان کی داخلی قوتیں بناتے رہے جن سے رزق پیدا ہوتا ہے، لیکن اب وہ اسکے برخلاف انہیں خارجی قوتیں بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

’فرشتے ملائکہ وہ کائناتی قوتیں ہیں جو مشیتِ خداوندی کے پروگرام کو بروئے کار لانے کے لئے زمانے کے تقاضوں کی شکل میں سامنے آتی ہیں۔‘ (۱) (قبال اور قرآن از پرویز: ص ۱۶۵)

لیکن متعدد قرآنی آیات سے نظریہ پرویز کی تردید ہوتی ہے اور ان سے ملائکہ کو کائناتی قوتیں بنانے کا عقیدہ باطل قرار پاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا أُولَىٰ أَجْنَحَةٍ مَّتَنَّىٰ وَوُتِّلَتْ وَرُبِعَ يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيُّ كَلِّ شَيْبِي قَدِيرٌ﴾ (سورۃ الفاطر: ۱)

’سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سزاوار ہیں جو آسمانوں و زمین کو پیدا کرنے والا ہے اور

فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے جن کے دو دو اور کسی کے تین تین اور کسی کے چار چار پر ہیں اور وہ اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“  
اس آیت میں آنے والے لفظ اَجْنَحَة کے متعلق مسٹر پرویز لکھتے ہیں:  
”سورۃ فاطر میں ’ملائکہ‘ کے متعلق کہا ہے اُولٰٓئِہِ اَجْنَحَة (۱۳۵)..... اس کے لفظی معنی ہیں بازوؤں (پروں) والے۔“ (لغات القرآن: ج ۱ ص ۴۴۳)

اگرچہ اس کے بعد مسٹر پرویز نے اس لفظ کا مجازی معنی گھڑ کر ڈنڈی مارنے کی کوشش کی ہے لیکن ہمیں اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اہل اصول کے ہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ حقیقی معنی کے ہوتے ہوئے مجاز کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح سورۃ زخرف میں ارشاد الہی ہے:

﴿وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنۡثَآءَ﴾ (زخرف: ۱۹)  
”یعنی انہوں نے فرشتوں کو جو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، اس کی بیٹیاں بنا ڈالا۔“

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا اِنَّ اِلٰهَکُمۡ وَاِلٰهَ اٰبَادِکُمۡ وَاِلٰهَ كُلِّ شَیْءٍ وَّحِدٌ ۗ لَّعَلَّکُمۡ تَرْجَعُوۡنَ﴾ (السجدہ: ۱۱)  
”یعنی اے نبی! بتادیں کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے، تمہیں فوت کرتا ہے، اس کے بعد تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاتے ہو۔“

پرویز نے اس آیت میں ’ملک‘ کا معنی کائناتی قوتوں سے کیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ’ملک‘ کا لفظ واحد ہے جو قرآن کریم میں ہے، اور کائناتی قوتیں ’جمع‘ ہے جو پرویز صاحب نے اس کا مفہوم بتایا ہے۔ تو کیا مسٹر پرویز یہ سمجھتے ہیں کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ سے ملائکہ کی بجائے لفظ ’ملک‘ لانے میں ذہول ہو گیا ہے یا مسٹر پرویز ہی ’مفہوم القرآن‘ کے نام سے لوگوں کو گمراہ کرنے کے درپے ہیں۔

## من مانے مفہوم کی دلیل لانے کی ایک ناکام کوشش

جس شخص کا عقیدہ اور عمل قرآن و سنت کے ٹھوس دلائل پر مبنی ہوتا ہے، وہ اسے علی وجہ البصیرت اختیار کرتا ہے اور باوجود مخالف اس کے اس نظریہ میں کسی قسم کا تزلزل پیدا نہیں کر سکتی، لیکن جس شخص کے نظریات خود ساختہ ہوں جنہیں اہل علم و عقل آسانی سے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تو اسے اپنے اعتقادات و نظریات کو لوگوں میں مقبول بنانے کے لئے خارجی سہاروں کی ضرورت پیش آتی ہے، جیسا کہ مسٹر پرویز نے ملائکہ کے بارہ میں اپنے خود ساختہ نظریہ کو لوگوں سے منوانے کے لئے مفتی محمد عبدہ کا سہارا لیا ہے اور کہا:

”مفتی محمد عبدہ نے اپنی تقاسیر المناز میں لکھا ہے کہ یہ امر ثابت ہے کہ کائنات کی ہر شئی کے اندر ایک قوت ایسی ہے، جس پر اس چیز کا دار و مدار ہے اور جس کے ساتھ اس شے کا توام و نظام قائم

ہے۔ جو لوگ وحی پر ایمان نہیں رکھتے وہ ان قوتوں کو طبعی قوتیں کہتے ہیں اور شریعت کی زبان میں انہیں ملائکہ کہا جاتا ہے، لیکن انہیں ملائکہ کہنے یا کائناتی قوتیں، حقیقت ایک ہی ہے۔“

(لغات القرآن: ج ۱ ص ۲۴۲)

تفسیر المنار میں ملائکہ کے بارہ میں مختلف اقوال نقل کئے گئے ہیں، اور مذکورہ بالا قول اس تفسیر کے ص ۲۶۸ سے نقل کیا گیا ہے، اور مفتی محمد عبدہ صاحب نے یہ قول صرف مادہ پرست لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے پیش کیا ہے، جیسا کہ ان کے شاگرد رشید محمد رشید رضا..... جو اس تفسیر کے مرتب ہیں..... ان سے اس قول کو ذکر کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”أراد بهذا أن يحتج على الماديين و يقنعهم بصحة ما جاء به الوحي من طريق علمهم المسلم عندهم كما صرح به فيما مرفى صفحة ۲۶۸“ (تفسیر المنار: ج ۱ ص ۲۴۲)

”صفحہ ۲۶۸ نقل ہونے والے اقتباس سے مفتی صاحب کا مقصد صرف یہ ہے کہ مادہ پرست لوگوں پر حجت قائم کر دی جائے اور انہیں اس بارہ میں مطمئن کیا جائے کہ (فرشتوں کے بارہ میں) جو کچھ وحی الہی میں ثابت شدہ امر ہے، وہ اس کے ہاں مسلمہ علمی طریقے کے بھی مطابق ہے۔“

اس نظریہ کو ذکر کرنے سے مفتی صاحب کا مقصد اس کی تائید کرنا نہیں ہے، بلکہ اسے وحی الہی کے قریب کرنا مقصود ہے بایں طور کہ مادہ پرست حضرات اگرچہ ملائکہ کے وجود سے انکار کرتے ہیں لیکن دوسری طرف وہ ان کا نام ’کائناتی قوتیں‘ رکھ کر اسے ماننے پر بھی مجبور ہیں، جیسا کہ سید رشید رضا اپنے استاد کے اس اقتباس پر اپنے ریمارکس دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”هذا ما كتبه شيخنا في توضيح كلامه فيما يفهمه علماء الكائنات من لفظ القوي إلى ما يفهمه علماء الشرع من لفظ الملائكة“ (تفسیر المنار: ج ۱ ص ۲۴۳)

”ہمارے استاذ نے یہ کلام اس لئے درج کیا ہے، تاکہ علماء سائنس کے ہاں فرشتوں کے لئے جو لفظ (قوتوں کا) استعمال کیا جاتا ہے، اسے لفظ ’ملائکہ‘ کے قریب کر دیا جائے جو علماء شریعت کے ہاں متعارف ہے۔“

ملائکہ کی بابت مفتی محمد عبدہ صاحب اپنا سلفی عقیدہ اس سے چند صفحات قبل آیت نمبر ۳۰ کے تحت ذکر کر آئے ہیں جسے نقل نہ کرنے میں پرویز صاحب نے اپنی عافیت سمجھی ہے، مفتی صاحب فرماتے ہیں:

”أما الملائكة فيقول السلف فيهم أنهم خلق أخبرنا الله تعالى بوجودهم و ببعض عملهم فيجب علينا الايمان بهم ولا يتوقف ذلك على معرفة حقيقتهم فنفوض علمها إلى الله تعالى فإذا ورد أن لهم أجنحة نؤمن بذلك ولكننا نقول أنها ليست أجنحة من الريش ونحوه كأجنحة الطير“ (تفسیر المنار: ج ۱ ص ۲۵۲)

”فرشتوں کے بارہ میں سلف صالحین کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ بھی (اللہ تعالیٰ کی) مخلوق ہیں۔ اللہ

تعالیٰ نے ہمیں ان کے موجود ہونے اور بعض ایسے کاموں کے بارہ میں بتا دیا ہے جنہیں وہ سرا حجاب دیتے ہیں، لہذا ہم پر فرض ہے کہ ان پر ایمان لائیں اور یہ ضروری نہیں کہ ان کی اصل حقیقت معلوم کر کے ہی ان پر ایمان لایا جائے، بنا بریں فرشتوں کے متعلق (قرآن میں) أجنحة (پروں) کا ذکر آیا ہے تو ہم اسے ماننے ہیں، لیکن یہ نہیں کہتے کہ فرشتوں کے پر پرندوں کے پروں کے مشابہ ہیں۔“

غور فرمائیں؛ مفتی محمد عبدہ رحمہ اللہ نے فرشتوں کا جو تعارف پیش کیا ہے، بالکل وہی ہے جسے اہل اسلام ہمیشہ سے تسلیم کرتے آ رہے ہیں، اور یہاں انہوں نے ملائکہ کو کائناتی قوتیں قرار دینے کے خود ساختہ نظریہ کو ذکر تک نہیں کیا، جس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ مفتی صاحب اپنی تفسیر میں ملائکہ سے متعلق دیگر نظریات کو ذکر کرنے کے باوجود ان کے حامی نہیں ہیں۔ فرشتوں کے بارہ میں ان کا عقیدہ بھی وہی ہے، جو دیگر مسلمانوں کے ہاں مسلم ہے، اور جس سے خروج اختیار کر کے مسٹر پرویز اسلام کی نظریاتی سرحدوں سے ہی خارج ہو گئے ہیں۔

## 5 ایمان بالقرآن

پرویزی لٹریچر کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر پرویز قرآن کریم کو ایک محفوظ کتاب تسلیم کرتے ہیں جو وحی پر مشتمل ہے۔ اس حقیقت سے وہ انکار نہیں کر سکے اور اس کے اصول کو بھی وہ ابدی مانتے ہیں۔ لیکن مسٹر پرویز چونکہ مطلبی آدمی تھے، لہذا انہوں نے قرآن کریم کو اگر وحی الہی تسلیم کیا ہے تو اس سے اپنا مطلب نکالنے کے لئے ہی تسلیم کیا ہے اور مستشرقین کے افکار کو قرآن کے نام سے مسلمانوں میں پھیلانے کے لئے اسے ’وحی‘ مانا ہے اور اس پر ان کا پورا لٹریچر خاص طور پر ان کی ’مفہوم القرآن‘ جیسی کتابیں شاہد ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مسٹر پرویز کی پوری زندگی کی تگ و دو کا محور صرف یہ تھا کہ وہ یورپین مفکرین اور مستشرقین کے نظریات سے کشید کردہ افکار کو قرآن کے نام سے اسلامی معاشرے میں پھیلانے کے لئے سرگرم رہے اور چند حدود کے اندر کھلی آزادی کو قرآنی نظام باور کراتے رہے، وہ خود اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”قرآن کریم نے صرف اصولی احکام دیئے ہیں اور یہ چیز انسانوں پر چھوڑ دی ہے کہ وہ اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ان اصولوں کی روشنی میں جزئی قوانین ایک نظام کے تابع خود مرتب کریں۔“ (لغات القرآن: ج ۲ ص ۴۷۹)

جبکہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان کا ایمان اس بات پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم جیسی مقدس

☆ مسٹر پرویز کا یہاں ’مسلمانوں‘ کی بجائے ’انسانوں‘ کا لفظ لانا بھی ایک سوالیہ نشان ہے۔

کتاب نازل کرنے کے لئے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو منتخب فرمایا ہے اور اس کی تمیین و توضیح کا فریضہ آپ کو تفویض کیا ہے، اور اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آپ ﷺ قرآنی آیات سے مرادِ الہی کو بخوبی جانتے تھے، اور آپ ﷺ کے بیان کردہ مفہیم قرآن اور مطالبِ فرقان بلا ریب منشاے الہی کے عین مطابق تھے اور آپ کا کوئی قول و فعل تقاضاے الہی کے خلاف نہ تھا، کیونکہ آپ کی ذات پر وحی خداوندی کا پہرہ ہر وقت موجود رہتا تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ﴾ (الحاقہ: ۲۳ تا ۲۷)

”اگر یہ رسول ﷺ اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر اسے ہماری طرف منسوب کرتا تو ہم اسے دائیں ہاتھ کی محکم گرفت سے پکڑ لیتے پھر ہم اس کی رگ گردن کاٹ دیتے اور تم میں سے کوئی ہمیں اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔“

اس قسم کی متعدد قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام اقوال و افعال اور آپ کی ہمہ تقریرات مرادِ الہی کے عین مطابق تھیں جن پر وحی خداوندی کی نگرانی ہر وقت موجود رہتی تھی، اور یہ امتیاز صرف صاحبِ قرآن ﷺ کو ہی حاصل تھا۔ انسانوں میں سے کوئی شخص بھی آپ کے ساتھ اس وصف میں شامل نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ قرآن کریم کی تعبیر و تشریح سے متعلق اقوال و افعال ..... عام انسانوں کی طرح ..... آپ کی ذاتی آرا تھیں جن کا وحی الہی سے کوئی تعلق نہ تھا تو اس طرح آپ کے فرمودات کا، آپ کسی امتی کے قول و فعل سے کوئی فرق باقی نہیں رہتا، بلکہ بایں طور تو آپ کے زمانہ قبل از نبوت کے اقوال و افعال نیز نبوی دور کے فرامین میں بھی کوئی امتیاز باقی نہیں رہے گا، جبکہ اس قسم کا تصور رکھنا مقامِ نبوت سے انکار کے مترادف ہے۔

پرویز قرآنی آیات کی تعبیر و تشریح کا حق مسلمانوں کو ہی نہیں بلکہ تمام انسانوں کو دینے پر کمر بستہ ہیں اور وہ اصولِ قرآن کو سمجھانے کے لئے کسی مامور من اللہ (نبی یا رسول) کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے، جیسا کہ ایک مقام پر وہ لکھتے ہیں:

”قرآن کے اصول مکمل غیر متبدل اور ابدی ہیں، اس لئے اب کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ باقی رہا یہ تصور کہ ان اصولوں کو سمجھانے کے لئے کسی ایسے شخص کی ضرورت ہے جو خدا کی طرف سے ان اصولوں کو سمجھنے کا علم حاصل کرے اور انہیں پھر دوسرے انسانوں کو سمجھائے تو یہ تصور یکسر غیر قرآنی ہے۔ قرآن کریم نے کہیں یہ نہیں کہا کہ میری تعلیم کو سمجھانے کے لئے بھی کسی مامور من اللہ یا ملہم ربانی کی ضرورت ہے۔“ (قرآنی فیصلے: ج ۳ ص ۲۶۰)

”قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ تو کہا ہے کہ اس کتاب کا بیان اور اس کے اصولوں کی توضیح کی

ذمہ داری بھی ہماری ہے۔“ (القیامہ: ۱۹)

اور نزولِ قرآن کے لئے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کا انتخاب بھی اسی لئے کیا گیا تاکہ آپ اپنی عملی زندگی کے ذریعے سے اُمت کے لئے قرآنِ کریم پر چلنے کا ایک راستہ متعین فرمادیں اور قرآنی مفاہیم و مطالب کو کھول کر لوگوں کے سامنے رکھ دیں، گویا آپ ﷺ کی ذاتِ مقدس روئے زمین پر چلتا پھرتا قرآن تھا جس کا ہر قول و عمل قرآن کے رنگ میں رنگا ہوا تھا، اور یہ بات بھی بلاشبہ مسلم ہے کہ مامور من اللہ ہی کو نبی ﷺ کہتے ہیں، جسے اس کتاب کی تفسیر و تشریح کے لئے منتخب کیا گیا تھا جو اس پر نازل ہونے والی تھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (النحل: ۴۴)

”اور ہم نے آپ پر یہ نصیحت نامہ (کتاب) اس لئے اتاری ہے تاکہ آپ لوگوں کی طرف نازل شدہ کتاب کو ان کے لئے کھول کر بیان کر دیں اور تاکہ وہ سب اس پر غور و فکر کریں۔“

منزل من اللہ کتاب کی تبیین و توضیح نبی ﷺ کا ہی وظیفہ ہے کیونکہ اسے براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم دی جاتی تھی اور بذریعہ وحی اسے علومِ الہیہ سے آراستہ کیا جاتا تھا جیسا کہ ارشادِ الہی ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمْنَا مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾ (النساء: ۱۱۳)

”اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب و حکمت نازل فرمائی ہے، اور اس نے آپ کو وہ کچھ سکھایا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے۔“

اللہ تعالیٰ سے علم وحی کا حاصل کرنا اور اس کی مراد و مرضی کے کاموں سے براہِ راست باخبر ہونا صرف نبی اور رسول کی ہی خصوصیت ہے جو مامور من اللہ ہے۔ اور ایسے نبوی منج سے ہٹ کر جو شخص بھی مفکر قرآن بننے کی کوشش کرے گا تو بدیہی بات ہے کہ وہ قرآن کے نام سے ایسے آراء و افکار پیش کرے گا جن کا مرادِ الہی ہونا حتمی نہیں کیونکہ اس کے افکار پر وحی الہی کی نگرانی نہیں جس کے ذریعے سے ان کے صحیح اور درست ہونے کا فیصلہ کیا جاسکے اس کے برعکس نبی ﷺ اور رسول کے تمام اقوال و افعال مرادِ الہی ہیں۔ لہذا وہ دین میں حجت ہیں بلکہ عین دین ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مسٹر پرویز اور ان کے فرقے کے ہاں سند اور حجت اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم بھی نہیں ہے، اگرچہ پروپیگنڈے کی حد تک وہ یہی کہتے ہیں کہ قرآن محفوظ کتاب ہے اور اسے خالی الذہن ہو کر سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے لیکن دوسری طرف مسٹر پرویز کی تالیفات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عملی میدان میں اپنے اس دعوے پر قائم نہیں رہے، اور انہوں نے خود ہی بہت سی غیر قرآنی چیزوں کو ذہن میں رکھ کر قرآن کریم کو ان غیر اسلامی اشیاء کا محتاج بنائے رکھا، جیسا کہ وہ قرآنِ مجید کے ایک مقام کو اناجیلِ محرفہ سے حل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:



”قرآن کریم تک آنے سے پیشتر ہمیں ایک بار پھر اناجیل پر غور کر لینا چاہئے، اناجیل جیسی کچھ بھی آج ہیں، بہر حال انہی کے بیانات کو سامنے رکھا جائے گا۔ اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے؟“  
(شعلہ مستور: ص ۹۸)

اگر ان لوگوں کے ہاں قرآن فہمی کے لئے ان اناجیل کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، جو صرف منسوخ ہی نہیں بلکہ تحریف شدہ بھی ہیں تو مسلمانوں کے ہاں صاحب قرآن ﷺ کی ہدایات اور تعلیمات کی روشنی میں قرآن مجید کو سمجھنے سے چین بچیں ہونا غیر معقول ہے۔

دوسرے مقام پر وہ قرآنی الفاظ کو جاہلی کلام کا محتاج بناتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”بہر حال شعراء جاہلیہ کے کلام کا بیشتر حصہ اپنے اصل الفاظ میں عربی ادب کی کتابوں میں مدون اور محفوظ ہو گیا..... اس لئے ان اشعار کی مدد سے ان الفاظ کا وہ مفہوم بھی متعین کیا جاسکتا ہے جو ان سے زمانہ نزول قرآن میں لیا جاتا تھا۔“ (لغات القرآن: ج ۱ ص ۱۲)

اگر زمانہ جاہلیت کا کلام عربی ادب کی کتابوں میں آج تک محفوظ رہ سکتا ہے اور وہ جاہلیت جسے قرآن مٹانے کے لئے نازل ہوا ہے، اس کے کلام سے قرآن کے مفہیم متعین کئے جاسکتے ہیں تو تعلیمات نبویہ اور احادیث رسول ﷺ آج تک محفوظ کیوں نہیں رہ سکتیں اور ان سے قرآنی مطالب متعین کرنے پر اعتراض کیوں ہے۔ اگر اب بھی کسی کو اصرار ہے کہ پرویز خالی الذہن ہو کر ہی قرآن میں غور و فکر کرتے رہے ہیں تو ہمیں بتایا جائے یہ کیا ہوتا رہا ہے کہ

”حقیقت یہ ہے کہ جس قوم پر صدیوں سے سوچنا حرام ہو چکا ہو اور تقلید گمن زندگی کی محمود روش قرار پا چکی ہو، ان میں فکری صلاحیتیں بہت کم باقی رہ جاتی ہیں، لہذا ہمیں اس مقصد کے لئے بھی مغرب کے محققین کی طرف ہی رجوع کرنا ہوگا۔“ (سلیم کے نام: ج ۳ ص ۱۵۱)

بتائیے؛ کیا یہ حسنا کتاب اللہ پر عمل ہوتا رہا ہے؟

کیا حدیث نبوی کی بجائے اناجیل محرفہ اور مغرب کے محققین کے افکار قرآن فہمی کے لئے ناگزیر ہیں؟ فرض کیا ہمارے ہاں مغربی طرز کی بعض تحقیقات نہیں ہونیں، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ چابک دستی سے مغربی افکار کو قرآنی آیات میں ٹانگنا شروع کر دیا جائے۔ اگر پرویز اور ان کے حواریوں کے ہاں کافرانہ افکار کے بغیر چارہ نہیں تو وہ بڑی خوشی سے انہیں اختیار کریں، لیکن دھوکہ اور فریب سے انہیں مسلمانوں پر مسلط کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

یہ ہیں وہ چند عقائد و نظریات جنہیں اختیار کرنے کی وجہ سے مسٹر پرویز پر ایک ہزار علمائے ان کی زندگی میں ہی ان پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا، اور ایسے باطل نظریات کے پیش نظر سعودی عرب کے مفتی اعظم اور

امام کعبہ نے انہیں اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

## اختلافِ تعبیرِ قرآن اور منکرینِ حدیث

”اجی، چھوڑیے، احادیث کو۔ ان میں اختلافات ہیں، لہذا وہ اسلامی آئین کے لئے بنیاد اور مسائل حیات کے لئے دلیل و سند کیوں کر ہو سکتی ہیں۔“

یہ ہیں وہ الفاظ، جو اکثر و بیشتر منکرینِ حدیث کی زبان پر جاری و ساری رہتے ہیں، لیکن جب اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ ایسا اختلافِ تعبیرِ قرآن میں بھی ممکن ہے..... تو یہ جواب، ان کے لئے، سانپ کے منہ میں چھو ندر والا معاملہ پیدا کر دیتا ہے، جسے نہ ہی اُگلے بنے اور نہ ہی نکلے بنے۔ اُگلا جائے تب بھی مصیبت، اور نگلا جائے تب بھی کوفت۔ اسلم جیرا جبوری صاحب نے تو بہر حال، جس طرح بھی بن پڑا، اسے اُگل کر یہ اعتراف کر لیا کہ واقعی قرآن میں اختلاف ہے، چنانچہ انہوں نے آیاتِ قرآنیہ میں ازالہ اختلاف اور رفع تضاد کے پیش نظر، اپنی کتاب ’نوادر ات‘ میں ’وہم تعارض‘ کے زیر عنوان تقریباً بیس آیات میں تطبیق و توافق کی کوشش کی ہے۔ لیکن پرویز صاحب آخر تک تردّد اور تذبذب کے گرد و غبار میں کھڑے ہو کر متضاد اور متناقض باتیں کرتے رہے ہیں، کبھی قرآن میں عدم اختلاف کا اعلان کیا اور کبھی ’بظاہر تعارض‘ کا اعتراف کرتے ہی بنی، نہ صرف اعتراف بلکہ ’رفع تعارض‘ کے لئے عملاً تطبیق کی کوشش بھی کی۔ ایک وقت تھا جب وہ کہا کرتے تھے کہ

”قرآن کی تعلیم بڑی واضح، بین اور تضاد و تعارض سے پاک ہے۔“ (مئی ۵۲ء، ص ۴۲)\*

”قرآن کا یہ دعویٰ ہے کہ ﴿وَلَوْ كَانَتْ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾

یعنی اگر قرآن خدا کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سے اختلافات پائے جاتے۔ بالفاظِ دیگر، قرآن نے اپنے من جانب اللہ ہونے کی دلیل یہ دی ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں، پھر اس نے یہ بھی کہا کہ میری تعلیم صاف اور واضح ہے اس میں کوئی پیچیدگی نہیں، ابہام نہیں، التباس نہیں، ریب نہیں، تشکیک نہیں۔“ (اپریل ۵۹ء، ص ۸)

بلکہ پرویز صاحب تو یہاں تک کہا کرتے تھے کہ قرآن کی کسی آیت سے متعدد تعبیروں کے نکلنے کا

خیال ہی، قرآن کریم کی تعلیم سے ناواقفیت کی دلیل ہے:

\* یہ اور اس طرح کے دیگر حوالہ جات ماہنامہ طلوع اسلام کے ہیں۔ مئی ۵۲ء، طلوع اسلام کا شمارہ ہے جس کا صفحہ نمبر ۴۲ ہے۔

”یہ سمجھنا کہ زندگی کے عملی مسائل سے متعلق جو کچھ قرآن میں آیا ہے، اسکی متعدد تعبیریں کی جاسکتی ہیں، قرآن کی تعلیم سے ناواقفیت کی دلیل ہے یا اس پر پردہ پوشی کی کوشش ہے۔“ (اپریل ۵۹ء: ص ۹)

پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ پرویز صاحب کو ماننا پڑا کہ قرآن میں اختلاف ہے:

”قرآن کریم کی تعلیم کا ایک حصہ وہ ہے جس میں اس نے انسانی زندگی کے لئے راہنمائی دی ہے (اور یہی حصہ اس کے بنیادی مقصد سے متعلق ہے)، انہیں اصول حیات یا مستقل اقدار کہا جاتا ہے۔ یہ اصول و اقدار بالکل واضح اور متعین ہیں اور ان کے سمجھنے میں کوئی اختلاف نہیں پیدا ہو سکتا، اُمور مملکت کا تعلق اسی گوشہ سے ہے..... قرآنی تعلیم کا دوسرا گوشہ وہ ہے جس کا تعلق، حقائق کائنات اور مابعد الطبیعیاتی (Meta-Physics) مسائل سے ہے۔ ان حقائق کے سمجھنے کا مدار انفرادی فکر اور بہ بیت مجموعی انسانی علم کی سطح پر ہے۔ جوں جوں انسانی علم کی سطح بلند ہوتی جائے گی، یہ حقائق بے نقاب ہوتے جائیں گے اور کوئی شخص جس قدر زیادہ غور و فکر سے کام لے گا، وہ انہیں اسی قدر زیادہ عمدگی سے سمجھ سکے گا۔“ (مارچ ۸۵ء: ص ۶)

”قرآن کریم میں جو مابعد الطبیعیاتی مسائل آئے ہیں، ان کے سمجھنے میں تو انسانی فکر میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن جن اُمور کا تعلق انسانی راہنمائی سے ہے (یہی قرآن کا بنیادی مقصد ہے)، ان میں وہ بالکل واضح اور متعین تعلیم پیش کرتا ہے، جس کی مختلف تعبیریں ہونیں سکتیں۔ بشرطیکہ قرآن کو خود اس کے اپنے تجویز فرمودہ طریق سے سمجھا جائے۔“ (اگست ۷۳ء: ص ۳۵)

## جواب طلب دو سوالات

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں: اولاً یہ کہ قرآن کریم کی آیات میں، مابعد الطبیعیاتی مسائل سے متعلقہ آیات اور احکام و قوانین سے متعلقہ آیات میں جو تفریق کی گئی ہے اور پھر اس تفریق کی بنیاد پر ایک حصہ میں اختلاف کا موجود ہونا اور دوسرے میں معدوم ہونا جو تسلیم کیا گیا ہے، آخر اس کی قرآنی دلیل کیا ہے؟..... اگر نسخ و منسوخ کی بحث میں، آپ کی طرف سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیتِ ناسخہ کے ہونے کی اور آیتِ منسوخہ کے منسوخہ ہونے کی ’قرآنی دلیل‘ کیا ہے تو یہاں بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآنی متن میں دو حصے کرنا، اور پھر ایک حصے کا حکم، دوسرے سے الگ کرنے کی قرآنی دلیل کیا ہے؟ یا یہ تقسیم بھی ویسی ہی من گھڑت ہے، جیسی یہ تقسیم کہ ’قرآن کی بعض آیات عبوری دور سے متعلق ہیں اور بعض انتہائی اور تکمیلی دور سے..... حالانکہ قرآن میں یہ تقسیم بھی کہیں مذکور نہیں ہے۔

ثانیاً، یہ کہ مابعد الطبیعیاتی حصہ قرآن کی حد تک تو آپ نے قرآن میں وجود اختلاف کو تسلیم کر لیا، اس طرح آپ کا یہ نظریہ ﴿لَوْ جَدُّوْا فِيْهِ اٰخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ والی آیت سے ٹکرا نہیں جاتا؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں؟

رہا منکرین قرآن کا یہ فرمان کہ احکام و قوانین سے متعلقہ آیات میں اختلاف نہیں ہے۔ تو یہ بھی محض ایک دعویٰ بلا دلیل ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہر قسم کی آیات میں تعبیر اختلاف کی گنجائش ہے۔ قرآن میں جس اختلاف کی نفی کی گئی ہے، وہ مطلق اختلاف نہیں ہے بلکہ ایسا اختلاف ہے جو ناقابل توجیہ ہے۔ قابل توجیہ اختلاف تو پرویز صاحب کے مزمومہ، دونوں حصوں میں موجود ہے۔ احکام و قوانین سے متعلقہ حصہ میں تعبیر کا اختلاف تو ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے اور یہ اختلاف نیک نیتی کے باوجود بھی ہو سکتا ہے اور بد نیتی کے نتیجے میں بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ البتہ پرویز صاحب جب بھی مسلمانوں میں اختلاف کا ذکر کرتے ہیں تو وہ ان مختلف وجوہ اختلاف کو فرقوں سے وابستہ افراد کی بد نیتی ہی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک اس اختلاف کی بہت سی وجوہ ہیں، جو درج ذیل اقتباسات سے واضح ہیں:

”آیات قرآنی کی تعبیریں اس لئے مختلف ہوتی ہیں کہ ہر فرقہ، اس آیت کی تعبیر، اس روایت کی رو سے کرتا ہے جسے وہ صحیح سمجھتا ہے اور چونکہ ہر فرقہ کی روایات مختلف ہیں، اس لئے ان کی رو سے قرآنی آیات کی تعبیر میں اختلاف ہوتا ہے۔“ (فروری ۶۲ء: ص ۱۳)

”تعبیرات کے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ ہر فرقہ اپنے معتقدات اور مسلک کو اپر رکھتا ہے اور ان کے تابع قرآن کا مفہوم متعین کرتا ہے۔“ (اگست ۶۲ء: ص ۱۰)

”بات یہ ہے کہ مختلف فرقے، اپنے اپنے ہاں کے احکام کو محکم مانتے ہیں اور قرآن کو کھینچ تان کر ان کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کا نام رکھتے ہیں ’قرآن کی تعبیرات‘..... اگر قرآن کو محکم مان لیا جائے تو اس کے احکام کی مختلف تعبیریں ہوں نہیں سکتیں۔“ (دسمبر ۶۲ء: ص ۱۹)

جہاں کسی اللہ کے بندے نے قرآن کی تعبیرات میں اختلاف کا ذکر کیا۔ منکرین حدیث کی طرف سے فوراً اس پر یہ فتویٰ رسید کر دیا گیا کہ ”تم قرآن کا اتباع کرنا ہی نہیں چاہتے بلکہ اتباع قرآن سے گریز کے لئے، تعبیراتی اختلاف کو بطور بہانہ کے پیش کرتے ہو۔“

”عام طور پر کہا جاتا ہے کہ قرآن کی بھی مختلف تعبیریں ہو سکتی ہیں۔ اس لئے غلط اور صحیح کے پرکھنے میں، قرآنی معیار کے نتائج میں بھی فرق ہو سکتا ہے۔ اس قسم کے اعتراضات، درحقیقت قرآن کو سند و حجت تسلیم نہ کرنے کے لئے گریز کی راہیں ہیں۔“ (اگست ۶۳ء: ص ۳۵)

اور اگر کسی کی حق گوئی، اس پر غالب آگئی اور اس کی شامت نے اسے دھکا دے کر یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ..... ”حضور! قرآن، جس اختلاف کی نفی کرتا ہے، وہ ناقابل توجیہ اختلاف ہے، ورنہ قابل توجیہ اختلاف تو فی الواقع قرآن میں موجود ہے اور علماء امت کا غور و فکر ایسے اختلاف کو رفع کرتا رہا ہے۔“.....

تو قائل کی بات کو ان سنی کرتے ہوئے اور اسے ڈانٹ پلاتے ہوئے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ”قرآن کریم اپنے منجانب اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ دیتا ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات

نہیں۔ قرآن کے اس دعویٰ کے بعد یہ تسلیم کرنا کہ یہ مختلف فرقوں کو ایسے تو انین دیتا ہے جو ایک دوسرے کے خلاف اور باہم دگر متضاد ہیں، قرآن کے منجانب اللہ ہونے سے انکار کے مترادف ہے اور کھلا ہوا کفر۔“ (مارچ ۸ء: ص ۴۰)

ان بلند بانگ دعاوی کے بعد کہ وجہ اختلاف، قرآن نہیں بلکہ مختلف فرقوں کے اپنے مسالک و عقائد اور ان کی روایات / احادیث ہیں، رفع اختلاف کا انہوں نے یہ حل پیش کیا ہے:

”اگر خالص قرآن کو اتھارٹی تسلیم کر لیا جائے تو کوئی اختلاف پیدا ہی نہیں ہو سکتا“ (اگست ۸۴ء: ص ۱۴)

لیکن بارگاہ قرآن میں آنے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے جس کے بغیر قرآن سے استہداء (ہدایت پانا) ممکن نہیں ہے:

”قرآن سے صحیح راہنمائی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان خالی الذہن ہو کر اس کی طرف آئے اور اس کے ہاں سے جو کچھ ملے، اسے من و عن قبول کرے، خواہ یہ اس کے ذاتی خیالات، رجحانات، معتقدات اور معمولات کے کتنا ہی خلاف کیوں نہ ہو۔“ (اگست ۶۱ء: ص ۷۴)

باقی مسلمانوں کو تو خیر چھوڑیے، کم از کم ’اہل قرآن‘ کے جملہ طبقوں سے تو یہ توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ سب احزاب اہل قرآن کے تعبیری اختلافات سے خالی الذہن ہو کر بارگاہ قرآن میں آئیں گے اور وہ نتیجتاً وحدت فکر و عمل میں یکتا ہوں گے لیکن ۛ اے بسا آرزو کہ خاک شد!

ایک طرف، پرویز صاحب اور ان کے متبعین اور دوسری طرف دیگر اہل قرآن، حضرات کو ہم دیکھتے ہیں تو ان میں بھی ہمیں ویسا ہی اختلاف و افتراق اور انتشار و شقاق نظر آتا ہے۔ چلو مان لیا کہ ملأ تو بیچارہ روایات میں اُلجھ کر رستہ کھو بیٹھا، مگر حیرت ہے کہ یہ مسٹر لوگ بھی قرآن، قرآن کے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود باہم متحد اور متفق ہونے کی بجائے ایک دوسرے کی تضلیل و تفسیق میں ہی ’مصرفِ جہاد‘ ہیں۔ خود پرویز صاحب لکھتے ہیں:

”بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ فرقہ اہل قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ خالص قرآن سے احکام متعین کرتے ہیں لیکن ان میں بھی باہمی اختلاف ہے۔ ایسا کہنے والوں کو دراصل اس کا علم نہیں کہ فرقہ اہل قرآن نے کون سی باتیں، قرآن سے متعین کرنے کی کوشش کی اور ان میں باہمی اختلاف ہوا؟ قرآن نے جن امور کو اصولی طور پر بیان کیا ہے، یہ فرقہ ان کی جزئیات کو بھی قرآن سے متعین کرنے لگ گیا۔ اب ظاہر ہے کہ جو باتیں قرآن میں ہوں ہی نہ، اگر کوئی انہیں بھی قرآن سے متعین کرنے بیٹھ جائے تو ان میں اختلاف نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا؟ جو لوگ یہ بھی قرآن سے متعین کرنا چاہیں کہ نماز میں ہاتھ کہاں باندھنے چاہئیں، ان میں اختلاف کے سوا اور کیا ہوگا؟ فرقہ اہل قرآن کی یہی بنیادی غلطی تھی جس کی وجہ سے وہ خود ناکام رہا اور اس کی وجہ سے قرآن بدنام ہو گیا۔“ (اپریل ۶۷ء: ص ۳۴)

آخر یہ لوگ، قرآن سے جزئیات کیوں متعین کرنا چاہتے تھے، ان کا دعویٰ اور دلیل کیا تھی، خود پرویز صاحب ہی لکھتے ہیں:

”دعویٰ یہ ہے کہ قرآن کریم کے تمام احکام کی جملہ تفصیلات و جزئیات خود قرآن میں موجود ہیں۔ اس کے لئے انہوں نے سب سے پہلے نماز کی جزئیات کو لیا۔ میں کسی لمبی چوڑی بحث میں پڑے بغیر صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ ان کی اس سعی نامشکور کا نتیجہ کیا نکلا۔ اس فرقہ کے بانی تھے مولانا عبداللہ چکڑا لوی (مرحوم) اور ان کے متبعین کا ایک گروہ لاہور میں مقیم ہے۔ ان دونوں نے نماز کی جزئیات اپنے دعویٰ کے مطابق قرآن کریم سے متعین کی ہیں اور ان کی دریافت کردہ جزئیات کی کیفیت یہ ہے:

لاہوری فرقہ	مولانا چکڑا لوی
۱۔ تین وقت کی نماز	۱۔ پانچ وقت کی نماز
۲۔ نماز کی صرف دو رکعتیں	۲۔ نماز میں دو تین چار رکعتیں
۳۔ ہر رکعت میں صرف ایک سجدہ	۳۔ ہر رکعت میں صرف دو سجدے

جہاں تک اذکارِ صلوة کا تعلق ہے، وہ بھی بالکل نرالے ہیں، اگرچہ وہ مشتمل ہیں قرآنی آیات ہی پر۔ اب اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جس قرآن کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں نماز کی جزئیات تک میں اس قدر اختلاف ہے تو اسے منزل من اللہ کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے تو سوچئے کہ اس کا کیا جواب دیا جاسکتا ہے؟ اور اگر یہ دونوں گروہ (مقتدی اور مقتدی) آپس میں جھگڑنے لگ جائیں اور ایک دوسرے پر الزام دھریں کہ اس نے قرآن کو صحیح نہیں سمجھا تو اس سے ایک اور اعتراض وارد ہوگا جو پہلے اعتراض سے زیادہ نہیں تو کم سنگین بھی نہیں ہوگا۔ معترض کہے گا کہ قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ کتابِ مبین (روشن کتاب) ہے اور اپنی ہر بات کو نہایت وضاحت سے بیان کرتی ہے لیکن عملاً اس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ اپنے حکم میں تعداد تک کو بھی غیر مبہم انداز میں بیان نہیں کر سکا، وہ جس انداز سے تعداد بتاتا ہے اس سے ایک شخص پانچ وقت سمجھتا ہے اور دوسرا تین وقت، کوئی دو تین چار رکعتیں سمجھتا ہے تو کوئی صرف دو رکعت، کوئی دو سجدے سمجھتا ہے تو کوئی ایک۔ بسطِ حقائق (Abstract Realities) کے متعلق تو انسانوں کا فکری اختلاف، قابلِ فہم ہوتا ہے کیونکہ انہیں تشبیہی انداز میں بیان کیا جاتا ہے، لیکن جس کتاب کا متعین احکام و قوانین کے متعلق یہ انداز ہو، اسے خدا کی کتاب سمجھنا تو درکنار (معاذ اللہ) انسانی تصانیف میں بھی کوئی قابلِ قدر مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اس سے قرآن کریم پر کتنی بڑی زد پڑتی ہے۔ انتہائی صدمہ اور دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان لوگوں نے قرآن کا نام لے کر قرآن کے ساتھ کس قدر دشمنی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے خصوصیت سے ان کے نظریہ اور مسلک کی تردید کرنی پڑی ہے۔“

(تفسیر مطالب الفرقان: جلد اول، ص ۱۳۵ تا ۱۳۶)

یہ حال ہے ان لوگوں کی اختلافِ جزئیات کا، جو سنت سے ہاتھ دھو کر محض قرآن پر اکتفا کرنے کے دعویدار ہیں۔ جمعہ، جمعہ آٹھ دن، دورِ حاضر میں یہ سب گروہ کل کی پیداوار ہیں اور پرویزی فرقہ بھی ان ہی میں سے ایک ہے جو قرآن کو نیزوں پر لٹکا کر منصفہ شہود پر آیا ہے۔ نماز اور دیگر امور کی جزئیات کے اختلاف میں اس فرقہ نے نہ تو کوئی کمی کی ہے اور نہ ہی ان میں توفیق و تطبیق کے لئے کوئی حل پیش کیا ہے۔ بلکہ اپنے وجود سے اہل قرآن کے گروہوں میں ایک کا اور اضافہ کر دیا ہے۔ قرآن کی اساس پر طلوعِ اسلام کی لابی نے ازالہ اختلاف نہیں بلکہ امالہ اختلاف کیا ہے۔ یعنی ان جزئیات اور ان کے اختلاف کو کسی آنے والے (مرکزِ ملت) پر چھوڑ دیا ہے۔

غور فرمائیے کہ یہ سب لوگ، ابھی حرمِ قرآن میں داخل نہیں ہوئے، وہ ابھی اس کی دہلیز پر ہی ہیں کہ اس سوال نے ان میں اختلاف و انتشار پیدا کر دیا کہ..... ”قرآن نے صرف کلیات و اصول ہی بیان کئے ہیں؟ یا اس میں کلیات و جزئیات اور اصول و فروع سب کچھ مذکور ہیں“..... حالانکہ تَفْصِیْلَ الْکِتَابِ اور تَبَيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ جیسے قرآنی الفاظ کی یہ سب خیر سے تلاوت کرنے والے ہیں۔

طلوعِ اسلام، اپنے سوا دیگر اہل قرآن گروہوں کی ضلالت کی وضاحت کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ ”جب آج سے کچھ عرصہ پہلے فرقہ اہل قرآن کی اسی طرح مخالفت ہوئی ہے تو ہم نے سمجھا تھا کہ مخالفت، ان کی اس غلط روش کی بنا پر ہے جو فی الواقع غلط تھی۔ وہ اپنے غلو اور تشدد میں، رسول اللہ ﷺ کی صحیح حیثیت ہی کو بھلا بیٹھے اور انہوں نے حضور کا منصب صرف اس قدر سمجھا کہ آپ نے معاذ اللہ ایک چٹھی رسال کی طرح اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچا دیا یا آج کی اصطلاح میں یوں سمجھئے کہ ان کے نزدیک رسول کی حیثیت معاذ اللہ ایک ریڈیو سیٹ (آلہ ابلاغ) کی سی ہے کہ مطہ نثر الصوت (Broadcasting Station) میں جو کچھ نشر ہو، وہ آواز اس کے ذریعہ سننے والوں تک آ پہنچی، یہ غلطی تھی۔“ (جنوری ۲۲ء، ص: ۱۱)

ٹھیک آج یہی گمراہی و ابستگانِ طلوعِ اسلام نے بھی اختیار کر رکھی ہے، کیونکہ انکا حدیث کا یہ لازمی اور منطقی نتیجہ ہے۔ یہ لوگ بھی آج نبی کو صرف اتنی حیثیت ہی دیتے ہیں کہ وہ ڈاکیا کی طرح محض قرآن پہنچا دینے کی حد تک ہی مامور من اللہ ہیں۔ اس کام کے بعد، پیغمبر نے جو کچھ بھی کیا یا کہا ہے۔ وہ بطور نبی اور رسول کے نہیں بلکہ بطور ایک فرد بشر کے کیا ہے۔ پیغمبر آخر الزمان ﷺ نے وحی کی اساس پر جو معاشرہ تشکیل دیا تھا، اگرچہ اس میں آپ کے حسن تدبیر اور سیرت و کردار کا مثالی نمونہ تھا مگر یہ سب کچھ کارنامہ رسول نہ تھا بلکہ محض فرد بشر کی کارگزاری تھی۔ بزمِ طلوعِ اسلام کے ایک نمایاں فرد جناب ڈاکٹر عبدالودود صاحب (پٹنہ چوہدری غلام احمد پرویز) نے ٹھیک یہی بات ’سنت کی دستوری اہمیت‘ پر مولانا مودودی سے قلمی مناظرہ کے دوران کہی تھی:

”آپ کا اگلا سوال یہ ہے کہ جو کام حضورؐ نے تیس سال پیغمبرانہ زندگی میں سرانجام دیئے، ان میں آنحضرتؐ کی پوزیشن کیا تھی؟ میرا (یعنی ڈاکٹر عبدالودود کا) جواب یہ ہے کہ حضورؐ نے جو کچھ کر کے دکھایا، وہ ایک بشر کی حیثیت سے لیکن ما انزل اللہ کے مطابق کر کے دکھایا۔“  
(ترجمان القرآن، منصب رسالت نمبر: ستمبر ۱۹۶۱ء، ص ۵۵)

خود پرویز کی تحریروں میں منصب نبوت کا یہ تصور موجود ہے، صرف ایک حوالہ ملاحظہ فرمائیے:  
”رسول کا فریضہ، وحی خداوندی کو دوسروں تک پہنچا دینا ہی نہیں ہوتا، وہ اس پر خود عمل کرتا ہے اور ایک ایسا معاشرہ منتقل کرتا ہے جس میں وحی کی یہ تعلیم ایک عملی نظام بن کر سامنے آتی ہے۔ اس کے لئے اسے سخت ترین مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بیسیوں لڑائیاں لڑنی پڑتی ہیں۔ پھر جب یہ نظام منتقل ہو جاتا ہے تو اُسے وہ تمام امور سرانجام دینے ہوتے ہیں جو ایک مملکت کے سربراہ کے فرائض کہلاتے ہیں۔ وہ یہ تمام امور ایک انسان کی حیثیت سے سرانجام دیتا ہے اور اس میں اپنے حسن تدبیر اور سیرت و کردار کا ایسا مثالی نمونہ پیش کرتا ہے جسے شرف انسانی کی معراج کہی کہا جائے۔“  
(ستمبر ۷۷۸ء: ص ۲۶)

حقیقت یہ ہے کہ اہل قرآن کے جملہ گروہ بشمول پرویزی فرقہ، اگر قرآن کے ساتھ حامل قرآن اور مہبطوحی ﷺ کو بھی وہی حیثیت دیں جو خود قرآن نے انہیں دے رکھی ہے تو ان پر یہ امر واضح ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو شارع (Law Giver) کا مقام بھی دیا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ  
﴿يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُجِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيَحْرِمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (۱۵۷/۷)  
”وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لئے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے، اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے ہیں اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے ہیں۔“

منکرین حدیث اگر خود شارع بننے کی بجائے، نبی ہی کو شارع قرار دیتے اور اپنی تشریح کرنے کی بجائے نبی ہی کی تشریحات کو قبول کرتے تو وہ کبھی اس گمراہی میں نہ پڑتے، جس کا الزام طلوع اسلام نے دوسرے اہل قرآن، گروہوں پر عائد کیا ہے۔ حالانکہ وہ خود بھی آج اسی گمراہی میں مبتلا ہے۔  
سورۃ النحل کی اس آیت کے حاشیہ میں صاحب تفہیم القرآن نے جو کچھ لکھا ہے، وہ غور سے پڑھنے کے قابل ہے:

”یہ آیت جس طرح ان منکرین نبوت کی حجت کے لئے قاطع تھی جو خدا کا ذکر بشر کے ذریعہ آنے کو نہیں مانتے تھے، اسی طرح آج یہ ان منکرین حدیث کی حجت کے لئے بھی قاطع ہے جو نبی کی تشریح و توضیح کے بغیر صرف ذکر کو لے لینا چاہتے ہیں۔ وہ خود اس بات کے قائل ہوں کہ نبی



نے تشریح و توضیح کچھ بھی نہیں کی تھی، صرف ذکر پیش کیا تھا یا اس بات کے قائل ہوں کہ ماننے کے لائق صرف ذکر ہے، نہ کہ نبی کی تشریح یا اس کے قائل ہوں کہ اب ہمارے لئے صرف ’ذکر ہی کافی ہے، نبی کی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں یا اس بات کے قائل ہوں کہ اب صرف ’ذکر ہی قابل اعتماد حالت میں باقی رہ گیا ہے، نبی کی تشریح یا تو باقی ہی نہیں رہی، یا باقی ہے بھی تو بھروسے کے قابل نہیں ہے۔ غرض ان چاروں باتوں میں سے، جس بات کے بھی وہ قائل ہوں، ان کا مسلک بہر حال قرآن کی اس آیت سے ٹکراتا ہے“.....

”وہ پہلی بات کے قائل ہوں تو اس کا معنی یہ ہے کہ نبی نے اس منشا ہی کو فوت کر دیا جس کی خاطر ’ذکر‘ کو فرشتوں کے ہاتھ بھیجنے یا براہِ راست لوگوں تک پہنچا دینے کی بجائے، اسے واسطہ تبلیغ بنایا گیا۔“.....

”اور اگر وہ دوسری یا تیسری بات کے قائل ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ میاں نے معاذ اللہ، یہ فضول حرکت کی ہے کہ اپنا ’ذکر‘ ایک نبی کے ذریعہ بھیجا کیونکہ نبی کی آمد کا حاصل بھی وہی ہے جو نبی کے بغیر صرف ’ذکر‘ کے مطبوعہ شکل میں نازل کرنے کا ہو سکتا تھا۔“

”اور اگر وہ چوتھی بات کے قائل ہیں تو دراصل یہ قرآن اور نبوت محمدی، دونوں کے نسخ کا اعلان ہے جس کے بعد، اگر کوئی مسلک معقول باقی رہ جاتا ہے تو وہ صرف ان لوگوں کا مسلک ہے جو ایک نئی نبوت اور نئی وحی کے قائل ہیں، اس لئے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید کے مقصد نزول کی تکمیل کے لئے نبی کی تشریح کو ناگزیر ٹھہرا رہا ہے اور نبی کی ضرورت ہی اس طرح ثابت کر رہا ہے کہ وہ ’ذکر‘ کے منشا کی توضیح کرے۔ اب اگر منکرین حدیث کا یہ قول صحیح ہے کہ نبی کی تشریح و توضیح دنیا میں باقی نہیں رہی تو اس کے دو کھلے ہوئے نتیجے ہیں، پہلا نتیجہ یہ کہ نمونہ اتباع کی حیثیت سے نبوت محمدی ختم ہو گئی اور اب ہمارا تعلق محمد ﷺ کے ساتھ صرف اس طرح کا رہ گیا جیسا ہودہ صالح اور شعیب علیہم السلام کے ساتھ ہے کہ ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں، ان پر ایمان لاتے ہیں، مگر ان کا کوئی اسوہ ہمارے پاس نہیں ہے جس کا ہم اتباع کریں، یہ چیز آپ سے آپ، نئی نبوت کی ضرورت ثابت کر دیتی ہے۔ صرف ایک بیوقوف ہی اس کے بعد ختم نبوت پر اصرار کر سکتا ہے۔ دوسرا نتیجہ یہ کہ اکیلا قرآن، نبی کی تشریح و تبیین کے بغیر خود اپنے بھیجنے والے کے قول کے مطابق ہدایت کے لئے ناکافی ہے۔ اس لئے قرآن کے ماننے والے، خواہ کتنے ہی زور سے چیخ چیخ کر اسے بجائے خود کافی قرار دیں، مدعی سست کی حمایت میں گواہان چست کی بات، ہرگز نہیں چل سکتی اور ایک نئی کتاب کے نزول کی ضرورت، آپ سے آپ، خود قرآن کی رو سے ثابت ہو جاتی ہے۔ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ، اس طرح یہ لوگ حقیقت میں انکار حدیث کے ذریعہ دین کی جڑ کو دہرے ہیں۔“

(تفہیم القرآن، جلد دوم، ص ۵۴۳ تا ۵۴۵)

تہا قرآن کا نعرہ بلند کرنے والے، آج پاکستان میں کچھ وہ لوگ ہیں جو حلقہ ’طلوع اسلام‘ میں ہیں

اور کچھ وہ ہیں جو ادارہ 'بلاغ القرآن' سے وابستہ ہیں۔ دونوں مخالفِ سنت اور ساتھ ساتھ ہی تمسک بالقرآن کے دعویدار ہیں اور دونوں اس امر کے مُعلن ہیں کہ تنہا قرآن کے ساتھ وابستگی ہی باہمی اختلافات کا ازالہ اور فرقوں کا خاتمہ کر سکتی ہے۔ قرآن کے بغیر تعبیرات کا اختلاف ختم نہیں ہو سکتا۔ سوال یہ ہے کہ کیا واقعی قرآن کی بنیاد پر 'طلوع اسلام' اور 'بلاغ القرآن' والے اکٹھے ہو چکے ہیں؟ اور کیا ان دونوں کے تعبیرات کے اختلافات دم توڑ چکے ہیں؟ اور ان سے وابستہ افراد اپنے باہمی فرق و امتیازات کو ختم کر کے باہمِ دگر متحد و متفق ہو چکے ہیں۔

## طلوع اسلام اور بلاغ القرآن کے تعبیری اختلافات

یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ تنہا قرآن کی بارگاہ میں آنے کا قصد کرتے ہی سب سے پہلے اس اختلاف سے دوچار ہونا پڑتا ہے کہ ”آیا قرآن، اصول و فروعات اور کلیات و جزئیات پر مشتمل ہے یا صرف اصول و کلیات پر؟“..... طلوع اسلام کے مخالفین پہلی بات کے قائل ہیں جیسا کہ چٹڑالوی اور لاہوری فرقوں سے متعلقہ اقتباس میں ہم دیکھ چکے ہیں اور خود وابستگانِ طلوع اسلام دوسری بات کے قائل ہیں۔ اس اختلاف کی موجودگی میں ایک گروہ قرآن سے جزئیات و فروعات بھی اخذ کرے گا اور دوسرا گروہ کسی آنے والے (مرکز ملت) کی راہ دیکھے گا اور یہ ایسا شدید اختلاف ہے جس کے باعث ایک طرف دونوں گروہ مرتے دم تک متحد نہیں ہو سکتے اور دوسری طرف؛ یہ اتنا سنگین اختلاف ہے کہ بقول پرویز ”اس سے قرآن بدنام ہوتا ہے اور ایسا کرنے والے ناکام و نامراد ٹھہرتے ہیں۔“

تاہم قرآن کے مشتمل بر کلیات و جزئیات ہونے یا نہ ہونے کے امر کو نظر انداز کرتے ہوئے جب بارگاہ قرآن میں داخل ہو کر تشریح و تفسیر کا موقع آتا ہے تو یہاں قدم قدم پر اختلاف واقع ہوتا ہے، حالانکہ دونوں گروہ، نیک نیتی سے تمسک بالقرآن کے دعویدار ہیں۔

آئیے! ہم چند امور میں یہ دیکھیں کہ بلاغ القرآن اور طلوع اسلام نے جب قرآن کو حکم بنایا تو کیا ان میں تعبیرات کا اختلاف ختم ہو گیا، یا باقی و برقرار رہا؟

## پہلی مثال

آیت البقرہ: ۱۷۳ میں ان اشیا کی فہرست دی گئی ہے جنہیں حرام کیا گیا ہے، ان اشیا میں لحم خنزیر بھی شامل ہے۔ جس کا مفہوم بلاغ القرآن کے ہاں سور کا گوشت نہیں بلکہ 'خُدود کا گوشت' ہے۔ اصل عبارت درج ذیل ہے:

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالْدَّمَ وَلَحْمَ الْخَنزِيرِ وَمَا أُهْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ﴾ (البقرہ: ۱۷۳)

”سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ تمہارے لئے حلال جانوروں کا (بھیمة الانعام ۵) کا مردہ

خون، غدود کا گوشت اور وہ جانور یا گوشت جو غیر اللہ کی طرف منسوب کیا جائے، حرام کیا گیا ہے۔  
اس آیت کی تفسیر میں ’لحم خنزیر‘ کی وضاحت بایں الفاظ کی گئی ہے:

”لحم خنزیر کا معنی لکھا گیا ہے ’غدود کا گوشت‘ حالانکہ تمام مترجمین نے اس کا معنی ’سور کا گوشت‘ لیا ہے۔ پہلے نمبر پر سور کا گوشت مراد لینا، اس لئے غلط ہے کہ آیت مجیدہ میں انما کے حصر کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ مردہ، خون، لحم خنزیر اور غیر اللہ کی طرف منسوب حرام ہیں۔ اس حصر کو قائم رکھتے ہوئے، جانوروں میں سے صرف سور ہی حرام ٹھہرتا ہے اور باقی سب جانور کتا، بلا، بچو، رچھ وغیرہ حلال ٹھہرتے ہیں اور قرآن مجید میں نفیض پیدا ہوتی ہے کہ ایک طرف ۵/۱ میں صرف بھیمۃ الانعام حلال ٹھہرائے جاتے ہیں اور دوسری طرف صرف سور کو حرام قرار دیا گیا ہے، گویا چار پایوں میں سے صرف سور حرام ہے۔“

(تفسیر القرآن بالقرآن: جلد اول، ص ۱۳۶، ادارہ بلاغ القرآن، ۱۱/۱۱۱ سنن آباد، لاہور)

اسی آیت کا مفہوم، طلوع اسلام کے جناب پرویز ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

”.....اب سن لو! کہ خدا نے حرام کس کس چیز کو قرار دیا ہے: مردار، بہتا ہوا خون (۱۳۶/۶)  
خنزیر کا گوشت اور ہر وہ شے جسے اللہ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کر دیا جائے۔“  
(مفہوم القرآن، ص ۶۲)

لغات القرآن میں خود پرویز نے ’خنزیر‘ کا معنی ’سور‘ ہی کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں لغات القرآن، ص ۶۲۔  
تعبیر کا یہ اختلاف ملاحظہ فرمائیے، کہ لحم خنزیر سے مراد، ایک کے ہاں ’غدود کا گوشت‘ ہے اور دوسرے کے ہاں ’سور کا گوشت‘ اور دونوں خالی الذہن ہو کر سوئے قرآن آئے ہیں، مگر نتیجہ پھر وہی ڈھاک کے تین پات !!

میں نے خنزیر بمعنی غدود کی تحقیق نہیں کی، ممکن ہے کہ بلاغ القرآن کے دعویٰ کے مطابق لغات عربیہ میں کہیں سے اس کی تائید ہو جائے۔ لیکن اس سے یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ اگر کسی لفظ کے ایک سے زیادہ معانی ہوں اور قرآنی تشریح کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو قرآن بازیچہ اطفال بن کر رہ جائے گا، کوئی کچھ معانی کرے گا اور کوئی کچھ، اور اختلافات کا سیلاب عظیم ہوگا اور امت کا فرقوں میں بٹ جانا ناگزیر ہوگا، لیکن اگر اس بات کی طرف رجوع کیا جائے جس پر خود یہ قرآن نازل ہوا ہے تو پھر یہ ممکن ہے کہ اس خطرے کا سدباب ہو جائے، کیونکہ مہبط وحی ہونے کی وجہ سے وہی مرضات الہیہ کا نمائندہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمسک بالنسۃ کی وجہ سے چودہ صدیوں میں آج تک لحم خنزیر کا مفہوم متفق علیہ رہا ہے۔

دوسری مثال

قرآن کریم میں وضو اور غسل کے ضمن میں ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا﴾ کے الفاظ آئے

ہیں۔ جن کا ترجمہ بالعموم یہ کیا جاتا ہے کہ ”اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو (نہا کر) پاک ہو جاؤ۔“..... حالت جنابت کیا ہے؟ اور جُنُبًا سے کون لوگ مراد ہیں؟ بلاغ القرآن والوں کے نزدیک جنب کے معنی ہیں بدخوابی۔ ملاحظہ ہو تفسیر القرآن بالقرآن، جلد سوم ص ۲۷

جبکہ پرویز صاحب کے ہاں، اس کے معنی وہی ہیں جو علماء اُمت میں معروف و متداول ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”سورۃ ماندہ میں ہے ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا﴾ (۶/۵) اس کے معنی حالت جنابت کے ہیں (ہم آغوشی کی رعایت سے)۔“ (لغات القرآن: ص ۴۴۲)

یہاں بھی تعبیر کا اختلاف واضح ہے اور دونوں گروہ الفاظِ قرآن پر متفق ہونے کے باوجود معنی قرآن پر باہم مختلف ہیں۔

## تیسری مثال

قرآن کریم کی درج ذیل آیت ملاحظہ فرمائیے:

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لَّا رِزْوَانَهُمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ (۲۴۰/۲)

”تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور بیچھے بیویاں چھوڑ جائیں، ان کو چاہئے کہ اپنی بیویوں کے حق میں وصیت کر جائیں کہ سال بھر تک گھر سے نکالے بغیر ان کو خرچہ دیا جائے۔“

اس آیت کا ترجمہ بلاغ القرآن والوں کے نزدیک یہ ہے:

”اور تم میں سے جو لوگ روک لئے جائیں (یعنی لاپتہ ہو جائیں) اور وہ بیویاں چھوڑ جائیں، ان کی بیویوں کے لئے حکم ہے کہ انہیں ایک سال تک ضروریاتِ زندگی مہیا کی جائیں اور انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالا جائے۔“

ترجمہ کے بعد، اب آیت کی تفسیر بھی ملاحظہ فرمائیے:

”واضح رہے کہ لاپتہ شوہر کی بیوی، ایک سال تک شوہر کے مال سے نان و نفقہ حاصل کرے گی، لیکن اگر شوہر کا مال کوئی نہ ہو، تو شوہر کے ورثا ایک سال کا بوجھ اٹھائیں گے اور اگر وارث کوئی نہ ہو، یا وہ بوجھ اٹھانے کے قابل نہ ہوں تو اس ایک سال کا نان و نفقہ حکومت کے ذمہ ہوگا، غرض یہ کہ لاپتہ شوہر کی بیوی کے لئے ایک سال کا انتظار فرض ہے۔“

(تفسیر القرآن بالقرآن: جلد اول، ص ۱۹۶ تا ۱۹۷)

طووع اسلام والوں کے ہاں، آیت کا مفہوم یہ ہے:

”تم میں سے جو لوگ بیوہ عورتیں چھوڑ کر مر جائیں، انہیں چاہئے کہ اپنی بیویوں کے متعلق وصیت

کر جائیں کہ سال بھر انہیں گھر سے نہ نکالا جائے اور انہیں سامانِ زندگی دیا جائے“ (مفہوم القرآن، ص ۹۲)

اڈل الذکر گروہ کی تعبیر کے مطابق، آیت کا تعلق لاپتہ شوہر کی بیوی کے نان و نفقہ سے ہے اور مؤخر الذکر طائفے کے ہاں، تعبیر آیت یہ ہے کہ شوہر اپنی وفات کے وقت یہ وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک اس کی بیوی کو گھر سے نکالے بغیر اسے خرچہ دیا جائے۔

یہ تینوں مثالیں اس امر کو واضح کر دیتی ہیں کہ احادیثِ رسول کو نظر انداز کر کے کوئی شخص خواہ کتنی ہی نیک نیتی کے دعووں کے ساتھ بارگاہِ قرآن میں آئے، وہ اختلافِ تعبیرات سے محفوظ نہ رہ سکے گا۔ ان تینوں آیات کا مفہوم احادیثِ رسول ﷺ کی روشنی میں بعثتِ نبوی سے لے کر تاحال علمائاً مت میں متفق علیہ رہا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ سنتِ نبویہ کو نظر انداز کر کے تنہا قرآن کی بنیاد پر نہ صرف یہ کہ تعبیرات کا اختلاف ختم نہیں ہوگا بلکہ چودہ صدیوں میں جن مسائل پر اتفاق پایا جاتا ہے، وہ بھی اختلاف و انتشار کا شکار ہو جائیں گے۔

بلاغِ القرآن والے ہوں یا طلوعِ اسلام والے، نیازِ فتحِ پوری کے ہم مسلک ہوں یا عنایت اللہ مشرقی کے ہم مشرب، اُمتِ مسلمہ، امرتسر کے وابستگان ہوں یا اہلِ جبراجپوری کے متعلقین، ان سب کے ہاں قدرِ مشترک، صرف اسمِ قرآن یا الفاظِ قرآن ہیں اور عملاً جو چیز درکار ہے وہ الفاظِ قرآن نہیں، بلکہ ’مفہومِ قرآن‘ یا ’تعبیرِ قرآن‘ ہے؛ اور یہ ’اہلِ قرآن‘ کے ہر گروہ کی الگ الگ ہے، ان تمام احزاب کو اسمِ قرآن پر جمع کر بھی دیا جائے۔ تو اپنی اپنی ’تعبیرِ قرآن‘ اس تضادات کے گٹھے کو تادیر بندھا نہیں رکھ سکتی۔ ان سب کو اکٹھا کرنا، تناقضات کو جمع کرنے کے مترادف ہے۔

## مفکرِ قرآن کے تعبیری تضادات

لیکن یہ مختلف گروہ ہیں جو تعبیرِ قرآن میں باہم مختلف ہیں، کیا ان میں سے کوئی فرقہ بھی قرآن کی کسی ایک اور حتمی تعبیر پر برقرار رہا ہے؟ ہرگز نہیں۔ غلام احمد پرویز کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ان کا پورا لٹریچر تضادات سے اٹا پڑا ہے۔ ہر گردشِ زمانہ کے ساتھ ان کی تعبیرات بدلتی رہی ہیں، لیکن بڑے تسلسل اور تواتر کے ساتھ وہ نام، قرآن ہی کا لیتے رہے ہیں۔ چند ایک مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

## مثالِ اوّل

قرآن عائلی زندگی میں جو احکام و ہدایات دیتا ہے، ان میں آیت (۴۳۴) کا یہ حصہ بھی شامل ہے

﴿وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُورَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا﴾ (النساء: ۳۴)

”جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو، انہیں سبھاؤ، خواب گاہوں میں ان سے الگ رہو اور مارو۔ پھر اگر وہ مطیع فرماں ہو جائیں تو ان پر زیادتی کی راہ نہ تلاش کرو۔“

اس آیت میں بصورتِ نشوز عورتوں کی بابت تین احکام ہیں:

- ۱- انہیں سبھاؤ، نصیحت کرو فَعِظُوهُنَّ
- ۲- خوابگاہوں میں تنہا چھوڑ دو وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ
- ۳- انہیں مارو پیٹو وَاضْرِبُوهُنَّ

سوال یہ ہے کہ ان تینوں احکام کے مخاطب کون ہیں؟ پرویز صاحب نے اس کے مختلف اوقات میں

مختلف جوابات دیئے ہیں۔ جنوری ۱۹۴۹ء میں، ان تینوں احکام کا مخاطب شوہروں کو قرار دیا گیا:

”سورۃ النساء میں ﴿وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُورَهُنَّ﴾ ”جن بیویوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو“ تو ان کے متعلق کیا کرو؟ یہ نہیں کہ محض اس اندیشہ کی بنا پر (یا ان کی کسی حرکت سے غصہ میں آ کر) فوری تعلقات منقطع کر لو بلکہ ”فَعِظُوهُنَّ“ انہیں نرمی اور محبت سے سبھاؤ، اگر وہ اس پر بھی سرکشی سے باز نہ آئیں تو ”وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ“ ”خوابگاہوں میں ان سے الگ رہنے لگو۔“ ذرا غور کرو، سلیم! اگر عورت نیک سرشت اور شریف النفس ہوگی تو اس کے لئے یہ تشبیہ بہت کافی ہوگی۔ لیکن اگر حالات ایسے پیدا ہو جائیں کہ وہ اس پر بھی سرکشی سے نہ رکے، تو اس کی بھی اجازت ہے کہ ان پر سختی کی جائے۔ و اضربوہن (تم انہیں مار بھی سکتے ہو)۔“ (جنوری ۴۹ء: ص ۶۷)

قرآن کی یہ تعبیر جنوری ۱۹۴۹ء کی ہے۔ لیکن اسی سال اکتوبر میں قرآن کی یہی تعبیر محتاج ترمیم قرار

پاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں اب شوہر، بیوی کو صرف وعظ و نصیحت ہی کر سکتا ہے لہذا وہ صرف فَعِظُوهُنَّ ہی کے حکم کا مخاطب ہے۔ رہے باقی دو احکام (بیویوں کو خوابگاہوں میں چھوڑ دینا اور انہیں مارنا پیٹنا) تو اب ان کا اختیار شوہر کو نہیں رہا، بلکہ وہ حکام عدالت کی طرف منتقل ہو گیا۔

﴿وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُورَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ﴾

(۴۳:۳۴) ”جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا ڈر ہو، تو اس کے لئے تو سب سے پہلے باہمی افہام و تفہیم سے صلح صفائی کی کوشش کرنی چاہئے۔ لیکن اگر معاملہ اس سے نہ سلجھے تو پھر بات حکام تک جائے گی، اب فیصلہ وہاں سے صادر ہوگا۔ عورت کا جرم ثابت ہو گیا تو ہلکی سزا تو یہ ہے کہ اسے ایک معینہ مدت کے لئے خاوند سے الگ کر دیا جائے اور انتہائی صورت میں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اسے بدنی سزا دی جائے۔“ (اکتوبر ۴۹ء: ص ۹۲)

۱۹۵۷ء میں اس آیت کی ایک ایسی جدید تعبیر سامنے آتی ہے، جس کے نتیجے میں ان تینوں احکام

میں سے کسی ایک حکم کا مخاطب بھی شوہر نہیں رہتا اور تینوں اُمور کے کلی اختیارات ’معاشرہ‘ کو حاصل ہو جاتے ہیں اور یوں قرآن کی ’اسلامی تہذیب‘ اور مغرب کی ماڈی مدینیت باہم گلے مل جاتی ہیں:

”آپ نے غور فرمایا کہ اس پہلے مرحلہ میں بھی قرآن کریم نے معاشرہ کے لئے تین مرحلے رکھے ہیں: اول انہیں چاہئے کہ وہ نصیحت اور سمجھا بچھا کر حالات کی اصلاح کی کوشش کریں۔ اگر اس کے بعد بھی حالات درست نہ ہوں تو پھر شوہر کو وہ ہدایت کریں کہ وہ اپنی بیوی کو خواب گاہ میں تنہا چھوڑ دے اور اس سے الگ الگ رہے، اگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہو تو پھر عدالت اگر ضروری سمجھے تو بیوی کو جسمانی سزا بھی دے سکتی ہے۔ اگر اس کے بعد وہ راہ پر آجائیں تو پھر ان میں مزید کسی زیادتی کی ضرورت نہیں ہے۔“ (فروری ۵۷ء ص ۴۳)

یہ ہیں طلوعِ اسلام کی قرآنی تعبیرات جو وقتاً فوقتاً مگر زندگی بھر بدلتی رہی ہیں۔ بہر حال پرویز صاحب تھے تو سوچنے والے شخص، فضائے دماغ میں خیال کا ایک نیا جھونکا آیا تو ’قرآنی تعبیر‘ بھی مرغِ بادنا کی طرح بدل گئی۔ اس تغیر و تبدل کی رفتار کبھی سست ہو جاتی اور کبھی تیز، اتنی تیز کہ دو ٹکے کی جتزی تو سال بعد بدلتی ہے، مگر ’مفکر قرآن‘ کی تعبیر قرآن سال میں دو مرتبہ بھی تبدیل ہو جاتی۔

## مثال ثانی

سورۃ العنکبوت کی درج ذیل آیت مع ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

﴿أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُنْتَلَىٰ عَلَيْهِمْ﴾ (۲۹/۵۱)

”اور کیا ان لوگوں کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔“

اس آیت کی ایک تعبیر و تشریح، جناب پرویز صاحب نے ان الفاظ میں پیش کی ہے:

”کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے پروردگار کی طرف سے معجزے کیوں نہیں نازل ہوتے۔ کہہ دو کہ معجزے تو خدا کے پاس ہیں، میں تو صرف تمہیں تمہاری غلط روش سے کھلم کھلا آگاہ کرنے والا ہوں، کیا یہ قرآن بذاتِ خود معجزہ نہیں جو تم اور معجزے مانگتے ہو: ﴿أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُنْتَلَىٰ عَلَيْهِمْ﴾ (۲۹/۵۱) ”کیا ان لوگوں کے لئے کافی نہیں کہ تم پر کتاب نازل کی گئی ہے جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔“ (اگست ۶۶ء ص ۲۰)

اس تعبیر کے مطابق قرآن کے کافی ہونے کو بطورِ معجزہ اور نشانی کے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اگلے ہی سال پرویز صاحب ایک نئی تعبیر پیش کرتے ہیں جس کے مطابق قرآن کی کفایت بطورِ معجزہ اور نشانی ہونے کی بجائے بطورِ ضابطہ حیات اور سرچشمہ قانون ہونا قرار پاتی ہے اور یہی نئی تعبیر حدیث و سنت سے جان چھڑانے کے لئے گھڑی گئی۔ سیاق و سباق کے اعتبار سے یہ نئی تعبیر قطعی بے جوڑ ہے جبکہ پہلی تعبیر

سیاق و سباق کے بالکل مطابق ہے:

”دنیا میں اسلامی حکومت وہی صاحبِ عزیمت قائم کر سکے گا جس میں یہ کہنے کی جرأت ہو کہ  
”ہمارے لئے خدا کی کتاب کافی ہے۔“ یہی وہ جواب تھا جو خدا کی طرف سے اسلامی نظام کے  
مخالفین کو دیا گیا جب اس نے کہا تھا ﴿أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ﴾  
”کیا یہ بات ان کے لئے کافی نہیں کہ ہم نے (اے رسول) تجھ پر کتاب نازل کی جسے ان پر پیش  
کیا جا رہا ہے۔“ (جون ۶۷: ص ۲۱)

ایک اور مقام پر اسی تعبیر کو مزید وضاحت کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے:

”اپریل ۱۹۴۳ء کا ذکر ہے کہ صوبہ سرحد کی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے قائدِ عظم سے ایک پیغام  
کے لئے درخواست کی۔ آپ نے جواب میں فرمایا: ”تم نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہیں پیغام  
دوں، میں تمہیں کیا پیغام دوں جبکہ ہمارے پاس پہلے ہی ایک عظیم پیغام موجود ہے، جو ہماری  
رہنمائی اور بصیرت افزائی کے لئے کافی ہے، وہ پیغام ہے خدا کی عظیم کتاب قرآن کریم (تقاریہ،  
جلد اول، ص ۵۱۶)..... یہ پیغام خود خدا نے حضور نبی اکرم ﷺ کی لسانِ مبارک سے دیا تھا جب کہا  
تھا کہ ﴿أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ﴾ (۲۹/۵۱)  
”کیا یہ چیز ان کے لئے کافی نہیں کہ ہم نے تیری طرف اس کتاب کو نازل کیا ہے جسے ان کے  
سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔“ (اپریل ۷: ص ۱۶)

۱۹۶۷ء تک آیت کی تعبیر یہ تھی کہ وہ کفار کے مطالبہ معجزہ کے جواب میں انہیں یہ اعلان کر رہی تھی  
کہ ”کیا یہ کتاب جو تم پر پڑھ کر سنائی جا رہی ہے، بطور معجزہ تمہارے لئے کافی نہیں ہے۔“ لیکن پھر اس  
کے بعد تعبیر آیت یہ ٹھہری کہ حدیث و سنت اور اسوۂ رسول کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہدایت و رہنمائی کے  
لئے یہی کتاب کافی ہے۔

یہ نت نئی بدلتی تعبیریں، اس قرآن سے پیش کی جاتی ہیں جسے بڑی بلند آہنگی کے ساتھ، رافع  
اختلاف اور مزمل انتشار قرار دیا جاتا ہے؛ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تفسیر قرآن کے معاملہ میں ذہن پر دیز  
مداری کی ایسی پٹاری ہے، جس سے جب جیسی اور جو چاہی تعبیر نکال کر پیش کر دی۔

### مثالِ ثالث

قرآن کریم نے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق سورۃ العنکبوت کی آیت ۱۴ میں بیان کیا ہے کہ  
﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا﴾  
”ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان کے درمیان پچاس کم ایک ہزار سال رہا۔“  
اس آیت کے متعلق پرویز صاحب عمر نوح کے متعلق لکھتے ہیں:



”دورِ حاضر کے انسان کے لئے جو سو سو سال کے عمر کے آدمیوں کو دور دور سے دیکھنے کے لئے آتا ہے اور نہایت حیرت و استعجاب سے ان سے اس درازی عمر کے راز دریافت کرتا ہے، اتنی لمبی عمر بمشکل باور کئے جانے کے قابل ہے (اس وجہ سے بعض حضرات عامًا ’سال‘ سے مراد ’مہینے‘ لینے پر مجبور ہو رہے ہیں)۔ لیکن حضرت نوحؑ، آدمؑ سے دسویں پشت میں آئے ہیں اور ان کے تمام اسلاف کی عمریں، آٹھ آٹھ، نو سو سال کی لکھی ہیں۔

لہذا ایک ایسے بعید ترین زمانے میں جب ہنوز انسان کے اعصاب دورِ حاضر کی برق آگس تمدن اور رعد آمیز فضا کے مہلک اثرات کا شکار نہیں ہوئے تھے اور اسے اضی و مساوی آفات کے مقابلے کے لئے قوی ہیکل جسم اور نوادی عضلات عطا کئے گئے تھے، اتنی لمبی عمریں کچھ باعثِ تعجب نہیں ہو سکتیں۔“ (معارف القرآن: جلد دوم، ص ۳۷۶)

”چین کے مشہور مذہب (Taoism) جس کا تفصیلی تعارف، دیگر مذاہبِ عالم کے سلسلہ میں جلد سوم، باب ظہر الفساد میں کیا جائے گا۔“ کا ایک بہت بڑا مبلغ اور رشی (Kwang) (جس کی پیدائش چوتھی صدی ق م کی ہے) اپنی چوتھی کتاب میں سمجھاتا ہے کہ عمر بڑھانے کا طریقہ کیا ہے۔ اس کے بعد وہ لکھتا ہے کہ ”میں بارہ سو سال سے اسی طریق کے مطابق زندگی بسر کر رہا ہوں اور اس پر بھی میرا جسم رو بہ انحطاط نہیں۔“ (Sacred Books of the East,

(Taoism) Translated by James Legge. (p.225)

(معارف القرآن، جلد دوم، حاشیہ ص ۳۷۷)

لیکن جب معارف القرآن جلد دوم کو جوئے نور میں تبدیل کیا گیا تو اس آیت کی تعبیر بھی بدل گئی، لغت کے اس قارون کی طولِ طویل لغوی موخہ گانیوں اور دور خیز سخن ساز یوں کے نتیجے میں ’عمر نوحؑ‘ بڑی مختصر ہو گئی..... کیسے؟ ملاحظہ فرمائیے:

”عربی لغت میں سنَّة کا اطلاق ’فصل‘ پر بھی ہوتا ہے جو سال میں چار ہوتی ہیں یعنی چار فصلوں کا ایک سال ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے أَلْف سنَّة کے معنی ہوں گے کہ، اڑھائی سو سال اور عام پورے سال کو کہتے ہیں۔ اس لئے اگر خَمْسِيْنَ عَامًا کو اس میں سے منہا کر دیا جائے تو باقی دو سو سال رہ جاتے ہیں اور اتنی عمر کچھ ایسی مستبعد نہیں۔“ (جوئے نور، ص ۳۴)

غور فرمائیے، پرویز صاحب کی آج کی اور کل کی تعبیر میں کتنا فرق ہے۔ کل ان کے لئے ساڑھے نو سو سال کی عمر باعثِ تعجب نہ تھی، بلکہ وہ بارہ بارہ سو سال کی عمر کے لوگوں کے حوالے تلاش کر کے لوگوں کے حیرت و استعجاب کا ازالہ کیا کرتے تھے، لیکن آج دماغ کا رنگ بدلا، تو ساتھ ہی ’تعبیر قرآن‘ بدل گئی۔ یہ ہے وہ طریقہ جس کے ذریعہ پرویز صاحب کو ہر بات کا جواب قرآن سے مل جایا کرتا تھا، سچی بات ہے کہ ”جب کوئی قرآن کو مسخ کرنے پر اتر آئے تو اُسے اس سے اپنی کون سی مصلحت کی سند نہیں مل

سکتی.....؟“ (اکتوبر ۷۹ء، ص ۱۳)

## مثالِ رابع

قرآن کریم میں قومِ نوح کا انجام بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے

﴿فَكَذَّبُوهُ فَأَنْجَبْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ﴾ (الاعراف: ۶۴)

”پس انہوں نے اسے جھٹلادیا تو ہم نے اسے اور جو کشتی میں اس کے ساتھ تھے، ان سب کو بچا لیا اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، انہیں ہم نے غرق کر دیا۔ یہ تھے ہی اندھی قوم۔“

اب سوال پیدا ہوتا کہ قومِ نوح کا یہ انجام ان کے تکذیبِ حق اور غلط اخلاقی اعمال کا نتیجہ تھا؟ یا محض طبعی حادثہ کا؟..... ۱۹۴۵ء کو ان کا موقف یہ تھا:

”قومِ نوح کی غرقابی کے واقعہ پر سرسری موزخانہ نگاہ صرف اتنا بتا سکے گی کہ پانی کا بلا انگیز طوفان آیا اور (سوائے ان لوگوں کے جو کشتی میں سوار تھے) سب غرق ہو گئے۔ ان کی بستیاں نذر سیلاب ہو گئیں۔ سارے علاقے میں کوئی تنفس باقی نہ رہا۔ جہاں اس شدت کا سیلاب آتا ہے ایسا ہی ہوتا ہے..... لیکن قرآن کریم زاویہ فکر و نظر کو کسی اور طرف بدل دیتا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ قومِ نوح نے دعوتِ حق و صداقت کی تکذیب کی اور ان کے جرائم کی پاداش میں ان کا استہلاک ہوا۔“ (معارف القرآن: جلد دوم، ص ۳۷۰)

یہ تعبیر قرآن، قبل از قیام پاکستان تھی، قیام پاکستان کے بعد نئے تقاضوں کے لئے ظاہر تھا کہ نئی تعبیر درکار تھی۔ چنانچہ آزاد فضاؤں میں قومِ نوح کا انجام بھی اخلاقی عنصر سے آزاد ہو گیا:

”یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ حادثہ ان کی بد اعمالیوں کا نتیجہ تھے یا انہیں ان کی تباہی کا موجب بنا دیا گیا تھا؟ اس کے لئے سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ آج بھی زلزلے آتے ہیں، آتش فشاں پہاڑ پھٹتے ہیں، سیلاب بڑے بڑے ملکوں کو تباہ کر دیتے ہیں، آندھیوں کے طوفان چلتی ہوئی ریل گاڑیوں کو اٹھا کر دریاؤں میں پھینک دیتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی واقعہ ہے کہ یہ حادثہ کسی قوم کی بد اعمالیوں کا نتیجہ نہیں ہوتے۔“ (جوئے نور، ص ۲۹)

”یہ حادثہ، نہ تو کسی قوم کے غلط اخلاقی اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں اور نہ ہی ان سے صرف بد اعمال لوگ تباہ ہوتے ہیں۔“ (جوئے نور، ص ۲۹)

اس نئی تعبیر کا ایک ایک لفظ قرآن کی بیان کردہ حقیقت سے ٹکراتا ہے۔ محولہ بالا آیت، اس امر کو واضح کر دیتی ہے کہ قومِ نوح کی غرقابی تکذیبِ حق کا نتیجہ تھی۔ ﴿أَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا﴾ کے الفاظ واضح کرتے ہیں کہ عذابِ خداوندی کا نشانہ وہی لوگ بنے تھے جنہوں نے حق کی نشانیوں کو جھٹلادیا تھا۔ اب رہے وہ لوگ جو قبولِ حق کر چکے تھے، تو انہیں اللہ تعالیٰ نے بچا لیا: ﴿فَأَنْجَبْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ﴾۔ یہاں چوہدری غلام احمد پرویز کو اللہ تعالیٰ سے اختلاف ہو گیا ہے اور بے چارہ قاری حیران

و پریشان کھڑا سوچ رہا ہے کہ وہ کس کی بات مانے؟ مَنْزَلَ قرآن کی؟ یا مفکرِ قرآن کی؟

## مثالِ خامس

قرآن کریم میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے تذکارِ جلیلہ میں یہ آیت بھی وارد ہوئی ہے:

﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ﴾ (النمل: ۱۶)

”حضرت سلیمان (علیہ السلام) حضرت داؤد (علیہ السلام) کے وارث بنے اور کہا:

”اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔“

یہ ترجمہ بھی پرویز صاحب ہی کا دیا گیا ہے، جو معارف القرآن جلد سوم ص ۴۰۵ پر درج ہے۔ اس

میں ﴿عَلَّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ﴾ کی تعبیر یہ کی گئی ہے کہ ”ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔“

انہی الفاظ کا ترجمہ، برقی طور ص ۲۵۳ پر بایں الفاظ کیا گیا ہے..... ”لوگو! ہمیں مَنْطِقَ الطَّيْرِ سکھایا

گیا ہے۔“ آگے چل کر مَنْطِقَ الطَّيْرِ کی تشریح کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ

”مَنْطِقَ الطَّيْرِ کے معنی پرندوں کی بولی نہیں، جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں (یعنی برقی طور ہی

میں..... قاسمی) طَّيْر سے مراد گھوڑوں کا لشکر ہے (جو حضرت داؤد اور سلیمان کے زمانہ میں بیشتر

قبیلہ طیر کے افراد پر مشتمل تھا) اور مَنْطِق کے معنی اس قبیلہ کے قواعد و ضوابط ہیں۔ لہذا اس سے

مطلب ہے: ”گھوڑوں کے رسالہ کے متعلق علم“ یہ اس زمانہ میں بہت بڑی چیز تھی۔“

(برقی طور: ص ۲۵۳ تا ۲۵۴)

معارف القرآن کی محولہ بالا عبارت میں مَنْطِقَ الطَّيْرِ کا معنی پرندوں کی بولی ہے اور برقی میں

ٹھیک اسی معنی کی نفی کی گئی ہے اور جو جدید معنی پیش کیا گیا ہے، اس کا لغوی طور پر قرآن سے دور کا بھی

واسطہ نہیں ہے۔ اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ طلوعِ اسلام کی نکسال میں مختلف اور متضاد معانی کے سکے وقتاً

وقتاً کس طرح ڈھالے گئے.....!!

## مثالِ سادس

سورة الاعراف کے آخری رکوع میں ’آدابِ تبلیغ‘ کے ضمن میں یہ الفاظ آئے ہیں:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ (الاعراف: ۱۹۹)

(اے نبی!) درگزر کرتا رہ، معروف کی تلقین کئے جا اور جاہلوں سے نہ الجھ۔“

خُذِ الْعَفْوَ کا مفہوم کیا ہے؟ ملاحظہ فرمائیے:

” (بہر حال، تم ان کی ان باتوں کی وجہ سے اپنے پروگرام میں رُکونہیں) تم ان سے درگزر کرتے

ہوئے آگے بڑھتے جاؤ۔“ (مفہوم القرآن: ص ۳۹۰)

اس کے بعد تفسیر مطالب الفرقان میں حُذِّ الْعَفْوِ پر بحث کرتے ہوئے اس کی تعبیر کو یکسر بدل دیا اور اس بات کا قطعاً خیال نہ کیا کہ یہ کبھی دور کی وحی ہے، جس میں اسلامی حکومت کی داغ بیل پڑی ہی نہ تھی اور اہل ایمان جو پہلے ہی زیادہ تر مفلس اور خستہ حال لوگوں پر مشتمل تھے، معاشی طور پر کفار کے ہاتھوں ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے تھے، ایسے حالات میں یہ نئی تعبیر قطعاً موزوں نہیں بیٹھتی۔ لیکن ’مفکر قرآن‘ کو اس سے کیا، انہیں تو اپنے پندار علم کا مظاہرہ کرنا ہے، تاکہ یہ نت نئی تعبیرات، اندھے معتقدین کے قلوب و اذہان پر ان کی ’تبحر علمی‘ کی دھاک بٹھادیں۔ لکھتے ہیں:

’العفو کا لفظ آیت (۲/۲۱۹) میں آیا ہے جہاں بالبداهت ’زائد از ضرورت‘ معنی ہی موزوں ہیں۔ چنانچہ میں نے مفہوم القرآن میں یہی معانی لکھے اور مطالب الفرقان جلد سوم ص ۳۲۶ پر بھی، اس کے مطابق وضاحت کی۔ اس کے بعد یہ لفظ زیر نظر آیت (۷/۱۹۹) میں آیا تو مجھے اپنی بصیرت کی رو سے، اس کا دوسرا مفہوم یعنی ’درگزر کرنا‘ موزوں دکھائی دیا۔ چنانچہ میں نے یہی ترجمہ مفہوم القرآن میں دے دیا (اس کا عام طور پر یہی ترجمہ کیا جاتا ہے)۔ اس کے بعد ایک بحث کے دوران میں نے محسوس کیا کہ یہ مفہوم مزید تحقیق کا متقاضی ہے۔ بالخصوص لفظ حُذِّ کے پیش نظر جس کے معنی ’وصول کرنے یا لینے‘ کے ہیں، اس سلسلہ میں سورہ توبہ کی آیت (۹/۱۰۳) ﴿حُذِّ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ اس کی مؤید تھی۔ اس غور و فکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ آیت (۷/۱۹۹) میں بھی العفو کا وہی مفہوم زیادہ موزوں ہے، جو آیت (۲/۲۱۹) میں دیا گیا ہے یعنی ’زائد از ضرورت مال‘۔ اس آیت میں اسلامی نظام (یا اس کے سربراہ حضور نبی اکرم ﷺ) سے کہا گیا ہے کہ جماعت مؤمنین کا زائد از ضرورت مال اپنی تحویل میں لے لیا کرو تاکہ اس طرح اجتماعی طور پر قرآن کا معاشی نظام قائم رہے۔ مفہوم القرآن (آیت ۷/۱۹۹) کے مفہوم میں ترمیم، اس کے نئے ایڈیشن میں کردی جائے گی۔ البتہ اس دوران میں، تہویب القرآن میں ’عفو‘ کے عنوان کے تابع یہ مفہوم دے دیا گیا ہے۔“ (تفسیر مطالب الفرقان: ج ۶، ص ۵۵)

عفو کا معنی ’زائد از ضرورت مال‘ صرف وہاں لینے کی گنجائش ہوتی ہے، جہاں اس کا مالی خرچ یا مال سے متعلق ہونے کا کوئی قرینہ موجود ہو، جیسا کہ آیت (۲/۲۱۹) میں لفظ يُنْفِقُونَ میں یہ قرینہ موجود ہے۔ لیکن آیت زیر بحث میں ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے لیکن مفکر قرآن کو ان امور سے کیا سروکار؟۔

دریا کو اپنی موج کی طغیانوں سے کام  
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیان رہے!

مثالِ سابع

قرآن کی درجہ ذیل آیت مع ترجمہ از پرویز صاحب ملاحظہ فرمائیے:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَأَنْحَرْ﴾ (۱۰۰/۲)

”لہذا اپنے پروردگار کے لئے نماز قائم کرو اور قربانی کرو۔“ (معارف القرآن: ۳۶۹/۴)

لیکن جب پرویز صاحب کا ذہن قربانی سے متعلق معکوس ہو گیا تو اب وَأَنْحَرْ کا مفہوم بھی کچھ اور ہی ہو گیا:

”اب تیرے لئے ضروری ہے کہ تو اس کی تعلیم کو زیادہ سے زیادہ پھیلائے، اس کے لئے تو اپنے پروگرام کی تکمیل میں ہمد تن مصروف رہ۔ خدا کے نظامِ ربوبیت کے قیام کے لئے اپنے فرائض منصبی کو پوری طرح ادا کر، ان پر علم و عقل اور تجربہ و مشاہدہ سے پوری طرح حاوی ہو، اور اس کے ساتھ ہی اپنی جماعت کے لوگوں کے کھانے پینے کا بھی انتظام کر۔“ (مفہوم القرآن، ص ۱۴۸۸)

یاد رہے کہ خط کشیدہ الفاظ وَأَنْحَرْ کے مفہوم کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔ اسی صفحہ پر نیچے حاشیہ میں یہ عبارت بھی موجود ہے:

’نہر اونٹ ذبح کرنے کو کہتے ہیں۔‘

اب اس ’مفکر قرآن‘ کو کون سمجھائے کہ یہ لفظ نہر نہیں بلکہ نَحْر ہے۔ کیا ستم ظریفی ہے کہ وقت کی آندھیوں نے ’مفکر قرآن‘ کا بوجھ کس جاہل کے سر پر لا پھینکا ہے۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿مَثَلُ الَّذِينَ حَمَلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا﴾ (الجمعة: ۵)

## مثال ثامن

آیت قصاص بھی، ان آیات میں سے ایک ہے جن کی ’تعبیر‘ پرویز صاحب کے انقلابِ ذہن کے ساتھ ہی منقلب ہو گئی۔ اس آیت کی ایک تعبیر وہ ہے جو معارف القرآن جلد اول، ص ۱۴۰ پر موجود ہے۔ جس کے نتیجے کے طور پر قصاص کا معنی قتل کا بدلہ قتل؛ نیز قتلِ عمد میں دیت اور عنفوکا اختیار بھی اولیاءِ مقتول کے ہاں برقرار رہتا ہے۔ پرویز صاحب نے زیر عنوان ’شریعت میں خدا کی طرف سے آسانیاں‘ لکھا ہے:

”پھر شریعت میں ایسی آسانیاں مل جانا جن سے قوانین ممکن العمل ہو جائیں، رحمتِ خداوندی ہے مثلاً قانونِ قصاص کی رو سے قتل کا بدلہ قتل ہے، لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ ﴿فَمَنْ عَفَىٰ لَهُ مِنْهُ شَيْئًا فَاتَّبَاعُ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءُ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ، ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾ ”اگر (قاتل کو) اس کے بھائی (مدعی) کی طرف سے معافی مل جائے تو (اس کے لئے) معقول طریقہ پر خون بہا کا مطالبہ ہے اور (قاتل کے لئے) خوبی کے ساتھ اس کا ادا کرنا۔ یہ (قانونِ دیت و عنف) تمہارے پروردگار کی طرف سے سختیوں کا کم کر دینا اور ترحم (خسر واند) ہے.....“ (معارف القرآن، جلد اول، ص ۱۴۰)

لیکن جب تہذیبِ مغرب کی فکری یلغار نے ذہنِ پرویز کو مسخر کیا اور وہ مغرب کے تمدنی قوانین سے مرعوب ہوئے تو (۱) قصاص کے معنی بھی بدل گئے اور (۲) قتلِ عمد میں دیت اور عنفوکا اختیار بھی، اولیاءِ

مقتول سے سلب ہو گیا، کیونکہ مغربی حکومتوں میں سے کسی میں بھی قتلِ عمد میں دیت و غنمو کی رعایت نہیں ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ قرآنی قانون میں وہ 'سقم' باقی رہ جاتا، جو دانشورانِ مغرب کی نگاہ میں اسلام کے ماتھے پر بدنامہ داغ ہے۔ 'قرآنی حمیت'، 'منکرِ قرآن' پر غالب آئی تو انہوں نے پنی جدید تعبیر کی رو سے قرآنی قوانین سے اس 'عیب' کو دور کر ڈالا جو خود خدا کے اپنے الفاظ سے پیدا ہو گیا تھا (معاذ اللہ) ملاحظہ فرمائیے تعبیر جدید کو.....

”قصاص: اس کے معنی 'جرم کی سزا' دینا نہیں، اس کے معنی ہیں 'مجرم کا اس طرح پیچھا کرنا کہ وہ بلا گرفت نہ رہ جائے' یعنی قرآنی نظام میں کسی جرم کو Untraced نہیں رہنا چاہئے، وہ اس قسم کے محکم نظام تفتیش میں حیاتِ اجتماع کا راز بناتا ہے۔“ (اگست ۶۵ء، ص ۱۲)

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ﴾ (البقرة: ۱۷۹)

اس کے بعد آیتِ قصاص (البقرة: ۱۷۸) کی تشریح کو الفاظِ آیت تک محدود رکھنے کی بجائے، آیتِ قتلِ خطا کے ساتھ خلطِ بحث کیا جاتا ہے اور نتیجہ یہ کشید کیا جاتا ہے کہ قتلِ عمد میں غنمو و دیت ہے ہی نہیں، اس میں اگر ایسا ذکر ہوا ہے تو وہ قتلِ خطا کے ساتھ متعلق ہے:

”جرمِ قتل: قرآن نے قتلِ عمد (بالارادہ) اور قتلِ خطا (سہواً) میں فرق کیا ہے۔ قتلِ خطا کی سزا (یا یوں کہئے کہ کفارہ یا جرمانہ) ایک مؤمن غلام کا آزاد کرنا اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا ادا کرنا ہے۔ وہ اس خون بہا کو معاف کر سکتے ہیں۔ (۹۳، ۹۲، ۹۳) واضح رہے کہ غلام آزاد کرنا اس زمانے کی بات ہے جب عربوں کے ہاں غلام چلے آ رہے تھے، اسلام نے غلامی کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ لہذا یہ نظام معاشرہ تجویز کرے گا کہ اس کی جگہ کیا کفارہ ادا کیا جائے گا۔

قتلِ عمد کے لئے دیت (خون بہا) نہیں، اس کی سزا بڑی سخت ہے۔ اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس کی سزا جہنم ہے اور اللہ کا غضب اور اس کی لعنت اور بہت بڑی سزا (۹۳، ۹۲)۔ میں اس وقت ان مختلف سزائوں کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا، لیکن یہ واضح رہے کہ قتلِ عمد کی بھی مختلف نوعیتیں ہیں۔ ایک قتلِ سوچی سمجھی سکیم کے تحت ہوتا ہے اور ایک وقتی جوش میں آ کر وقتی طور پر (وغیرہ وغیرہ) اس اعتبار سے جرم کی سزا میں بھی فرق ہو سکتا ہے۔ قرآن کے مختلف مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عدل کے تقاضے کی رو سے جرمِ قتلِ عمد کے لئے موت کی سزا بھی تجویز کرتا ہے۔ (مثلاً ۱۷۸، ۲۱۷، ۵۷، ۳۳، ۱۷۸) ”قتل نفس بالحق“ سے مراد قانونِ خداوندی کے مطابق کسی کی جان لینا۔“

(ماہنامہ طلوعِ اسلام: اگست ۶۵ء، ص ۱۲)

سیدھی سی بات ہے کہ قرآن نے قتلِ عمد میں قصاص (قتل کا بدلہ قتل) کے علاوہ، دیت اور غنمو کی رعایات بھی رکھی ہیں اور قتلِ خطا میں قصاص ہے ہی نہیں۔ اس میں کیا الجھن ہے؟

تری ہر ادا میں بل ہے، تری ہر نگاہ میں اُلجھن  
مری آرزو میں لیکن، کوئی پیچ ہے نہ خم ہے!

لیکن پرویز صاحب نے قتلِ خطا اور قتلِ عمد کی آیات میں خلطِ بحث سے جو نتیجہ برآمد کیا ہے، اس میں قتلِ عمد میں صرف قصاص کی سزا باقی رہ جاتی ہے، تحقیقات ختم ہو جاتی ہیں اور قصاص کا مفہوم بھی قتل کا بدلہ قتل، نہیں رہتا بلکہ صرف مجرم کا پیچھا کرنا رہ جاتا ہے۔ اگر مجرم کراچی پہنچ کر سمندر پار کر جائے اور اس کی گرفتاری کیلئے اگر آپ نے کراچی تک اس کا پیچھا کر ڈالا تو قصاص کا تقاضا پورا ہو گیا۔ اللہ اللہ خیر صلا! اُمتِ مسلمہ پر مفکر قرآن کا کس قدر احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قتلِ عمد میں دیت اور عفو کے جو اغلال و اصر، مسلمانوں پر ڈال رکھے تھے، انہوں نے اُتار پھینکے ہیں اور قرآنی قانون کو دور حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر دیا۔

## مثالِ تاسع

قرآن میں قانونِ غنیمت سے متعلقہ آیت، پرویز صاحب کے ترجمہ ہی کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے:

﴿وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِنْ كُنْتُمْ أَمْنًا بِاللَّهِ وَمَا أُنزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّقَىٰ الْجَمْعَانِ، وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (الانفال: ۴۱)

”اور جان رکھو کہ جو تمہیں مالِ غنیمت میں ملے، اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے، رسول کے لئے، (رسول کے) قربات داروں کے لئے، یتیموں کے لئے، مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے نکالنا چاہئے (اور بقیہ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیے جاسکتے ہیں)، اگر تم اللہ اور اس (نبی امداد) پر یقین رکھتے ہو، جو ہم نے فیصلہ کر دینے والے دن، اپنے بندے پر نازل کی تھی، جبکہ دو لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے (تو چاہئے کہ اس تقسیم پر کاربند رہو، اور یاد رکھو) اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں۔“ (معارف القرآن، جلد چہارم، ص ۶۲۳)

”غنیمت اور فے، دو اصطلاحات ہیں: مالِ غنیمت وہ جو مخالفین سے جنگ کے بعد حاصل ہو، اور مالِ فے، وہ جسے مخالفین جنگ کئے بغیر چھوڑ جائیں۔ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ، بیت المال میں جمع ہوگا اور باقی چار حصے سپاہیوں کو تقسیم ہوں گے، مالِ فے پورے کا پورا بیت المال میں جمع ہوگا۔“ (معارف القرآن: جلد چہارم، حاشیہ ص ۶۲۳)

مالِ غنیمت کے متعلق یہی وہ اصولی تعلیم ہے جو دورِ نزولِ قرآن سے لے کر آج تک علماء امت، فقہاء ملت، مفسرین و محدثین، اصحاب سیر اور مورخین تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ گویا پرویز صاحب کی زبان میں یہ عجمی اسلام ہے جو ہزار برس سے چلا آ رہا ہے۔ اب یہ کیسے ممکن تھا کہ پرویز صاحب خالص

عربی نژاد ہو کر اس 'عجمی اسلام' پر برقرار رہتے۔ چنانچہ انہوں نے بعد میں جس 'عربی قانونِ غنیمت' کو قرآن کی اسی آیت میں سے نچوڑا، اس کے مطابق اب 'خمس' میں مسافروں، مسکینوں، یتیموں اور ذوی القربیٰ کا حصہ ختم ہو گیا اور 'خمس' صرف 'خدا اور رسول' کیلئے مخصوص ہو گیا۔ اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اللہ اور رسول کے الفاظ اگر قرآن میں اکٹھے آجائیں تو اس سے پرویز یوں کے نزدیک مراد 'مركزِ ملت' ہوتا ہے۔ توجہ فرمائیے؛ اگر محمد 'اللہ' کا لفظ بولا جائے تو اس سے خالق کائنات ہی کی ذات مراد ہوگی اور اگر صرف 'رسول' کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد وہ مامور من اللہ شخصیت ہوگی جو اہل ایمان کے لئے اُسوۂ حسنہ ہے۔ لیکن جب 'اللہ اور رسول' کے الفاظ (معطوف اور معطوف علیہ کی صورت میں) اکٹھے بولے جائیں تو اب 'اللہ ہی' اپنی اُلُوہیت سے اور 'رسول' اپنے منصب رسالت سے معزول ہو گیا۔ پھر جب اس طرح اللہ کی اُلُوہیت اور نبی کی حیثیتِ نبوت (معاذ اللہ) ختم ہوگئی تو اس عدم سے 'مركزِ ملت' وجود میں آ گیا۔ گویا یہ اُلُوہیت اور نبوت کے مسائل نہ ہوئے بلکہ سائنس کی لیبارٹری کے مسائل ہوئے کہ آکسیجن اور ہائیڈروجن کو جب ایک خاص ترکیب سے جمع کیا جاتا ہے تو جہاں آکسیجن کی تخریقی خاصیت ختم ہو جاتی ہے، وہاں ہائیڈروجن سے اس کی احتراق پذیری کی صفت منقک ہو جاتی ہے اور 'پانی' نام کی اسی طرح ایک نئی چیز معرضِ وجود میں آ جاتی ہے؛ جس طرح ادارہ طلوع اسلام کی قرآنی لیبارٹری میں 'اللہ اور رسول' کے مجموعے سے 'مركزِ ملت' معرضِ وجود میں آ جاتا ہے۔

یزداں کے تصور میں تراشا تھا جو پتھر  
اس میں سے بھی ابلیس کا پیکر نکل آیا

بہر حال یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو یونہی نوکِ قلم پر آ گیا۔

پرویز صاحب کی تعبیر جدید کا دوسرا جزو یہ ہے کہ مالِ غنیمت میں سے ایک 'خمس' کو 'مركزِ ملت' کے لئے الگ کر لینے کے بعد بقیہ چار اخماس، لڑنے والے مجاہدین کو نہیں، بلکہ ان کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں میں تقسیم کئے جائیں گے۔ اب 'عجمی اسلام' کی وہ تعبیر ختم ہوگئی جس کے تحت مالِ غنیمت کا ۵/۲ حصہ مجاہدین میں تقسیم ہوا کرتا تھا۔ ملاحظہ فرمائیے؛ کہ آیتِ غنیمت کے پہاڑ میں سے کس طرح مفکر قرآن نے 'تعبیر جدید' کا چوہا کھود نکالا۔ آیت کے تقریباً ۲۵/۱۲ الفاظ ہیں اور اس کا تشریحی مفہوم تقریباً ۳۱۰ الفاظ پر مشتمل پیرا گراف میں بیان کیا گیا ہے اور آیت بھی اسی قرآن مجید میں ہے جس کے متعلق یہ مسلسل ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ قرآن واضح ہے، مبین ہے، نور ہے؛ جو اپنے مفہوم کی وضاحت کیلئے کسی کا محتاج نہیں۔ لیکن دسیوں الفاظ قرآن کی تشریح، سینکڑوں الفاظ میں کی گئی ہے، ملاحظہ فرمائیے :



”جنگ کے سلسلہ میں اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھو کہ اس سے پہلے تمہارا دستور یہ تھا کہ جنگ میں جو کسی کے ہاتھ آجائے، وہ اسی کا ہوا۔ یہی لوٹ کا مال وہ بنیادی جذبہ تھا جس کے لئے تم میدانِ جنگ میں جایا کرتے تھے۔ لیکن اب جنگِ ظلم کو روکنے یا نظامِ عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے ہوگی، اس لئے اس میں جذبہ محرکہ لوٹ کا مال حاصل کرنا نہیں ہوگا۔ یاد رکھو، میدانِ جنگ میں جو مالِ غنیمت بھی ملے گا، اس میں سے پانچواں حصہ خدا و رسول، یعنی مملکت کی انتظامی ضروریات کے لئے رکھ کر، باقی ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے میں صرف کیا جائے گا۔ مثلاً (میدانِ جنگ میں جانے اور کام آجانے والوں کے) اقربا کے لئے، یتیموں اور معاشرہ میں بے یار و مددگار، تنہا رہ جانے والوں کے لئے، ان کے لئے جن کا چلتا ہوا کاروبار رک گیا ہو یا جو کسی حادثے کی وجہ سے کام کاج کے قابل نہ رہے ہوں۔ نیز ان مسافروں کے لئے جو مدد کے محتاج ہوں۔

ہم جانتے ہیں کہ اس طرح ہاتھ آنے والے مال سے یوں دست کش ہو جانا، کچھ آسان کام نہیں، لیکن اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور ان احکام پر جو ہم نے اپنے بندے پر، اس دن نازل کئے تھے جب دو لشکر ایک دوسرے کے مقابل آئے تھے اور جب حق و باطل نکھر کر سامنے آ گیا تھا (تو تمہارے لئے ایسا کرنا مشکل نہیں ہوگا۔ مستقل اقدار پر ایمان، اس قسم کی تمام جاذبیٹوں کو ٹھکرا سکتا ہے)۔ اسے اچھی طرح یاد رکھو کہ اللہ نے ہر شے کے پیانے مقرر کر رکھے ہیں اور ان پر اس کا پورا پورا کٹرول ہے (اس لئے اس کے قانون پر عمل پیرا ہونے سے تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں ہوگا۔“ (مفہوم القرآن: ص ۴۰۴ تا ۴۰۵)

الفاظ کے اس ہجوم پر بار بار نگاہ ڈالنے، شاید آپ کے مقدر سیدھے ہوئے تو بات آپ کے پلے پڑ جائے۔

## مثالِ عاشر

اب آخر میں، میں ایک ایسی مثال پیش کر رہا ہوں جس کے ضمن میں ایسی بہت سی آیات آپ کے سامنے آئیں گی جن کی تعبیر کو ’نظریہ ضرورت‘ کے تحت بدلنا پڑا ہے اور یہ بات واضح ہو جائے گی کہ پورا قرآن ’مفکر قرآن‘ کے مصلحتی محور کے گرد ہی گردش کرتا رہا۔

**پرویز صاحب کے سابقہ معاشی تصورات:** ایک زمانہ تھا، جب پرویز صاحب ابھی کارل مارکس کی ترتیب دی ہوئی معاشی فکر، سوشلزم یا کمیونزم کے اسیرِ زلف نہیں ہوئے تھے۔ وہ اگر قرآن پر غور بھی کرتے تھے تو ان کی آنکھوں پر بہر حال اشتراکیت کی عینک نہیں تھی۔ اس لئے وہ قرآنی آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے ان ’ذہنی تحفظات‘ کا خیال نہیں کیا کرتے تھے جو بعد میں اشتراکیت کے رنگ میں مصبوغ ہونے کے بعد، اب ان کے قلب و ذہن میں راسخ ہو گئے تھے اور جن کا لحاظ کرنا ان کی مجبوری بن گیا تھا۔ نظام

ربوبیت کا نقشہ، ذہن پرویز کی کارگاہ میں، بہت بعد میں تراشا گیا۔ ۱۹۴۷ء سے قبل پرویز صاحب کو اگر ان کی تحریروں کے آئینے میں دیکھا جائے تو وہ واضح طور پر مال و دولت اور زمین کی شخصی ملکیت کے قائل تھے۔ پھر ہر شخص کے معاشی حالات کے تنوع اور ان کی اکتسابی صلاحیتوں میں تفاوت کی بنا پر وہ تفاضل فی الرزق کے بھی قائل تھے۔ بلا واپست معاشی طبقات میں وہ اہل ثروت پر اسلام کی طرف سے عائد ہونے والی ڈھائی فیصد زکوٰۃ کے بھی معترف بلکہ مُعلن تھے۔ صدقہ و خیرات اور قانون میراث کے متعلق بھی وہ اس بات کے مقرر تھے کہ یہ دائمی اور مستقل احکام ہیں نہ کہ عبوری دور کے احکام ہیں جو وقتی یا ہنگامی صورتحال میں دیئے گئے ہوں۔ قُلِ الْعَفْوَ کے دو الفاظ کی بنیاد پر آج اشتراکیت پر قرآن کا ٹپھہ لگا کر جس ’نظامِ ربوبیت‘ کا کریملین تعمیر کیا گیا ہے، ان دنوں ان الفاظ کا مفہوم، آج کے مفہوم سے قطعاً مختلف تھا، چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے:

اشتراکیت اور اسلام کا موازنہ کرتے ہوئے کبھی پرویز صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ  
 ”اشتراکیت، ذاتی اور انفرادی ملکیت کو تسلیم نہیں کرتی، لیکن اسلام ہر شخص کی کمائی کو اس کی ذاتی ملکیت قرار دیتا ہے۔ زمانہ ظہور اسلام میں جائیداد و املاک عموماً مویشیوں کی شکل میں تھیں، ان کے متعلق فرمایا: ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمَلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ﴾  
 ”کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کیا کہ ہم نے ان کے لئے دستِ قدرت سے مویشی پیدا کئے ہیں جن کے یہ لوگ مالک ہیں“..... جب خدا کی بنائی ہوئی چیزیں، انسان کی ملکیت ہو سکتی ہیں تو انسان کی اپنی کمائی اور مصنوعات تو یقیناً اس کی ملکیت ہوں گی، ارشاد ہے: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ﴾

”جو مرد کمائیں، وہ مردوں کا حصہ ہے اور جو عورتیں کمائیں، وہ عورتوں کا حصہ ہے۔“  
 اشتراکیت کے اصولِ نفی ملکیت سے اسلام کا معاشی، تمدنی اور عمرانی ہر قسم کا نظام منہدم ہو جاتا ہے۔ قرآن میں ہے ﴿وَإِذْ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تَبْدُرْ تُبُودًا﴾ ”قربانے دار کو اس کا حق دیتے رہنا اور محتاج اور مسافر کو بھی، مال کو بے موع نہ اڑانا۔“  
 ظاہر ہے کہ ان حقوق کی ادائیگی، اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب کوئی چیز کسی کی ملکیت میں ہو اگر ہر چیز غیر کی ملکیت میں ہو اور کمانے والے کو صرف اس کی ضرورت کے مطابق حصہ ملے تو وہ دوسروں کے حقوق کیسے ادا کر سکتا ہے۔

یہی حال، ترکہ اور وراثت کے احکام کا ہے جس پر ذاتی ملکیت کی [غیر] موجودگی میں عمل ہو ہی نہیں سکتا، حکم ہے: ﴿وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَٰ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتَوْهُمْ نَصِيبَهُمْ﴾ ”ہر ایسے مال کے لئے جسے والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں ہم

نے وارث مقرر کر دیئے ہیں اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں، ان کو ان کا حصہ دو۔“ (ماہنامہ طلوع اسلام: جولائی ۳۹ء، ص ۵۹ تا ۵۷)

”﴿أَنْفَقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ (۲/۲۶۷) ”اپنی کمائی میں سے عمدہ چیز کو خرچ کرو“ میں مَا كَسَبْتُمْ سے مطلب یہی ہے کہ جو کچھ تم کھاتے ہو، وہ تمہاری ملکیت ہے۔“ (جولائی ۳۹ء، ص ۶۰)

سورہ توبہ میں ہے: ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ اس آیت میں صدقہ سے کیا مراد ہے؟ علماء کے نزدیک مراد ’زکوٰۃ‘ ہے۔ آج ’مفکر قرآن‘ جناب پرویز صاحب، اس کی تردید کرتے ہیں، مگر ایک زمانہ تھا کہ وہ خود بھی اس سے زکوٰۃ ہی مراد لیا کرتے تھے:

”اشتراکیت کے حامی کہہ سکتے ہیں کہ جب کسی کا سرمایہ جائیداد، کمائی، ورثہ سب کچھ حکومت لے لے، تو یہ انفاق کی وہ حد ہے جس سے بڑھ کر قربانی اور ایثار کی کوئی مثال نہیں ہو سکتی، لیکن اسلامی انفاق، جو (تقویٰ پر مبنی ہے) اور اس قسم کے جبر میں بڑا فرق ہے، اسلام نے بھی ایک ٹیکس (زکوٰۃ) مقرر کیا ہے جو بہر حال وصول کیا جاتا ہے: ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ﴾ (۹/۱۰۳) ”ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے کہ اس سے یہ ظاہر و باطن میں پاک ہو جائیں گے اور پھر ان کے لئے دعا کیجئے۔“ (جولائی ۳۹ء، ص ۶۱)

اس زمانہ میں قُلِّ الْعَفْوِ کے معنی وہ نہیں تھے جو آج بیان کئے جاتے ہیں۔ آج تو اس کا مفہوم یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ”زائد از ضرورت“ سب مال کا انفاق کر ڈالو، لیکن اُس زمانہ، سارا مال خرچ کرنا کیا معنی، انفاق کا سرے سے یہ معنی ہی نہ تھا جو آج کیا جاتا ہے، یعنی ’کھلا رکھنا‘۔ دنیا میں ایسی ڈکٹری، اس وقت شائع ہی نہ ہوئی تھی، جو انفاق بمعنی ’کھلا رکھنا‘ واضح کرے:

”لیکن ساتھ ہی، اس نے خیرات کا حکم بھی دیا ہے جس میں جبر واکراہ کو دخل نہیں: ﴿يَسْتَأْذِنُكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ، قُلِ الْعَفْوُ﴾ (۲/۲۱۹) ”آپ سے پوچھتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں؟ کہہ دیجئے کہ جتنا آسان ہو۔“ (جولائی ۳۹ء، ص ۶۱)

جمع شدہ یا بچی ہوئی رقم پر، ڈھائی فیصد زکوٰۃ جس کا آج پرویز صاحب مذاق اڑاتے ہیں، کسی زمانے میں وہ خود نہ صرف یہ کہ اس کے معترف تھے، بلکہ جزیہ پر اعتراض کرنے والے غیر مسلموں کو وہ زکوٰۃ ہی کے حوالے سے جواب دیا کرتے تھے:

”سب سے بڑا الزام جزیہ کے متعلق عائد کیا جاتا ہے اور ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ غیر مسلم رعایا سے یہ ’جرمانہ‘ ان کے مسلمان نہ ہونے کے جرم کی بنا پر وصول کیا جاتا تھا حالانکہ اس کی حقیقت بالکل جدا گانہ ہے۔ مسلمانوں کو اپنی آمدنی (آمدنی نہیں بلکہ بچت..... قاسمی) کا چالیسیواں حصہ حکومت کو ادا کرنا پڑتا تھا اور اس کے علاوہ ہر قسم کی فوجی خدمت بھی ان کے ذمہ تھی۔ غیر مسلم رعایا جو ان کے زیر حکومت رہتی تھی، ان کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمان حکومت پر لازم تھی، وہ فوجی خدمت

سے مستثنیٰ تھے۔ اگر ان سے اس حفاظت کے اخراجات کی مد میں کچھ وصول کر لیا جائے جو مسلمانوں کی زکوٰۃ سے بھی کم تھا تو اس میں اندھیر کیا ہے؟ عورتیں، بچے، بوڑھے، ابلّاج اور مذہبی رہنما اس سے مستثنیٰ تھے۔

اور پھر اس جزئیہ کی مقدار کتنی تھی؟ معمولی حیثیت والے سے ۱۲ سالانہ، متوسط درجے والے سے ۸ اور اس سے آگے خواہ کوئی کروڑ پتی ہو، زیادہ سے زیادہ ۱۲ روپے سالانہ، حالانکہ ایک کروڑ پتی مسلمان سے کم از کم اڑھائی لاکھ روپے سالانہ بطور زکوٰۃ وصول کیا جائے گا۔ صدقات و خیرات اس کے علاوہ ہوں گے اور اس مالی قربانی کے ساتھ ساتھ جب ضرورت لاحق ہوگی تو یہ جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان جنگ میں بھی شریک ہوگا اور ذمی رعایا کے مال، جان، مذہب، معاہد کی حفاظت کرے گا یعنی ایک ذمی رئیس، بارہ روپیہ ادا کر کے نہایت اطمینان سے اپنے گھر میں بیٹھا رہے گا اور اسی حیثیت کا ایک مسلمان اڑھائی لاکھ روپیہ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اسی ذمی کے محافظ کی حیثیت سے میدان کارزار میں دشمن کی شمشیر و سناں کا مقابلہ بھی کرے گا۔ دشمن کی گولیاں ہوں گی اور مسلمانوں کا سینہ جو غیر مسلم رعایا کی حفاظت کے لئے سپر کا کام دے گا۔

مسلمانوں سے پیشتر ساسانیوں نے عیسائی رعایا پر جو ٹیکس لگا رکھا تھا، وہ ساسانی رعایا سے دگنا تھا اور اس کے جواز میں شاہ ساپردوم نے کہا تھا کہ لڑائی ہمیں لڑنی پڑتی ہے اور یہ مزے میں بیٹھے رہتے ہیں۔ دگنا کیوں نہ دیں۔“ (جون ۳۹ء: ص ۴۸)

ذاتی ملکیت کا اصول، جب افرادِ معاشرہ کی متفاوت اکتسابی صلاحیتوں کے ساتھ مقرون ہوتا ہے تو توفاضل فی الرزق ایک لازمی نتیجہ کے طور پر واقع ہوتا ہے۔ یہ حقیقت بھی، کسی زمانہ میں پرویز صاحب کو مسلم تھی، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

”قرآن کی رو سے ایک دوسرے پر رزق میں فضیلت جائز ہے: ﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ﴾ (۱۶/۷۱) ”اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر باعتبار رزق فضیلت دی ہے“ اور وہ غلام اور آزاد میں یہی فرق بتاتا ہے کہ آزاد اپنی محنت کے حاصل کا مالک ہوتا ہے، غلام کو اس پر کوئی اختیار نہیں ہوتا: ﴿صَرََبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَا يَقْدِرُ عَلٰی شَيْءٍ وَّمَنْ رَزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا﴾ ”اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے، ایک غلام ہے، دوسرے کی ملک؛ وہ خود کسی بات کی قدرت نہیں رکھتا، اور ایک دوسرا آدمی ہے جسے ہم نے اپنے فضل سے نہایت عمدہ روزی دے رکھی ہے۔ وہ ظاہر پوشیدہ جس طرح چاہتا ہے، اسے خرچ کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟“..... رزق میں مختلف مدارج اسلئے ضروری ہیں کہ دنیا کا کاروبار چل ہی اس انداز سے سکتا ہے، تقسیم عمل کے لئے اختلافِ مدارج لاینفک ہے: ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيَسَتَّهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾ ”دنیاوی زندگی میں ان کی روزی ہم ہی تقسیم کرتے ہیں اور

ہم نے ایک کو دوسرے پر فوقیت دے رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔“  
(معارف القرآن، جلد اول، ص ۱۲۱)

قرآنی تعلیمات کی اساس پر صحابہ کا جو اؤلمین معاشرہ وجود میں آیا، خود اس معاشرے میں بھی افراد کے درمیان معاشی تفاوت موجود تھا، اس پر پرویز صاحب کی بہت سی تحریریں گواہ ہیں:

”مالی تفوق کے اعتبار سے خود دو صحابہ میں بھی مختلف طبقات موجود تھے۔ حضرت زبیر بن العوامؓ کے کاروبار میں ایک ہزار مزدور روزانہ کام کرتے تھے۔ حضرت طلحہؓ کی روزانہ آمدنی کا اوسط ایک ہزار دینار تھا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی تجارتی ترقی کا یہ عالم تھا کہ ایک بار ان کا قافلہ مدینہ میں آیا تو اس میں سات سو اونٹوں پر صرف اشیاء خوردنی لدرہی تھیں، لیکن مسلمانوں میں ان ہستیوں کا نام اگر آج تک صلوة و سلام کے ساتھ لیا جاتا ہے تو اس کی وجہ ان کی دولت و ثروت نہیں، بلکہ ان کا وہ ایمان، تقویٰ، اعمالِ صالحہ، ایثار و قربانی ہیں جو آنے والی نسلوں کے لئے انہوں نے بطور نمونہ کے یادگار چھوڑا ہے۔ انہی متمول صحابہ کے ساتھ ساتھ اصحابِ صفہ جیسے مفلوک الحال حضرات کا نام بھی آج تک مسلمانوں کیلئے باعثِ افزائشِ ایمان و عمل ہے۔“ (جولائی ۳۹ء، ص ۶۹)

غزوہٴ تبوک کے موقع پر صحابہ کے جیشِ العسرة کی تیاری میں، ان کے معاشی تفاوت و تقاضل کی کیفیت بالکل اُجاگر ہو جاتی ہے:

”یہ معرکہ، اخلاص و منافقت کی امتحان گاہ تھا چنانچہ ایک طرف صحابہ کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ کسی کے پاس تھا، لے کر حاضر ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ نے نو سو اونٹ، ایک سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار پیش کئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے چالیس ہزار درہم دیئے۔ حضرت عمرؓ کی ہزار روپے کا نقد و جنس لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے گھر میں اللہ اور رسولؐ کی محبت کے سوا کچھ بھی چھوڑ کر نہ آئے۔ حضرت ابو عبیدہ انصاریؓ نے دو سیر چھوہارے لاکر حاضر کر دیئے اور عرض کیا کہ رات بھر کسی کے کھیت پر مزدوری کر کے چار سیر چھوہارے حاصل کئے تھے، دو سیر بال بچوں کو دے آیا ہوں اور دو سیر خدمتِ اقدس میں حاضر ہیں۔“ (معارف القرآن: جلد چہارم، ص ۵۸۰)

**ذہنی تعبیر کا دور پرویز:** ان سب اُمور کے اعتراف کے بعد پرویز صاحب پر ایک دوسرا دور بھی آیا جب وہ شاہراہِ اسلام پر سے پھسل کر اشتراکیت کے گڑھے میں گرتے ہیں، تو اس گندے کیڑے کی طرح جو غلاظت میں پلنے اور نشوونما پانے کے باعث، تعفن اور بدبو ہی کو اپنی فطری فضا سمجھ لیتا ہے، اب وہ اسی اشتراکیت پر قرآن کا ٹھپہ لگا کر ’نظامِ ربوبیت‘ کے نام سے پیش کرتے ہیں جسے کبھی وہ اسلام کے منافی قرار دیا کرتے تھے۔ اب قرآن کی ہر آیت کا مفہوم بدلنا شروع ہو جاتا ہے اور ہر اصطلاح قرآنِ بلحاظِ مفہوم متغیر ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ الغرض اشتراکیت کی عینک جب ’مفکر قرآن‘ کے کانوں کو اپنی گرفت میں لے کر ان کی ناک پر سوار ہو جاتی ہے تو قرآن، حدیث، فقہ اور تاریخ کی ہر چیز ایک دوسرے ہی

رنگ میں نظر آتی ہے۔ اشتراکیت کے پچھڑے کی محبت، جب قلب و دماغ میں رنج بس جاتی ہے تو محاورہ عرب کے نام پر قرآنی مفردات میں کس طرح نئے مفہام ٹھونسے جاتے ہیں اور آیات اللہ میں کس طرح نئی تعبیرات گھسیڑی جاتی ہیں اور تاریخ کے مسلمہ واقعات کو کس طرح پایہٴ حقارت سے ٹھکرایا جاتا ہے، اسے درج ذیل اقتباسات میں ملاحظہ فرمائیے:

”صحیح نظامِ زندگی یہ ہے کہ تم اکتسابِ رزق کے لئے زیادہ سے زیادہ محنت کرو، اور اس میں سے

اپنی ضرورت کے مطابق رکھ لو اور باقی سب دوسروں کی پرورش کے لئے عام کر دو۔“

﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ (۲/۲۱۹) ”تم سے پوچھتے ہیں کہ ہم کس قدر

دوسروں کے لئے کھلا رکھیں؟ ان سے کہہ دو کہ جس قدر تمہاری ضرورت سے زائد ہے، سب کا

سب۔“ (’اسلام کیا ہے؟‘ ص ۱۳۵)

پرویز صاحب کے ذہنی پلٹاؤ کے ساتھ ہی دنیا میں پہلی ڈکشنری چھپ گئی جس میں، انفاق کا معنی

’خرچ کرنا‘ نہیں بلکہ کھلا رکھنا‘ بیان کیا گیا اور اسی طرح ”العفو“ کا مفہوم بھی ذہنی تعبیر کے ساتھ ہی تبدیل

ہو گیا۔ پرویز صاحب کے سابقہ دور میں مفہوم آیت کیا تھا؟ یہ بھی دیکھ لیجئے:

﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ (۲/۲۱۹) ”آپ سے پوچھتے ہیں کہ کتنا خرچ

کریں؟ کہہ دیجئے کہ جتنا آسان ہو۔“ (جولائی ۳۹ء: ص ۶۱)

قُلِ الْعَفْوَ کے جدید مفہوم کی اساس پر نظامِ ربوبیت، جو اشتراکیت ہی کا قرآنی ایڈیشن ہے، کی

عمارت استوار کی گئی۔ اب ’زائد از ضرورت‘ مال و دولت کی موجودگی بھی خلاف قرآن قرار پاگئی اور زمین

کی شخصی ملکیت بھی، نہ صرف خلاف قرآن، بلکہ کفر و شرک قرار پاگئی:

”قرآن کریم کی رو سے زمین (دسائل پیداوار) پر ذاتی ملکیت کا تصور ہی باطل اور شرک کے

متضاد ہے۔“ (’مئی ۶۸ء: ص ۱۷)

اب وہ آیات جو تفاضل فی الرزق پر دلالت کرتی ہیں، ان کا مفہوم بھی بدل گیا۔ مثلاً آیت

(۱۶/۷۱) کے ابتدائی جملہ کا ترجمہ اب یہ قرار پایا:

﴿وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ.....﴾ (۱۶/۷۱) ”مختلف افراد میں، اکتسابی

استعداد کا تفاوت، خدا کی طرف سے ہے (تمہارا اپنا پیدا کردہ نہیں)۔“ (نظامِ ربوبیت: ص ۱۳۲)

جبکہ سابقہ دورِ پرویز میں ان الفاظ کا ترجمہ یہ تھا..... ”اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر باعتبار

روزی کے برتری دی ہے۔“ (معارف القرآن: جلد اول، ص ۱۲۱)

رہا صحابہ کے درمیان، معاشی تفاوت اور تفاضل، تو اسے اب یہ کہہ کر رد کر دیا گیا کہ جب قرآن،

قُلِ الْعَفْوَ کے حکم کی بنا پر کسی کے پاس فاضلہ دولت رہنے ہی نہیں دیتا اور اپنی ’زائد از ضرورت‘ دولت

سے ہر ایک کو دست کش ہونا پڑتا ہے، تو پھر وہ تمام روایاتِ تاریخ جو صحابہ کے معاشی تقاض و برتری کا ذکر کرتی ہیں، قرآن سے متصادم ہو جاتی ہیں؛ لہذا

”جب بھی قرآن کے کسی بیان اور عہدِ محمد رسول اللہ ﷺ والذین معہ کی تاریخ کے کسی واقعہ میں تضاد نظر آئے تو قرآن کے بیان کو صحیح اور تاریخ کے واقعہ کو غلط قرار دینا چاہئے۔“ (جولائی ۵۹ء، ص ۱۲) اور اسے اسی کثرت سے طلوعِ اسلام میں بتکرار دہرایا گیا کہ ۴

تھا جو ناخوب، بتدریج وہی خوب ہوا !!

اب سوال پیدا ہوا کہ کیا عہدِ نبوی میں زمین پر شخصی ملکیت کا خاتمہ کیا گیا تھا؟ کیونکہ نظامِ ربوبیت کے نفاذ کی راہ میں اس سوال سے سابقہ پیش آنا ناگزیر ہے۔ چنانچہ اس کا جواب ڈھونڈنے کے لئے قرآن کی ورق گردانی شروع ہوئی۔ نگاہِ مطلب جو، سورۃ الرعد اور سورۃ الانبیاء کی ان دو آیات پر لگی جن کے الفاظ ایک جیسے ہیں۔ اگرچہ ان سے زمین کی شخصی ملکیت کا خاتمہ تو ثابت نہ ہو سکا، البتہ خدع و فریب کے ہتھیار استعمال کرتے ہوئے اول مرحلے پر زمینی ملکیتوں کی حد بندی کشید کر ڈالی گئی۔ دونوں آیات مع ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا﴾ (۱۲/۴۱) ”کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم ان (ظالموں) پر ہر طرف سے زمین تنگ کرتے چلے آ رہے ہیں۔“ اور

﴿أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ﴾ (۲۱/۴۳) ”کیا یہ لگان نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو تمام سمتوں سے ان پر تنگ کرتے چلے آ رہے ہیں، کیا وہ غالب ہوں گے؟“

آپ یقیناً حیران ہوں گے کہ آیت میں تو رقبہ ہائے اراضی کی حد بندی کی سرے سے کوئی بات ہی نہیں ہے، پھر آخر اس سے یہ مطلب کیسے نچوڑ لیا گیا؟ لیکن اس میں حیرانی کی کیا بات ہے؛ مفکر قرآن، لغت ہائے مجازی کے قارون بھی ہیں، اس قارونی خزانے سے وہ خود فائدہ نہ اٹھائیں تو اور کون اٹھائے گا۔ لغوی موشگافیوں کے نتیجے میں آیت کا ترجمہ وہ نہیں رہ گیا جو اوپر درج ہے، بلکہ اس کا ترجمہ یوں قرار پایا:

”کیا یہ لوگ اس حقیقت پر غور نہیں کرتے کہ ہم کس طرح زمین کے رقبوں کو جاگیر داروں کی ملکیت سے کم کرتے جاتے ہیں.....“ (۱۲/۴۱) (نظامِ ربوبیت: ص ۴۰۰)

”سورۃ الانبیاء میں کہا ہے کہ انہیں اور ان کے آباء و اجداد کو زمین متاعِ حیات حاصل کرنے کے لئے ملی تھی۔ اس پر زمانہ گزر گیا تو انہوں نے اس پر قبضہ مخالفانہ جمالیایا۔ اب ہم آہستہ آہستہ اسے ان کے ہاتھوں سے نکال رہے ہیں۔ ہمارے اس پروگرام کی تکمیل ہو کر رہے گی۔ یہ ہمیں مغلوب

نہیں کر سکیں گے۔“ (شاہکار رسالت: ص ۳۲۵)

میں اگر پرویز صاحب کے اس تحریفی کارنامے کی قلعی کھولنے کے لئے لغوی اور صرفی و نحوی طور پر اغلاط پرویز کو واضح کروں تو اس کا فائدہ نہیں، کیونکہ ’مفکر قرآن‘ کو خوش نصیبی سے ایسے اندھے عقیدت مند میسر آئے ہیں جو ان کے ہر تحریفی کارنامے کو ایسا ’علمی نکتہ‘ قرار دیتے ہیں، جس پر ’ملائے اب تک‘ پردے ڈال رکھے تھے۔ اس لئے میں بغیر کسی لمبی چوڑی بحث میں پڑے، ان ہی آیات کے وہ صحیح تراجم پیش کئے دیتا ہوں جو سابقہ دور میں خود انہوں نے کئے تھے:

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقَّبَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ (۱۳/۴۱)

”پھر کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم اس سرزمین کا قصد کر رہے ہیں؟ اسے اطراف سے گھٹا کر (ظالموں پر) اس کی وسعت تنگ کر رہے ہیں، اور جو فیصلہ اللہ کرتا ہے کوئی نہیں جو اسے ٹال سکے، وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے۔“ (معارف القرآن: جلد اول، ص ۴۷۴)

﴿بَلْ مَتَّعْنَا هَؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتَّى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا أَفَهُمُ الْعَالِبُونَ﴾ (۲۱/۴۴)

”اصل یہ ہے کہ ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو (فوائدِ زندگی سے) بہرہ ور ہونے کے موقعے دیے۔ یہاں تک کہ (خوش حالیوں کی سرشاری میں) ان کی بڑی بڑی عمریں گزر گئیں (اور اب غفلت ان کی رگ رگ میں رچ گئی ہے) مگر کیا یہ لوگ نہیں دیکھ رہے کہ ہم زمین کو چاروں طرف سے ان پر تنگ کرتے ہوئے چلے آ رہے ہیں؟ پھر کیا وہ (اس مقابلہ میں) غالب ہو رہے ہیں؟“ (معارف القرآن: جلد سوم، ص ۶۶۳)

الغرض، پرویز صاحب کے تضادات و تناقضات کو کہاں تک بیان کیا جائے؟

سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لئے!

جس طرح قرآن کے عجائبات کی کوئی حد تک نہیں، اسی طرح جناب پرویز صاحب کے تضادات کی

کوئی انتہا نہیں!!

’مفکر قرآن‘ کا طریقہ واردات یہ ہے کہ ہر وہ چیز، جو ان کے مزعومات کے خلاف ہو، وہ اسے

خلاف قرآن قرار دے کر، اپنے قاری کو تذبذب کے گرد و غبار میں ایک ایسے دوراے پر کھڑا کر دیتے ہیں

جہاں اسے ’قرآنی‘ یا ’غیر قرآنی‘ راستے میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا پڑتا ہے۔ بغیر اس کے کہ وہ سوچ

بھی سکے کہ جسے ’قرآنی راستہ‘ کہا جا رہا ہے۔ وہ فی الواقعہ قرآنی راستہ ہے بھی یا نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ



کسی 'شیطان' نے یہی اس پر 'قرآنی راستہ' کا سائن بورڈ آویزاں کر دیا ہوتا کہ بندگانِ خدا کو اپنے جہنم میں لے جائے؛ ٹھیک اس تکنیک پر عمل پیرا ہوتے ہوئے، وہ پہلے یہ وعظ فرماتے ہیں:

”قرآن کا دعویٰ ہے کہ ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ (۴/۸۲) ”اگر قرآن، اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سے اختلافات پائے جاتے۔“ بالفاظِ دیگر قرآن کے مخائب اللہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں..... اس نے اپنے نزول کا مقصد یہ بتایا ہے کہ ﴿وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ﴾ (۱۶/۶۴) ”اس کتاب کو نازل ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ جن امور میں لوگ اختلاف کرتے ہیں، انہیں نمایاں طور پر واضح کیا جائے۔“..... اس نے مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ (۴۲/۱۰) ”جس بات میں بھی تم میں اختلاف ہو جائے، اس کا فیصلہ اللہ کی کتاب (کتاب نہیں بلکہ وحی..... قاسمی) سے کرالیا کرو۔“ (اگست ۵۹ء، ص: ۶)

پھر اس وعظ کی اگلی خوراک، بایں الفاظ دی جاتی ہے:

”اب ظاہر ہے کہ جس کتاب کا اپنے متعلق یہ دعویٰ ہو، اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ اختلافات مٹانے کی صلاحیت نہیں رکھتی، دو میں سے ایک بات کو ثابت کر دیتا ہے یعنی (۱) یا تو یہ کہ اس کتاب کا (معاذ اللہ) دعویٰ غلط ہے اور یا یہ کہ (۲) ایسا کہنے والے جھوٹے ہیں۔“

پھر اس وعظ کی آخری خوراک کے ذریعہ، تلاشِ حق کے مسافر کے ذہن میں، جو متذبذب کھڑا ہے

یہ نتیجہ القا کیا جاتا ہے:

”پہلی بات تو کوئی مسلمان (ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے) کبھی تسلیم نہیں کر سکتا، لہذا بات دوسری ہی ہے یعنی جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کے مطابق چلنے کے باوجود اختلافات نہیں مٹ سکتے، وہ جھوٹ بولتے ہیں اور قرآن پر بہتان باندھتے ہیں بلکہ اس کے منزل من اللہ ہونے سے انکار کرتے ہیں۔“ (اگست ۵۹ء، ص: ۶)

حالانکہ ان دو شقوں کے علاوہ ایک تیسری شق بھی ہے یعنی یہ کہ..... ”قرآن کا جو مفہوم آپ نے بیان کیا ہے، وہ غلط ہو؛ اور اختلاف اسی مفہوم کی وجہ سے لازم آتا ہو؛..... اور اصل حقیقت بھی یہی ہے۔

تعبیراتِ قرآنیہ کے یہ وہ اختلافات ہیں، جو دو گروہوں کی طرف سے نہیں بلکہ اہل قرآن کے صرف ایک فرقہ کے قائد کی طرف سے وقتاً فوقتاً صادر ہوتے رہے ہیں۔ اور یہ بھی چند ایک بطورِ نمونہ مشتبہ ازخوارے ہیں، جو شخص بھی خالی الذہن ہو کر ان حقائق پر غور کرے گا، اسے یہ حقیقت پالینے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی کہ پرویز صاحب کی ساری زندگی تضادات کا مجموعہ ہے۔ اگر ان کے جملہ تضادات کو یکجا کیا جائے تو اچھی خاصی ضخیم کتاب مرتب ہو جائے گی (اور فی الواقعہ میرا ارادہ یہ ہے کہ میں

پرویز صاحب کا تضاد اتنی اسلام کے عنوان سے ایسا کر ہی دوں۔ ان تضادات سے آپ خود اندازہ لگا لیجئے کہ ان کا قرآن، ۱۹۳۷ء سے قبل کے قرآن سے کس قدر مختلف ہے۔

قرآن تو جبرئیلؑ لایا، مگر اس کی مراد و مقصود کو طے کرنے کا معاملہ درپیش ہوا تو شیطان نے اپنے کرتب دکھائے، اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ قرآن باز بچہ اطفال بنا، زانوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن آئے، حرفِ شیریں کی تعبیر و تفسیر، پرویزی جیلوں کے ہتسے چڑھ گئی۔ جبرئیلؑ و ابلیس میں آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے ہو رہے تھے۔ زمین اس بد بختی پر روتی تھی، تقدیر ہنستی تھی، پرویزی ہتھکنڈوں نے کتاب اللہ کو تضادات کا ایسا پلندہ بنا دیا کہ ہر بہرے کو یہ سنائی دینے لگا اور ہر اندھے کو یہ دکھائی دینے لگا کہ پرویز کا آج کا قرآن کل کے قرآن سے کس قدر مختلف ہے اور پھر

**جھوٹ بھی اور تحری و تعلی بھی!**

کس قدر جرأت اور دیدہ دلیری کے ساتھ یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ  
 ”میں نے جو کچھ ۱۹۳۸ء میں کہا تھا، ۱۹۸۰ء میں بھی وہی کچھ کہتا ہوں کیونکہ یہ قرآنی حقائق پر مبنی ہے اور قرآنی حقائق ابدی اور غیر متبدل ہیں..... قرآن کو حجت اور سند ماننے والے کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ آج کچھ کہہ دے اور کل کچھ اور۔ قرآن کا تتبع، نہ مداہنت کر سکتا ہے، اور نہ کسی سے مفاہمت۔“ (دسمبر ۸۰ء ص ۶۰)

اور پھر بڑے فخر سے اشعار اقبال کا خود کو مصداق بنا کر پیش کیا جاتا ہے:

کہتا ہوں وہی بات، سمجھتا ہوں جسے حق نہ ابلہ مسجد ہوں، نہ تہذیب کا فرزند  
 اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں، بیگانے بھی ناخوش میں زہر ہلا بل کو کبھی کہہ نہ سکا قد  
 مشکل ہے کہ اک بندہ حق میں و حق اندیش  
 خاشاک کے تودے کو کہے کوہ دما دند

(ماہنامہ طلوع اسلام: دسمبر ۸۰ء ص ۶۰)

پھر بات صرف اتنی ہی نہیں کہ ”مفکر قرآن“ صاحب عمر بھر مختلف اور متضاد تعبیریں کرتے رہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر وہ یہ دعویٰ بھی کرتے رہے ہیں (جیسا کہ اوپر کے اقتباس سے بھی واضح ہے) کہ ان کی جملہ کتب میں کوئی تضاد و تناقض پایا ہی نہیں جاتا، گویا جس طرح قرآن اختلاف سے بالاتر ہے، اس طرح پرویزی تعبیرات بھی تضاد سے مبرا ہیں، کس قدر تحری و تعلی اور پندارِ نفس سے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ  
 ”طلوع اسلام ۱۹۳۸ء میں جاری ہوا، اور تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۸ء سے اب تک مسلسل اور متواتر پابندی و وقت کے ساتھ جاری رہا۔ قرآنی رہنمائی اور علم انسانی کی روشنی میں زمانے کے تقاضوں اور

حالاتِ حاضرہ کا جائزہ لینا اس کا مشن ہے۔ اس کی اشاعتوں کے انبار میں سے آپ کوئی سے دو پرچے اٹھا لیجئے؛ جہاں تک قرآنی فکر کا تعلق ہے، آپ کو اس میں کوئی تضاد، کوئی متخالف نہیں ملے گا یہ اس لئے کہ قرآن کریم کی رو سے اس کے من جانب اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں کوئی تضاد نہیں، کوئی اختلاف نہیں۔ اس لئے جو کچھ قرآنی رہنمائی میں کہا جائے گا، اس میں بھی کوئی تضاد و متخالف نہ ہوگا۔“ (جولائی ۸۴ء: ص ۳۳)

سبحان اللہ! کیا کہنے، ’مفکر قرآن‘ کی تعبیرات کے! کس قدر، ان کی شان بلند ہے کہ قرآن ہی کی طرح، اختلاف سے بالاتر ہیں۔ احادیثِ رسول میں اختلافات ہیں مگر تعبیراتِ پرویز، مبرا از اختلافات ہیں۔ نبی تو اپنی تیس (۳) سالہ پیغمبرانہ زندگی میں (معاذ اللہ) قرآن کی تشریح و تبیین کرتے ہوئے اختلافات سے محفوظ نہ رہ سکا۔ مگر پرویز صاحب نے عمر بھر جو قرآنی تعبیرات پیش کی ہیں، ان میں نہ تضاد ہے نہ متخالف۔ رسول خدا ﷺ معصوم ہو کر بھی (معاذ اللہ) تبیین قرآن میں تضادات سے نہ بچ سکے مگر پرویز صاحب غیر معصوم ہو کر قرآنی تشریحات میں تضاد سے محفوظ رہے: ﴿يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَ كُنْتُ نَسِيًا مَّنْسِيًا﴾

دھڑکنا بند کر اے دل، نظر کے نور گم ہو جا  
وہ بے غیرت ہے جو اس دور کے شام و سحر دیکھے!

## علماء کرام کے خلاف تعلیقاتِ پرویز

آخر پرویز صاحب کے ان تضادات و تناقضات کا کوئی کہاں تک تعاقب کرے؟ علما کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ وہ قرآن و سنت کی خدمت کی روش سے ہٹ کر پرویز صاحب کے تضادات کے خارزار میں آبلہ پائی کریں۔ لیکن علماء کرام کی یہ روش خواہ کتنی ہی نیک نیتی سے ہو، اس سے شیطان کو اس بات کا موقع مل گیا کہ ’مفکر قرآن‘ کی پیٹھ پر تھپکی دے کر اسے اس زعمِ باطل میں مبتلا کر دے، کہ ”تمہارے دلائل“ کا جواب، کسی سے بن پڑ ہی نہیں سکتا،“ پھر ہمارے ’مفکر قرآن‘ پندار نفس، غرور، علم اور عزت الاثم کی بلند یوں پر پرواز کرتے ہوئے، بتکرار یہ اعلان کیا کرتے تھے کہ

”ملا کے پاس نہ علم ہوتا ہے، نہ بصیرت؛ نہ دلائل ہوتے ہیں نہ براہین“ (۵ فروری ۱۹۵۵ء: ص ۴)  
”ان کے پاس طلوعِ اسلام کے دلائل کا کوئی جواب نہ تھا، اس لئے انہوں نے اس سلسلہ میں وہی ٹیکنیک اختیار کی جو ہمانیت کا بنیادی خاصہ ہے یعنی انہوں نے پراپیگنڈہ شروع کر دیا، کہ طلوعِ اسلام منکر سنت ہے، منکر شانِ رسالت ہے۔“ (مئی ۷۲ء: ص ۲۸)

طلوعِ اسلام کا مطلب یہ ہے کہ جھوٹے کو جھوٹا، خائن کو خائن، منافق کو منافق اور 'منکر حدیث' کو 'منکر حدیث' نہ کہا جائے کہ یہ 'اخلاقاً' بری بات ہے اور 'خلافِ تہذیب' ہے۔ کیا خوب کہا تھا اکبر الہ آبادی نے کسی ایسے ہی موقع پر

مغوی کو برا مت کہو ترغیب ہے یہ  
میں کس سے کہوں نفس کی تخریب ہے یہ  
شیطان کو رحیم کہہ دیا تھا اک دن!  
اک شور اٹھا خلافِ تہذیب ہے یہ

بہر حال یہ تو جملہ معترضہ ہے، تعلیقات پر ویز کا سلسلہ جاری ہے، وہ لکھتے ہیں:

”مولوی صاحبان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا، انہوں نے اسی میں عافیت سمجھی تو ’طلوعِ اسلام‘ کو ’منکر سنت‘ قرار دے دیا جائے اور پرویز صاحب کے خلاف کفر کے فتوے لگا دیے۔“  
(جون ۱۳۷۳ء: ص ۱۲)

”اس کے (پرویز صاحب..... قاسمی) اعتراضات کا ان کے (علما کے..... قاسمی) پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اس کے لئے انہوں نے اپنا دیرینہ حربہ استعمال کیا یعنی اسے ’منکر حدیث‘ قرار دے کر اس کے خلاف کفر کے فتوے صادر کر دیے۔“  
(جولائی ۱۹۸۲ء: ص ۵۷)

پرویز نے اپنے خلاف علماء کے فتوے کو تو خوب اُچھالا ہے کہ انہوں نے اسے منکر سنت قرار دیا تھا۔ لیکن خود انہوں نے علماء کے خلاف..... بلکہ اپنے گروہ کے سوا، باقی سب کے خلاف..... منکر قرآن ہونے کا جو فتویٰ دیا تھا، اس کی کبھی ایسی تشبیہ نہیں کی۔ چنانچہ کارل مارکس کی 'اشتراکیت' پر جب قرآن کا ٹھپہ لگا کر نظامِ ربوبیت کے نام سے پیش کیا تو اس وقت فرمایا:

”لیکن اس آواز کی مخالفت، تمام منکرین قرآن کی طرف سے ہوگی۔“ (نومبر ۱۹۵۲ء: ص ۸)

”..... ظاہر ہے کہ اس جواب کے بعد نہ قرآن ہی قابل یقین رہتا ہے نہ احادیث اور یہی

منکرین قرآن کا مقصود تھا۔“ (نومبر ۱۹۵۲ء: ص ۶۶)

یتیم پوتے کی میراث کی بحث میں، مولانا مودودی پر خاص طور پر منکر قرآن کا فتویٰ لگاتے ہوئے، ان کا اقتباس پیش کرنے سے قبل، یہ لکھا کہ

”طلوعِ اسلام نے اپنی سابقہ اشاعت میں قرآنی دلائل سے ثابت کیا کہ یتیم پوتا اپنے دادا کی

وراثت سے محروم نہیں ہو سکتا۔ اس کے جواب میں منکرین قرآن کی طرف سے جو جواب شائع ہوا

وہ ملاحظہ فرمائیے.....“ (اکتوبر ۱۹۵۲ء: ص ۵۸)

## پرویز کی تعبیرات..... احکام قرآن میں

حقیقت یہ ہے کہ وہ قرآنی الفاظ و آیات میں اپنے طبع زاد مفاہیم و تصورات گھسیڑا کرتے تھے، اور پھر ان خود ساختہ قرآنی تعبیرات کو رد و قبول کا معیار قرار دیا کرتے تھے، حالانکہ آیات و الفاظ قرآن تو واقعی منزل من اللہ ہیں، لیکن انسانی تعبیرات قرآن یہ منزل من اللہ نہیں بلکہ بشری تشریح کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ بات خود پرویز صاحب کو مسلم تھی:

”دین میں حجت، قرآن کریم کا متن ہے، نہ کہ کسی انسان کی تشریح، تفسیر یا تعبیر۔“

(اگست ۶۸ء، ص: ۳۰)

اب ظاہر ہے کہ علماء اگر پرویز صاحب کی تعبیر کا انکار کرتے ہیں تو وہ ایک انسان کی تعبیر قرآن کا انکار کرتے ہیں نہ کہ نفس قرآن کا۔ لیکن ’مفکر قرآن‘ اپنے آپ کو ایسے بلند مقام پر فائز سمجھتے تھے کہ اگر کوئی ان کی تعبیر کا انکار کرتا تو وہ اسے قرآن کا منکر اور مخالف قرار دیا کرتے تھے۔

”میں بلا تشبیہ اور بلا تمثیل عرض کرنے کی جرات کروں گا کہ یہ لوگ میری مخالفت نہیں کرتے،

کتاب اللہ کی مخالفت کرتے ہیں۔“ (دسمبر ۷۸ء، ص: ۵۲)

وہ اپنے جی سے مفہوم گھڑ کر منسوب الی القرآن کیا کرتے تھے اور پھر اسے ’قرآنی معیار‘ قرار دے

کر یہ کہا کرتے تھے کہ

”ہمارا مقصد صرف قرآنی حقائق بیان کرنا ہے، اس سے اگر کسی مرؤبہ عقیدے یا کسی کے دعوے

پر زد پڑتی ہے تو اس کی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس باب میں مدعی قرآن ہے، ہمارا

فریضہ قرآن کے دعاوی کو پیش کرنا ہے اور بس.....“ (جنوری ۸۵ء، ص: ۲۱)

## اتباعِ پرویز اور تضاداتِ پرویز

پرویز صاحب کے ان تعبیری تضادات کو دیکھئے اور پھر داد دیجئے۔ پرویز صاحب کے اندھے

مقلدین کو جو یہ شور مچایا کرتے تھے کہ

”پرویز صاحب کی تحریروں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ نہ کبھی پرانی ہوتی ہیں اور نہ ہی ان

میں کہیں تضاد واقع ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ جو کچھ لکھتے ہیں، قرآن کریم کی روشنی میں لکھتے ہیں اور

قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ اس کے حقائق کبھی پرانے نہیں ہوتے، نہ ہی ان میں کسی قسم کا تضاد و تخالف

ہے۔“ (فروری ۸۳ء، ص: ۲۶)

اس سے اندازہ کر لیجئے کہ پرویز صاحب کے واضح، صاف، بین اور چمکتے ہوئے تضادات کے وجود

کا صریح انکار، مقلدینِ پرویز کی فکری صلاحیتوں کو کس قدر مفلوج کر چکا ہے۔ وہ پرویز صاحب کو قرآن

میں ایسی اتھارٹی سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی متضاد و متخالف تعبیرات میں سے جس تعبیر کو بھی مختلف اوقات میں پیش کیا، اس قوم ’عمون‘ نے اسے من و عن قبول کر لیا اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ان کی متضاد اور متناقض تحریروں کی بنا پر کسی تحریر سے، انہوں نے اختلاف کیا ہو۔

پرویز صاحب نے کہا کہ ”اشتراکیت شخصی ملکیت کی قائل نہیں جبکہ اسلام اس کا قائل ہے۔“ سعادت مند مقلدین نے کہا: ”اَمَّنَا وَصَدَقْنَا“ پھر کہا کہ ”اسلام میں شخصی ملکیت کا کوئی وجود نہیں۔“ شاگردان نیک بخت نے کہا ”بالکل درست“..... مفکر قرآن نے کہا کہ ”قتل عمد میں قصاص (قتل کا بدلہ قتل) دیت اور عفو کے تینوں پہلو موجود ہیں“ پیروکاروں نے کہا ”بجا ارشاد فرمایا“ پھر پینتر ابدل کر کہا کہ ”قتل عمد کی سزا صرف قتل ہے، رہے عفو اور دیت کے پہلو، تو ان کا تعلق قتل عمد سے ہے ہی نہیں۔“ انہوں نے کہا ”درست فرمایا“..... مفکر قرآن نے کہا کہ ”اسلام میں ڈھائی فیصد زکوٰۃ امر واقعہ ہے“ یہ بولے ”أحسننت ومرحبا“ پھر اس کے برعکس یہ کہا: ”یہ ڈھائی فیصد زکوٰۃ تو عجمی اسلام کی سازش کے ذریعہ اُمتِ مسلمہ کے گلے مڑھ دی گئی ہے، بھلا اسلام کا اس سے کیا تعلق؟“ فکر و شعور سے عاری قوم نے کہا ”سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا“..... الغرض، مفکر قرآن عمر بھر جس متناقض قول کو بھی پیش کرتے رہے، مفلوج الفکر مقلدین نے ہر مقام پر یہی کہا:

سر تسلیم خم ہے، جو مزاج یار میں آئے!

حرام اور قطعی حرام!..... جو یہ لوگ کبھی ایک مقام پر کھڑے ہو کر سوچیں کہ پرویز صاحب ایک

طرف تو یہ کہتے ہیں کہ:

”قرآن کو سند اور حجت ماننے والا تو ساری عمر میں دو متضاد باتیں بھی قرآن کی سند سے نہیں کہہ

سکتا“ (اپریل ۶۷ء ص ۵۸)

اور دوسری طرف وہ ساری عمر، قرآن کا نام لے کر تضادات کا خازن رہی پیدا کرتے رہے، لیکن سوچے تو وہ جس کی فکر میں صحت اور سلامتی کی کوئی رفق باقی رہ گئی ہو۔ یہ تو بس بھیڑوں کی قطار ہے جو برسوں سے اس رستے پر چلی جا رہی ہے جس پر کبھی کوئی پہلی بھیڑ چل نکلی تھی:

﴿كَمَثَلِ الذِّبْيِ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءَ أَوْ نِدَاءً﴾ (البقرة: ۱۷۱)

”مفکر قرآن کی خوش قسمتی: کیسا خوش قسمت تھا وہ ”مفکر قرآن“ جسے اس قسم کے پیروکار میسر آ گئے

جولب و دہن اور گوش و بصر بند کر کے اس کے پیچھے، اس کی وفات کے بعد بھی اسی طرح چلتے جا رہے ہیں جیسے شعرا کے پیچھے ’غناون‘ کی ٹولی بھٹکا کرتی ہے۔

## ایک نادر شاہی مطالبہ

گذشتہ بحث سے یہ واضح ہے کہ پرویز صاحب مختلف اوقات میں قرآن کی مختلف اور متضاد تعبیریں پیش کرتے رہے ہیں۔ پھر اس پر خود ’مفکر قرآن‘ کا یہ نادر شاہی مطالبہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ ”جہاں تک عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے دور کا تعلق ہے، ہمیں چاہئے تھا کہ اس تاریخ کو قرآن مجید کی کسوٹی پر پرکھتے۔ جو واقعات اس کے مطابق ہوتے انہیں قبول کر لیتے، جو اس کے خلاف جاتے، انہیں وضعی قرار دے کر مسترد کر دیتے۔ یہ اس لئے کہ (خود قرآن مجید کی شہادت کی رو سے) ان حضرت کی زندگی، قرآن کے قالب میں ڈھلی ہوئی تھی، اور وہی ان کی سیرت کی تاریخ کا معیار قرار پا سکتا تھا؛ لیکن ہم نے ایسا نہ کیا۔“ (نومبر ۸۰ء: ص ۶۰)

اب غور فرمائیے کہ پرویز خود تو ساری عمر، قرآن کی متضاد تعبیریں پیش کرتے رہے ہیں۔ ان کی کس تعبیر کو حتمی معیار قرار دے کر احادیث اور تاریخ کی روایات کو پرکھا جائے؟ فرض کیجئے کہ آج انہوں نے ایک تعبیر پیش کی، ’محققین‘ کا ایک بہت بڑا گروہ اس تعبیر کی اساس پر، روایات، احادیث و تاریخ کو کھگانے کا کام شروع کر دیتا ہے، وہ ابھی اس ’کارِ خیر‘ سے فارغ ہوا یا نہیں کہ ’مفکر قرآن‘ کی فضاءِ دماغی میں خیال کا نیا جھگڑ آیا، اور اس کے ساتھ ہی پہلی تعبیر بھی مرغِ بادِ ناما کی طرح بدل گئی۔ اب اس دوسری تعبیر کے مطابق، روایات کی چھان بین کا سلسلہ از سر نو پھر آغاز پذیر ہوا۔ ابھی یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا کہ نہیں، مگر یہ خبر آگئی کہ ’مفکر قرآن‘ کی دوسری تعبیر بھی ترمیم کا نشانہ بن گئی۔ اب تیسری تعبیر کے مطابق، پھر نئے سرے سے، جانچ پڑتال کا یہ سلسلہ شروع ہوگا اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک ’مفکر قرآن‘ کے صحراءِ دماغی میں خیالات کی آندھیاں چلتی رہیں گی۔

یہ ہے وہ مقامِ عالی مرتبت جو ’مفکر قرآن‘ صاحب نے اپنے لئے اختیار کر رکھا تھا، کہ تاریخ اور احادیث کی روایات، دست بستہ، ان کے حضور کھڑی رہیں اور پرویز صاحب ہر بدلتی تعبیر کے مطابق ان کی صحت اور عدم صحت کا فیصلہ فرماتے رہیں اور ان کی تعبیر کے تغیر پر لازم ہے کہ ہر چیز بدل جائے۔

## خلاصہ بحث

ہماری یہ بحث اس امر کو واضح کر دیتی ہے کہ اگرچہ الفاظ قرآن متفق علیہ ہیں مگر ان کی تعبیرات میں اختلاف ایک فطری امر ہے۔ احادیث کے اختلاف کی آڑ میں، ان سے جان چھڑا کر جو لوگ تنہا قرآن کا نعرہ لگا رہے ہیں، وہ خود بھی قرآن کی کسی ایک تعبیر پر متفق نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ خود ’مفکر قرآن‘ بھی مختلف اوقات میں متضاد تعبیریں پیش کرتے رہے ہیں۔ اب اگر قرآن تعبیراتی اختلاف کے باوجود سند و حجت

بن سکتا ہے تو سنت نبویہ کیوں نہیں بن سکتی؟ منکرین حدیث، قرآن کے متن اور الفاظ کے متفق علیہ ہونے پر جو زور دیتے ہیں، تو یہ محض پانی میں مدھانی چلانے کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ عملی زندگی میں جو چیز مطلوب ہے وہ متن قرآن یا الفاظ قرآن نہیں، بلکہ وہ مفہوم ہے جو متن یا الفاظ سے حاصل کیا جاتا ہے، اگر اس مفہوم میں اختلاف ہو تو خود سوچئے کہ الفاظ قرآن کا متفق علیہ اور سند و حجت ہونا یا نہ ہونا ایک برابر ہے۔ لہذا منکرین سنت کا یہ موقف ہی غلط ہے کہ ”دستور حیات، صرف وہی چیز ہو سکتی ہے جو اختلاف سے بالاتر ہو۔“ مولانا مودودی نے ڈاکٹر عبدالودود سے قلمی مناظرہ کے دوران اسی بات کو بایں الفاظ بیان کیا تھا اور ڈاکٹر عبدالودود صاحب اس کا کوئی جواب نہ دے پائے تھے:

”ڈاکٹر صاحب خود فرما رہے ہیں کہ ”تعبیر ایک انسانی فعل ہے جو کسی دوسرے کے لئے حجت اور سند نہیں ہو سکتا۔“..... اس صورت میں تو لامحالہ الفاظ ہی حجت اور سند رہ جاتے ہیں اور معنی میں اختلاف ہو جانے کے بعد، ان کا حجت و سند ہونا لا حاصل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ عملاً جو چیز نافذ ہوتی ہے، وہ کتاب کے الفاظ نہیں بلکہ اس کے وہ معنی ہوتے ہیں جنہیں کسی شخص نے الفاظ سے سمجھا ہو۔ اس لئے میں نے دوسرے خط میں ان سے عرض کیا تھا کہ پہلے آپ اپنے اس نقطہ نظر کو بدلیں کہ ”آئین کی بنیاد صرف وہی چیز بن سکتی ہے جس میں اختلاف نہ ہو سکے۔“ اس کے بعد جس طرح یہ بات طے ہو سکتی ہے کہ قرآن مجید بجائے خود اساسِ آئین ہو، اور اس کی مختلف تعبیرات میں سے، وہ تعبیر نافذ ہو جو کسی باختیار ادارے کے نزدیک اقرب الی الصواب قرار پائے۔ اسی طرح یہ بات بھی طے ہو سکتی ہے کہ سنت کو بجائے خود اساسِ آئین مانا جائے اور معاملات میں عملاً وہ سنت نافذ ہو جو کسی باختیار ادارے کی تحقیق میں سنت ثابتہ قرار پائے۔

جس طرح قرآن کے الفاظ کو اساسِ آئین ماننے کا فائدہ یہ ہوگا کہ تعبیر کے اختلافات کا سارا پتھر صرف الفاظ قرآن ہی کے حدود میں گھوم سکے گا، ان کے دائرے سے باہر نہ جاسکے گا۔ اسی طرح سنت کو اساسِ آئین ماننے کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہمیں اپنے عمل کے لئے، انہی ہدایات و تعلیمات کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جو رسول اللہ ﷺ سے ماثور ہیں اور ہم کوئی آزادانہ قانون سازی، اس وقت تک نہ کر سکیں گے جب تک تحقیق سے ہمیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ فلاں مسئلے میں کوئی سنت ثابت نہیں ہے۔ یہ سیدھی سی بات ماننے میں آخر کیا وقت ہے؟“

(ترجمان القرآن، ستمبر ۱۹۶۱ء، منصب رسالت نمبر ۱۵، ۱۵۸)

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

پروفیسر حافظ محمد دین قاسمی کے ماہنامہ محدث میں فتنہ انکار حدیث کے حوالے سے متعدد مقالات باقاعدگی سے شائع ہوتے رہے ہیں۔ جن کی جامع فہرست کے لئے ملاحظہ کیجئے صفحہ نمبر



## اطاعتِ رسول ﷺ اور پرویز

کتابچہ 'اطاعتِ رسول' از پرویز پراک ناقدانہ نظر

### پرویزیت اور احمدیت میں مشترک قدر

جو لوگ 'ادارہ طلوغ اسلام' کے اغراض و مقاصد اور مسٹر غلام احمد پرویز کے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہیں، ان کو یقیناً ادارہ مذکور کے شائع کردہ پمفلٹ موسومہ 'اطاعتِ رسول' کے نام سے بڑی حیرت ہوگی۔ لیکن یہ حیرت اسی قسم کی حیرت ہے جو مجھے مرزا غلام احمد قادیانی کی جماعت احمدیہ کے ترجمان اخبار 'الفضل' کی ایک خصوصی اشاعت موسومہ 'خاتم النبیین' نمبر کے نام سے ہوئی تھی۔ کیونکہ مسٹر غلام احمد کا یہ درس 'اطاعتِ رسول اور مرزا غلام احمد قادیانی کا وہ عقیدہ ختم نبوت نہ فی الواقع درسِ اطاعتِ رسول ہے اور نہ اعتراف ختم رسالت!

جس طرح ختم رسالت کے معنی سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر بعثت انبیا ختم ہوگئی اور وہ آخری نبی تھے۔ اسی طرح اطاعتِ رسول اللہ ﷺ کے معنی سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ حضور کے ارشادات کی اطاعت کی جائے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ اطاعت ممکن ہی جب ہے کہ جس کی اطاعت کی جائے، اس کا حکم و ارشاد یا اس کی رہنمائی و ہدایت موجود ہو۔ اگر کوئی حکم یا ہدایت موجود ہی نہ ہو تو اس کی اطاعت کے کیا معنی یا اگر ہدایت اور حکم تو ہو لیکن کوئی شخص اس پر عمل کرنا ضروری نہ سمجھتا ہو تو پھر اطاعت کیوں کرے گا؟

اب یہ عجیب اتفاق ہے کہ مرزا غلام احمد اور مسٹر غلام احمد دونوں ہی ختم نبوت اور اطاعتِ رسول کے منکر ہیں۔ لیکن دونوں ہی بالترتیب ختم نبوت اور اطاعتِ رسول کے مسئلے پر زور دیتے ہیں۔ وہ آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین تسلیم کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہ اطاعتِ رسول کا درس دیتے ہیں لیکن جس طرح کا ان کو اعتراف ہے اور جس قسم کی ان کی تفہیم ہے، اس کا مطلب اعتراف و تبلیغ کی بجائے محض انکار و تردید ہے اور یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ انکار کے لئے جو طریق کار (یا تکنیک) اول الذکر نے اختیار کیا، وہی بعینہ ثانی الذکر نے اختیار کیا یعنی مرزا غلام احمد نے لفظ 'خاتم النبیین' کے معنی بدل ڈالے اور مسٹر غلام احمد نے اطاعتِ رسول کا مطلب پلٹ دیا۔

جس طرح مرزا یوں نے کہا کہ خاتم النبیین کے جو معنی سمجھے جاتے تھے (یعنی آخری نبی) وہ غلط ہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نبی جس کے بعد اس کی اُمت میں بہت سے نبی ہوں، اسی طرح پرویز یوں نے کہا کہ اطاعتِ رسول کا جو مطلب سمجھا جاتا ہے (یعنی ارشاداتِ آنحضرتؐ کی پیروی) وہ غلط ہے۔ اور اس کا صحیح مطلب ہے ’مرکزِ ملت کی اطاعت‘ !!

مرزا غلام احمد کی ہفوات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ان کی جماعت میں سے بہت سے لوگوں کا خود اپنے پیشوا کے عقائد اور اپنے طرزِ عمل پر تاسف بڑھتا جا رہا ہے۔ لیکن مسٹر پرویز کے پیروکاروں کے حوصلے ابھی بلند ہیں اور ان کے خیالات کی کشتی ان کے منتشر اور غیر متوازن افکار کی تاریکیوں میں ساحل کی بجائے خوفناک چٹانوں کی طرف بہتی چلی جا رہی ہے۔ ہمیں اس کشتی سے کوئی دلچسپی نہیں البتہ ان لوگوں کی سلامتی مقصود اور محبوب و مطلوب ہے جو اس پر سوار ہیں۔ اسی مدعا کے پیش نظر میں ان کے رسالہ ’اطاعتِ رسول‘ کے مضمرات پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ وما توفیقی إلا باللہ

### ’عبادتِ بندگی‘ اور ’اطاعتِ محکومیت‘ کو خلطِ ملط کرنے کی کوشش

مقامِ شکر ہے کہ مسٹر پرویز کا یہ رسالہ اسی قدر گنجلک، بے ربط، غیر منطقی اور اُلجھے ہوئے خیالات اور ناقص انشا کا ملغوبہ ہے کہ کوئی صحیح الخیال انسان یا عام فراسر رکھنے والا شخص ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے مندرجات سے متاثر نہیں ہو سکتا، البتہ عوام کا ’مرضِ آمادہ‘ مزاج اور افرنجیت کی مسموم فضا سے ماؤف ذہنِ عجب نہیں کہ اس کا اثر قبول کر لے۔ بلاشبہ یہ ایک بدبختی ہوگی لیکن اس رسالہ کو مسٹر پرویز کی علمی فرومانگی یا ان کی اہلی اور بلید الفہمی کی دلیل قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ بڑے سے بڑا عالم یا دانشور بھی جب کسی واضح غلطی کی حمایت میں قلم اٹھائے گا تو اس کے خیالات میں الجھاؤ، بیان میں گل جھٹیاں اور استدلال میں ایسی ہی خامیاں ناگزیر ہوں گی۔ پرویز کے متعلق میرا نظریہ تو یہی ہے کہ غلط کو صحیح یا صحیح کو غلط ثابت کرنے کے لئے وہ صلاحیت بھی ان میں نہیں ہے جو کلائے مرافعہ میں مشاہدہ کی جاتی ہے۔ مثلاً دیکھئے رسالہ کی پہلی ہی سطر میں لکھتے ہیں:

### پہلی مثال

”دین کا مقصود و مطلوب یہ ہے کہ انسان کو دوسرے انسانوں کی محکومی سے نکال کر تو نینِ خداوندی کی اطاعت میں لایا جائے۔“ اس دعویٰ کے ثبوت میں یہ آیت پیش کی ہے:

﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ﴾ (۷۸/۳)

”کسی انسان کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ اللہ اسے کتاب اور حکومت اور نبوت دے اور وہ لوگوں

سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میری مخلوقی اختیار کرو۔ اسے یہی کہنا چاہئے کہ تم سب ربانی بن جاؤ۔“  
اب چونکہ ایک غلط بات پیش نظر تھی کہ کوئی شخص نبی کا محکوم نہیں ہو سکتا، اس لئے پہلے تو آیت کا غلط ترجمہ کرنا پڑا۔ کُونُوا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُونِ اللّٰہِ کا صحیح مطلب تو یہ تھا کہ کوئی نبی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ”اللہ کو چھوڑ کر میری ’بندگی‘ اختیار کرو“ اس کی بجائے انہوں نے یہ ترجمہ کیا کہ ”اللہ کو چھوڑ کر میری ’مخلوقی‘ اختیار کرو“..... اس ترجمہ پر معترض کو یہ حق ہے کہ وہ کہے کہ شاید ان کو یہ بھی نہیں معلوم کہ عبدیت اور محکومی میں کتنا فرق ہے۔ پھر اسی آیت کے ترجمے میں انہوں نے خود حکومت کا لفظ لکھا ہے۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ خدا جس کو حکومت دے وہ کسی کو محکوم نہیں بنا سکتا تو کتنی بڑی حماقت ہے بھلا وہ حکومت کیسی جہاں کوئی محکوم ہی نہ ہو۔ یہ دونوں باتیں اگرچہ مسٹر پرویز کے علم اور عقل کی کوتاہی پر دال ہیں۔ لیکن میں ان کو ایسا نہیں سمجھتا۔ یہ قصور علم اور عقل کا نہیں بلکہ اس غلط تصور کا ہے جو ان کے ذہن پر مسلط ہے اور جس کے لئے انہیں یہ پاپا بیلے پڑے ہیں۔ اگر وہ ذرا سی بھی کوشش کرتے تو ان کو قرآن حکیم کے اُردو ترجموں میں بھی یہ بات لکھی ہوئی نظر آ جاتی کہ آنحضرت ﷺ پر بعض دشمنانِ دین نے یہ الزام لگایا کہ یہ شخص اللہ کی بجائے اپنی عبادت کروانا چاہتا ہے۔ اس پر یہ آیت اُتری کہ بھلا کوئی نبی ایسا کر سکتا ہے؟ آخر اس طرح صحیح مطلب بیان کرنے میں کون سی اسلامی روح کچلی جا رہی تھی جس کی حفاظت کے لئے انہوں نے کلامِ الہی کی معنوی تحریف بھی کی اور کچھ مطلب حل نہ ہوا۔

زیر نظر رسالہ اسی قسم کی متعدد غلط اندیشیوں سے پڑ ہے۔ میں نے پہلی ہی سطر سے یہ مثال محض نمونہ کے طور پر پیش کی ہے۔ اب میں ان غیر اسلامی، بے مصرف اور غلط خیالات کا جائزہ لینا چاہتا ہوں جو مسٹر پرویز نے اس رسالہ میں پیش کئے ہیں۔

اس رسالہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے موضوع کو ایک غلط مقصود کا وسیلہ بنایا گیا ہے اور اس طرح ایک نہایت متعفن غذا کو مکلفِ خوانِ پوش میں پیش کیا گیا ہے۔

موضوع کتاب تو ’اطاعتِ حق‘ ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ  
”اطاعت اور محکومیت صرف خدا کی ہو سکتی ہے۔ کسی انسان کی نہیں۔“ (ص ۴)

اور مقصود یہ ہے کہ احادیثِ رسول اللہ ﷺ کا اتباع نہ کیا جائے۔ حالانکہ اسی کا نام انکارِ سنت ہے اور یہی مسٹر پرویز کا مخصوص نظریہ ہے۔ اس مقصد کے لئے سب سے پہلے انہوں نے آیاتِ قرآن حکیم سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہر شخص کو صرف اللہ کا حکم ماننا چاہئے۔

میرے خیال میں اس مضمون کی تائید میں کلامِ پاک کا یہ ٹکڑا کافی تھا: ﴿اِنَّ الْحُكْمَ اِلَّا لِلّٰہِ﴾  
یعنی ”حکم دینے کا حق سوائے اللہ کے اور کسی کو بھی نہیں ہے۔“ (الانعام: ۵۷)

لیکن انہوں نے بے سبب قرآن حکیم کی بعض غیر متعلقہ آیات کا غلط اور بے محل ترجمہ کر کے اپنی بصیرت کو ناحق مجروح کیا ہے، مثلاً ﴿أَمَرَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ کا نہایت واضح مطلب یہ ہے کہ ”اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔“ لیکن پرویز کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے سوا کسی کی اطاعت مت کرو اور پھر زور دیا ہے کہ قرآن کی رو سے خدا کی اطاعت یا محکومیت اور خدا کی عبادت سے مراد ایک ہی چیز ہے۔ پھر اس باطل خیال کو صحیح ثابت کرنے کے لئے قرآن حکیم کی دوسری متعدد آیات میں ان کو معنوی تحریف کرنا پڑی۔

**عبادت اور اطاعت میں فرق:** حالانکہ یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ عبادت اور اطاعت کے مفہوم میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ عبادت اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی اور اطاعت اللہ کے سوا دوسروں کی بھی ہو سکتی ہے بلکہ بعض اوقات ضروری ہوتی ہے۔ یعنی عبادت خاص اللہ کے لئے ہے اور اطاعت کسی کی بھی ہو سکتی ہے۔ قرآن حکیم میں ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ ”یعنی اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔“ کے الفاظ کم و بیش ۲۰ بار آئے ہیں لیکن ”أَعْبُدُوا اللَّهَ وَأَعْبُدُوا الرَّسُولَ“ ایک جگہ بھی نہیں۔ اگر اطاعت اور عبادت ایک ہی چیز ہوتی تو أَعْبُدُوا الرَّسُولَ بھی کہیں نہ کہیں ضرور ہوتا۔ عبادت کا جہاں کہیں بھی ذکر ہے، وہاں أَعْبُدُوا رَبَّكُمْ ، أَعْبُدُوا اللَّهَ ، فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ، وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ یعنی اپنے رب کی عبادت کرو، عبادت صرف اسی اللہ کی کرو، اللہ کے سوا کسی کی عبادت کا تمہیں حکم نہیں دیا گیا وغیرہ۔

متعدد آیات میں اللہ کی عبادت کا حکم ہے اور اس کے سوا غیر اللہ کی عبادت سے روکا گیا ہے: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ (بنی اسرائیل: ۲۳) ”تیرے رب کا یہ قطعی حکم ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔“ غرض تمام قرآن میں عبادت کا مستحق اللہ کے سوا کسی اور کو قرار نہیں دیا گیا۔ لیکن اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم یکجا طور پر بھی ہے اور آنحضرت ﷺ کی اطاعت کا حکم انفرادی طور پر بھی ہے:

﴿وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (نور: ۵۶)

”رسول کی اطاعت کرو کہ تم پر اللہ کا فضل ہو۔“

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (حشر: ۷)

”رسول جو (حکم/رہنمائی) دے، اسے اختیار کرو اور جس سے منع کرے، اس سے باز رہو۔“

دوسری آیات سے اطاعت کے معنی بھی ظاہر ہو گئے کہ اطاعت نام ہے اور امر پر عمل کرنے اور نواہی سے بچنے کا۔ غرض جو حکم بھی رسول دے، اس پر عمل پیرا ہونا اسی طرح واجب ہے جس طرح اس حکم پر عمل

پیرا ہونا جو اللہ نے دیا اور چونکہ اطاعتِ رسول کا یہ حکم بھی اللہ کا ہے، اس لئے جو شخص رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ فی الواقع اللہ کے حکم کی اطاعت کرتا ہے اور یہ توجیہ خود ساختہ نہیں ہے بلکہ قرآنی صراحت موجود ہے: ﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (نساء: ۸۰)

”جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“

لیکن قرآن میں یہ کہیں بھی نہیں ہے کہ جس نے رسول کی عبادت کی، اس نے اللہ کی عبادت کی۔ کیونکہ اطاعت اور عبادت دونوں بالکل مختلف المعنی الفاظ ہیں۔ اگر کوئی شخص ذرا سی حقیقت پسندی کو کام میں لائے تو وہ تسلیم کر لے گا کہ بلاشبہ احکامِ الہی کی اطاعت بھی عبادت ہے لیکن ایسی صورتیں بھی ہیں کہ غیر اللہ کی اطاعت بھی عبادتِ الہی بن جاتی ہے۔ لیکن یہ کبھی ممکن نہیں کہ غیر اللہ کی عبادت بھی کسی صورت اللہ کی عبادت قرار دی جائے۔ اطاعتِ رسول کا واجب ہونا اور عبادتِ رسول کا حرام ہونا قرآن حکیم کی نہایت واضح تعلیمات میں سے ہے۔

## دوسری مثال

مسٹر پرویز نے عبادت اور اطاعت کے مفہوم کو کچھ اس طرح الجھا دیا ہے کہ ان کی تمام تقریر مہمل ہو کر رہ گئی ہے۔ چنانچہ آیت ﴿إِن الْحُكْمُ لِلَّهِ آمَرَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ کے تحت لکھا ہے:

”اگر عبادت سے مراد پرستش لی جائے تو آیت کے کچھ معنی ہی نہیں بننے۔ حکومت صرف اللہ کے لئے ہے تم صرف اس کی پرستش کرو۔ خدا کی پرستش تو ہر حکومت میں ہو سکتی ہے۔ اقوام متحدہ نے بنیادی حقوقِ انسانیت کا جو منشور شائع کیا ہے، اس میں پرستش کی آزادی کو انسانوں کا بنیادی حق قرار دیا ہے۔“ (ص ۳)

یہ عبارت ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ کی مشہور کہاوٹ کے عین مصداق ہے۔ آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا اور کسی کا حکم واجب التسلیم نہیں اور اس کا حکم یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کرو۔ امریکہ میں ہو یا انگلستان میں، روس میں ہو یا پاکستان میں، بہر حال عبادتِ اللہ کی کرو اور یہی اللہ کا حکم ہے۔ اگر خدا کی پرستش ہر حکومت میں ہو سکتی ہے تو آیت کے معنوں میں کیا خلل پیدا ہو گیا۔

اس سے بھی زیادہ مہمل عبارت یہ ہے:

”خدا کی پرستش تو ہم انگریز کے عہدِ حکومت میں بھی کرتے تھے اور آج ہندوستان کا مسلمان بھی خدا کی پرستش کرتا ہے۔ اس لئے قرآن کی رو سے خدا کی عبادت سے مراد ہی اس کی حکومت اختیار کرنا ہے۔“ (ص ۳)

کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ انگریز کے عہدِ حکومت میں خدا کی پرستش جو ہم کرتے تھے اور آج

ہندوستان کا مسلمان جو خدا کی پرستش کرتا ہے وہ اللہ کی محکومیت سے باہر ہو کر کرتا ہے اور پاکستان یا عربستان میں جو آپ خدا کی پرستش کرتے ہیں تو وہاں اللہ کی محکومیت کے اندر رہ کر کرتے ہیں۔

ایک اور عبارت اس سے بھی زیادہ لغو ہے:

”اگر خدا کی اطاعت سے مقصود محض پرستش، پوجا پاٹ، بندگی ہوتا تو ہر شخص اپنی اپنی جگہ خدا کی کتاب کی اطاعت کر سکتا تھا۔ کوئی مندر میں، کوئی مسجد میں، کوئی صومعہ میں، کوئی کلیسا میں، کوئی خانقاہ میں اور کوئی زاویہ میں..... مذہب کی رو سے خدا کی اطاعت کا یہی مفہوم ہے۔“

کیا نیا الواقع مسٹر پرویز مہمل طرازی کے اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ جو لوگ پوجا پاٹ اور مندروں اور کلیساؤں میں عبادت کرتے ہیں، وہ خدا کی کتاب کی اطاعت ہے؟ یا کسی صورت اس کو خدا کی کتاب کی اطاعت کہا جاسکتا ہے؟ اور کیا خدا کی کتاب کا بنایا ہوا مذہب وہی ہے جو مندروں اور گرجاؤں میں دیکھا جاتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ان ہنوتوں سے ملت اسلامیہ کی کون سی عظیم الشان خدمت انجام دی جا رہی ہے اور مسلمانوں کا روپیہ کس مقصدِ اعلیٰ اور کس دینی اصلاح کے لئے بے دریغ صرف کیا جا رہا ہے۔ اس عبارت میں ایک اور اہل فریبی سے کام لیا گیا ہے کہ اس میں بجائے لفظ عبادت کے اطاعت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ گویا مسلمان بھی مسٹر پرویز کی طرح عبادت اور اطاعت کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ہر صحیح النیال شخص دونوں کا فرق اچھی طرح جانتا ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اطاعت کا عام مفہوم جس کو ایک معمولی درجہ کی فراست کا انسان بھی سمجھ سکتا ہے، مسٹر پرویز اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اطاعت کا مفہوم ذہن نشین کرنے کے لئے یہ مثال ذہن میں رکھئے کہ کوئی بادشاہ اپنی محکوم رعایا میں سے کسی کو حاضر بارگاہ ہونے کا حکم دیتا ہے۔ اب اس حکم کی اطاعت ممکن ہی نہیں جب تک کہ وہ شخص شاہی گماشتوں کے ان احکامات کی بھی اطاعت نہ کرے جو حضورِ بارگاہ کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً ستھرا لباس، وقت کی پابندی، ادب اور قاعدے کے وہ طریقے جو شاہی دربار میں پیش ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ عمال سلطنت اس کو ہر قدم پر ہدایات دیتے رہیں گے۔ اگر ان میں سے اس نے کسی ایک ہدایت یا حکم کی پروا نہ کی تو گویا اس نے شاہی حکم کی تعمیل سے جی چرایا۔ اب بادشاہ کے اصل حکم کی تعمیل کے لئے تمام متعلقہ حکامِ اعلیٰ و ادنیٰ کے حکم کی تعمیل لازمی ہوگی اور سب کی تعمیل کرنا ہوگی۔ یہی معنی ہیں خدا کے حکم کی اطاعت کے اور رسول اللہ ﷺ اور پھر خدامِ رسول اللہ اور پھر خدامِ الرسل کے احکام کی اطاعت کے۔

نماز خدا کا ایک حکم ہے لیکن بندہ حق خدا کے اس حکم کی اطاعت کر ہی نہیں سکتا جب تک رسول یہ نہ بتائے کہ نماز کیا ہے اور پھر وہ طریقے نہ سکھائے جو ادائے نماز کے لئے مقرر ہیں۔ کیونکہ رسول اسی کام

کے لئے بھیجا جاتا ہے اور اسی لئے اسے مامور من اللہ کہتے ہیں۔ جس طرح ایک دانشمند مدارالمہام سلطنت شاہی احکام کی تبلیغ کے بعد تعمیل حکم کے لئے ہدایات نافذ کرتا ہے، اسی طرح ایک مامور من اللہ احکام الہی کی تبلیغ کے بعد تعمیل کے لئے ہدایات دیتا ہے۔ ﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ کے یہی معنی ہیں کہ رسول صرف اللہ کا حکم سنا کر سبکدوش نہیں ہو جاتا بلکہ اس حکم کی اطاعت کے لئے ضروری احکامات بھی نافذ کرتا ہے۔ نہایت بد بخت ہے وہ رعایا جو عمال شاہی کی ہدایات کو تسلیم نہ کرے اور نہایت بد بخت ہے وہ مسلمان جو رسول اللہ کی اطاعت کو بھی واجب نہ جانے۔

اطاعتِ رسول کا صحیح موقف اس سے کم، اس سے زیادہ یا اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔ لیکن مسٹر پرویز نے اطاعتِ رسول کے ایک ایسے معنی گھڑ لئے ہیں، جو اطاعتِ رسول کی بجائے مخالفتِ رسول کا ایک مستقل عنوان بن گیا ہے۔ یہاں پر آپ کو یقین نہ آئے گا کہ ایک مسلمان جو اس قرآن پر ایمان رکھتا ہو جس میں اتباع و اطاعتِ رسول کا حکم ایک دو جگہ نہیں بلکہ بیسیوں مقام پر موجود ہے، کس طرح اطاعتِ رسول کی مخالفت کر سکتا ہے اور کیسے ممکن ہے کہ ﴿أَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ کے نہایت واضح اور بار بار دہرائے ہوئے حکم سے انحراف کرے۔ بلاشبہ اطاعتِ رسول سے انکار کرنا عام مسلمانوں کے لئے ممکن ہی نہیں۔ لیکن مسٹر پرویز کو اسلامی نظریات سے کنارہ کش ہونے کی جو خاص فنی مہارت حاصل ہے، اسی مہارت سے اس باب میں بھی انہوں نے کام لیا ہے۔ یہ کام احتساباً اگرچہ سخت مشکل تھا لیکن عملاً نہایت آسان ہے۔ ہم ان کے اس فن کا ذکر اجمالاً تو ابتدائی صفحات میں کر چکے ہیں، یہاں پر کس قدر تفصیل اور وضاحت مقصود ہے۔

**اطاعتِ رسول سے انحراف کی پرویزی دلیل:** مسٹر پرویز نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں اطاعتِ خدا اور رسول سے منکر ہوں۔ انہوں نے صرف یہ کہا کہ اطاعتِ خدا اور رسول کے معنی 'نظامِ مرکز' کی اطاعت ہے، وہ ص ۱۳ پر لکھتے ہیں:

”اللہ ورسول سے مراد وہ نظام یا نظامِ مرکزِ امام، امیر ہے، جو اللہ کے قانون کو عملاً نافذ کرتا ہے“

اس عبارت کی خوبی یہ ہے کہ اس میں اللہ کے قانون کے نفاذ کا ذکر کر کے خدا کی اطاعت کا تصور تو باقی رکھا ہے لیکن رسول کی جگہ امام یا امیر کو دے دی گئی ہے یعنی جس طرح رسول، اللہ کے قانون کو عملاً نافذ کرتا ہے، اسی طرح امام یا امیر بھی اللہ ہی کے قانون کو عملاً نافذ کرتا ہے۔ اب آپ یہ تو کہہ ہی نہیں سکتے کہ یہ تعبیر حکم قرآنِ اَطِيعُوا الرَّسُولَ کے صریحاً خلاف ہے کیونکہ انہوں نے آگے چل کر وضاحت کر دی ہے کہ تمام مقامات میں ”اللہ ورسول سے مراد امام یا امیر یا اسلامی نظام ہے۔“ (ص ۱۳)

اور اس پر ستم ظریفی دیکھئے کہ فرماتے ہیں:

”یہ مفہوم اٹوکھا نہیں بلکہ شروع ہی سے ایسا سمجھا جاتا رہا ہے اور اب بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ اس پر ہمارے دور کی تفسیریں بھی شاہد ہیں، مثلاً ابوالکلام صاحب آزاد کی ترجمان القرآن اور مودودی صاحب کی تفہیم القرآن۔“ (ص ۱۳)

یعنی ’ترجمان القرآن‘ اور ’تفہیم القرآن‘ میں یہی بتایا گیا ہے کہ ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ میں اللہ اور رسول سے مراد امام یا امیر یا اسلامی نظام ہے۔ اس انکشاف سے ادھر تو مولانا آزاد کی روح پھڑک ہی گئی ہوگی۔ ادھر مولانا مودودی کے رفقا کو لازم ہے کہ مسٹر پرویز کو اس معنی آفرینی کا شکر یہ لکھ بھیجیں!!

اب ذرا آپ وہ دلیل جو اس امر کے ثبوت میں ہے کہ خدا اور رسول کے معنی امام یا امیر یا اسلامی نظام کے ہیں، جگر تھام کر سنئے۔ مبادا آپ کی فراست کلیجہ پھاڑ کر دم توڑ دے۔ فرماتے ہیں کہ ”﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ، وَلَا تَوَلَّوْا عَنَّهُ﴾ میں اللہ اور رسول (دو) کا ذکر ہے اور عنہ میں ضمیر واحد ہے۔ اس لئے ان دونوں سے مراد ایک امیر یا امام ہے۔“

عنہ کی ضمیر واحد ہونے سے خدا اور رسول کے معنی امیر یا اسلامی نظام کے کس طرح ہو گئے؟ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ سادست یہ عبارت اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ مسٹر پرویز عربی زبان سے خوب واقف ہیں۔ یہاں تک کہ ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ ’عنہ‘ میں ضمیر واحد ہے اور غالباً یہ ایک ایسا انکشاف ہے کہ آج تک کلام الہی کے مفسرین نہ دیکھ سکے کہ یہ ضمیر واحد ہے اور اس کے معنی سوائے امیر یا اسلامی نظام کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتے! انہوں نے غلطی کی جو اس آیت کا یہ مطلب سمجھا کہ اس میں اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم اور رسول کے حکم سے سرتابی کرنے کی ممانعت ہے اور یہ نہ دیکھا کہ اس ضمیر واحد کو رسول کی طرف پھیر دینے سے مسٹر پرویز کا کارخانہ تباہ ہو جائے گا اور امارت و امامت یا اسلامی نظامت کا تصور ختم ہو جائے گا۔ لیکن یہ دلیل نظام اسلامی کے قرآنی ثبوت میں مسٹر پرویز کا شاہکار نہیں ہے کیونکہ اس سے بھی بڑا ثبوت انہوں نے یہ دیا ہے کہ

”ہمارے ہاں بھی گورنمنٹ (حکومت) یا نظامی اجتماعی ادارہ (Organisation) کے لئے

واحد کے ہی صیغے استعمال ہوتے ہیں۔ یہی مفہوم قرآن کے ان مقامات میں ہے۔“ (ص ۱۲)

اب تو شاید کسی شخص کو بھی شبہ نہیں رہے گا کہ اللہ و رسول کے معنی ’اجتماعی ادارہ‘ ہے کیونکہ انگریزی میں Organisation کے لئے واحد ضمیر استعمال ہوتی ہے..... خدا یا! عام بصیرت کا کیا اس قدر فقدان ہے کہ ایک شخص کو ایسے بے سرو پا خیالات پیش کرنے کا حوصلہ ہو سکتا ہے؟

یقین ہے کہ اب کچھ کچھ آپ سمجھنے لگے ہوں گے کہ مسٹر پرویز کے اس ایچ بیچ اور خلیجان میں پڑنے اور دوسروں کو خلیجان میں ڈالنے سے کیا مدعا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اطاعتِ رسول کا زمانہ ختم ہو چکا، اب



نظامِ اسلامی کی اطاعت ہی رسول کی اطاعت ہے۔ چنانچہ اطاعتِ رسول کے یہ معنی سمجھانے کے بعد اب اطاعتِ رسول کا طریقہ بھی سنئے:

”مذہب میں ہر شخص خدا کی اطاعت انفرادی طور پر کرتا ہے لیکن دین میں خدا کی اطاعت اجتماعی طور پر کرائی جاتی ہے [گویا خدا کی اطاعت جو اجتماعی طور پر کرائی جائے، اس کو مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ ناقل] لہذا مذہب میں اطاعت کے لئے صرف خدا کی کتاب کافی ہوتی ہے۔ لیکن دنیا میں خدا کی اطاعت کے لئے کتاب کے علاوہ کسی حیثیتی جاگتی شخصیت کی بھی ضرورت ہوتی ہے [مدعا یہ ہے کہ حیثیتی جاگتی ہستی ہی نہ ہو تو خدا کی اطاعت کیوں کر ممکن ہے؟]۔ اسلام دین کا نظام ہے مذہب نہیں، اس لئے اس میں تنہا کتاب کافی نہیں۔ اس کتاب کے مطابق اطاعتِ خداوندی کرانے والا مرکز بھی ضروری ہے۔ یہ مرکزی شخصیت خدا کا رسول ہوتا ہے جس کی اطاعت خدا کی اطاعت ہوتی ہے۔“ (ص ۶) آگے لکھا ہے:

”لیکن رسول چونکہ بشر ہوتا ہے اور کسی بشر کی اطاعت جائز نہیں، اس لئے رسول کی اطاعت اس کی اطاعت نہیں بلکہ خدا کی اطاعت ہوتی ہے۔“ (ص ۷)

یہ مضمون آئندہ دو صفحات تک پھیلا ہوا ہے۔ جس کو اصطلاحِ قصائد میں ’تشبیہ‘ کہتے ہیں لیکن اس تشبیہ کے بعد اب گریز ملاحظہ کیجئے:

”یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ اطاعت اس کی کی جاتی ہے جس کی بات سنی جاسکے جو محسوس طور پر درمیان میں موجود ہو۔ جو محسوس طور پر درمیان میں موجود نہ ہو، عملی معاملات میں اس کی اطاعت کی ہی نہیں جاسکتی۔“ (ص ۱۱)

یہ گریز آپ کو مقصود کے قریب تر لارہا ہے، مزید سنئے:

”جب حضور نے وفات پائی تو کیفیت یہ ہوگئی کہ خدا کی کتاب تو موجود تھی لیکن وہ محسوس شخصیت جس نے کتاب اللہ کی اطاعت کروائی تھی [یہ جملہ کم سواد اشخاص کے خاص طرزِ نگارش میں سے ہے] موجود نہ رہی۔ یہ تو الگ بات ہے کہ رسول اللہ نے اپنی احادیث کا کوئی مجموعہ مرتب فرما کر اُمت کو نہیں دیا تھا۔ اگر کوئی ایسا مجموعہ موجود بھی ہوتا تو بھی مشکل وہی رہتی کہ کتابیں موجود تھیں لیکن مرکزی شخصیت موجود نہ تھی۔ [یہ پیش بندی اس لئے ہے کہ اگر احادیث کا کوئی مجموعہ ثابت بھی ہو جائے تو اس کو بے اثر اور بے فائدہ بنا دیا جائے]“ (ص ۱۹)

دیکھا آپ نے مسٹر پرویز نے کس بے ڈھنگے طریقہ سے حدیث کی افادیت کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ چاہتے تو حدیث کی موجودگی میں بھی خود کو مرکزی شخصیت ثابت کر کے حدیث کو بھی اسی طرح ختم کر دیتے جس طرح انہوں نے قرآن کا خاتمہ کیا یعنی آیاتِ کلامِ الہی کی طرح احادیث کو بھی فرمودہ رسول کہے جاتے اور مطلب من مانا بیان کرتے رہتے۔ اب کون تھا جو ان سے پوچھتا کہ دین اور مذہب

کا یہ فرق کہاں سے نکالا؟..... کسی ضمیر کے مفرد ہونے سے امیر یا حاکم کا مفہوم کیوں کر پیدا ہوا؟..... اطاعت اور عبادت ایک ہی چیز کس طرح ہوئی؟..... دین میں اجتماعی اور مذہب میں انفرادی عبادت کا تصور کہاں سے لیا؟..... اطاعت کے لئے کسی جیتی جاگتی شخصیت کی تلاش کیوں ہے؟..... اسلام کے مذہب نہ ہونے کی کیا دلیل ہے؟..... مرکزی نظام کے بغیر خدا اور رسول کی اطاعت محال کیسے ہوئی؟..... کسی بشر کی اطاعت کا ناجائز ہونا کس قرآن میں ہے؟..... اگر رسول اللہ نے اپنی احادیث کا کوئی مجموعہ مرتب فرما کر نہیں دیا تو دنیا میں ہے کوئی شخص جس نے اپنے اقوال کا مجموعہ مرتب کر کے دیا ہو..... مسٹر پرویز کا قصر عقائد جن فاسد بنیادوں پر قائم ہے ان کا سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا۔ یہ رسالہ اس قسم کے اور بھی بے سرو پا نظریات کا مجموعہ ہے۔ من جملہ ان کے ایک نہایت خلاف عقل اور بے جان نظریہ یہ ہے کہ

”رسول بشر ہے اور کسی بشر کی اطاعت جائز نہیں“ (ص ۷)

## رسول کی اطاعت و اتباع فرض ہے!

میں کہتا ہوں اور ہر عقل سلیم اس بات کو تسلیم کرے گی کہ رسول تو رسول ہے؛ ہر شخص کی بلکہ کافر تک کی بات مانی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ معصیت خالق پر منتج نہ ہو۔ کافر ڈاکٹر کی ہدایت پر عمل کیوں کرتے ہو؟ کافر حاکم کا فیصلہ کیوں تسلیم کرتے ہو؟ کافر مدعی کے وکیل کیوں بنتے ہو، کافر وکیل کا مشورہ کیوں مانتے ہو؟ البتہ اگر پرویز کا یہ مطلب ہے کہ حکم الہی کے مخالف حکم کی اطاعت جائز نہیں تو یہ بلاشبہ درست ہے، خود نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق“ یعنی بڑے سے بڑے بادشاہ کا بھی ایسا حکم ماننا جائز نہیں ہے جس میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو۔ لیکن ایسی صورت میں رسول کا ذکر خارج از بحث ہے کیونکہ کبھی کوئی رسول معصیت خالق کا حکم دے ہی نہیں سکتا۔ لہذا یہ جملہ رسول بشر ہے اور کسی بشر کی اطاعت جائز نہیں، ایک ایسے منطقی تضاد پر مشتمل ہے جس کے قرب و جوار میں بھی عقل و فراست کا گزر نہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ مسٹر پرویز کے تمام استدلال کی اصل بنیاد اسی ایک ابلہ فریب اصول پر ہے کہ خدا کے سوا کسی کی اطاعت جائز ہی نہیں صحیح خیال یہ ہے کہ ہر شخص کی اطاعت جائز ہے بشرطیکہ اس اطاعت سے احکام الہی کی مخالفت نہ ہو۔ لیکن رسول کی اطاعت جائز کیا، واجب ہے کیونکہ اس میں احکام

☆ مسٹر پرویز کا یہ استدلال کہ رسول کی اطاعت سے اللہ کی اطاعت میں شرک واقع ہو جاتا ہے اور اس کی اُلُوہیت پر حرف آتا ہے، بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ہزاروں برس اہلس نے اللہ کی عبادت کرنے کے بعد آدم کو سجدہ کرنے سے انکار اس بنا پر کیا کہ اس سے اللہ کی توحید پر حرف آتا ہے۔ اس لئے کہ وہ بزم خویش توحید کو اللہ سے زیادہ بہتر سمجھتا تھا لہذا اس نے اس میں شرک کو برداشت نہ کیا۔ (حسن مدنی)

الہی کی مخالفت ممکن ہی نہیں!!

رسول اور غیر رسول کی اطاعت میں یہ فرق ہے اور یہ ایک ایسا ثابت شدہ قطعی اور محکم اصول ہے جسے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔ اور یہ جو مسٹر پرویز نے لکھا ہے:

”اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ کسی نبی کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں سے اپنی اطاعت کروائے۔“ (ص ۷)

نہایت شرمناک جھوٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کیا، غیر واضح الفاظ میں بھی نہیں فرمایا کہ کسی نبی کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں سے اپنی اطاعت کروائے۔ بلکہ اس کے بالکل برعکس اس کا واضح ارشاد ہے کہ نبی کا منصب ہی یہ ہے کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کروائے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (النساء: ۶۴)

”یعنی ہم نے رسول کو بھیجا ہی اس لئے ہے کہ بحکم الہی اس کی اطاعت کی جائے۔“

اسی طرح یہ کہنا بھی کہ

”خدا کی اطاعت براہ راست نہیں کی جاسکتی، اس کی اطاعت رسول کی وساطت سے کی جاسکتی ہے۔“ (ص ۷)

علمی اور منطقی لحاظ سے ایک مہمل جملہ ہے۔ کیونکہ کسی کی وساطت سے کسی کے حکم کی اطاعت کے ہمیشہ یہ معنی ہوتے ہیں کہ کوئی شخص خود تعمیل حکم نہ کرے بلکہ کسی اور سے کروادے مثلاً خاوند بیوی کو کھانا لانے کا حکم دے اور بیوی نوکر کے ہاتھ کھانا بھیج دے تو یہ خاوند کی اطاعت نوکر کی وساطت سے ہوئی۔ لیکن یہ صورت یہاں نہیں ہے۔ اللہ نے بندے کو جن فرائض کی بجا آوری کا حکم دیا ہے، اس کا بجالانا براہ راست بندے ہی کا کام ہے۔ اس کی اطاعت رسول کی بجا آوری سے نہیں ہوسکتی۔ عیسائیت کی بنیاد اسی غلط خیال پر قائم ہے۔

مسٹر پرویز اگر یہ کہنا چاہتے تھے کہ خدا کی اطاعت کا طریقہ رسول کی ہدایت کے بغیر کوئی شخص نہیں جان سکتا تو یہ بلاشبہ درست ہے۔ لیکن اس مدعا کے لئے یہ عبارت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اطاعت کا جہاں تک سوال ہے وہ براہ راست ہی ہر شخص کو کرنا پڑے گی۔ ہر متنفس احکامِ الہی کی اطاعت کا براہ راست مکلف ہے۔ کاش مسٹر پرویز سمجھ سکیں کہ اطاعت کے مفہوم کو وساطت سے کوئی نسبت نہیں۔ رسول کی وساطت حکم پہنچانے کے لئے ہوتی ہے۔ اطاعت کے لئے رسول کی وساطت ایک بے معنی تخیل ہے۔

اسی طرح اس آیت کا مدعا بھی نہایت گجنگ بنا دیا گیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ (۴/۵۹)

”اے ایمان والو! تم اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے میں سے صاحب اختیار لوگوں کی۔ پھر اگر کسی معاملہ میں تمہیں اختلاف (منازعت) ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لے جاؤ۔“

لکھتے ہیں کہ ”اس آیت میں اسلامی نظام کا پورا نقشہ دے دیا گیا ہے۔“

اگر اسلامی نظام سے مراد اسلامی نظامِ حیات ہے تو کسی شخص کو انکار کی گنجائش نہیں۔ بلاشبہ اس میں اسلامی نظامِ زندگی کا نقشہ بتایا گیا ہے کہ خدا کے حکم کو مانو اور رسول کے حکم کو بھی مانو اور حاکم وقت کی بھی اطاعت کرو۔ لیکن حاکم وقت کی اطاعت کے لئے یہ شرط بڑھانا ضروری ہے کہ اس کا حکم واجب اطاعت جیسی ہوگا کہ وہ خدا اور رسول کے احکام کے خلاف نہ ہو۔

لیکن اسلامی نظام کے وہ خدوخال جو مسٹر پرویز نے پیش کئے ہیں، وہ اس آیت کی تصریحات سے کوسوں دور ہیں۔

”اس نظام میں تمام متنازعہ فیہ امور کے فیصلوں کے لئے رسول کے پاس آنے کا حکم ہے۔“ (ص ۱۲)

کوئی پوچھے کہ رسول کے پاس آنے کا حکم اس آیت میں کہاں پر ہے۔ اگر لفظ رُدُوہ الی الرسول کے معنی رسول کے پاس آنے کے ہیں تو رُدُوہ الی اللہ کے معنی اللہ کے پاس جانے کے کیوں نہیں ہیں؟ اللہ و رسول کی طرف کسی معاملہ کو لے جانے کا واضح مدعا صرف یہ ہے کہ دو باتوں میں سے جو بات کتاب و سنت کے مطابق ہو، اس پر عمل کرو۔ لیکن وہ شخص جو سنت کا قائل ہی نہ ہو وہ اس بات کو کیسے مان سکتا ہے۔ مسٹر پرویز کو چاہئے کہ وہ دیکھیں کہ کسی امر کے پیش آنے پر فقہائے اسلام کس طرح اس کو اللہ و رسول کی طرف رُد کر تے یا لے جاتے تھے۔

یہاں پر یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ قرآن حکیم سے رسول کے پاس آنے کا حکم ثابت کرنے سے مسٹر پرویز کے مقاصد کو کیا تقویت پہنچتی ہے۔ اس کی تفصیل کے لئے لاحقہ عبارت کو پڑھئے:

”لیکن جب یہ نظام مدینہ سے آگے بڑھا تو یہ عملاً ناممکن تھا کہ دروازے کے لوگ اپنے مقدمات کے فیصلوں کے لئے مرکز کی طرف آتے۔ اس کے لئے مختلف مقامات میں ماتحت افسر صاحبان امر مقرر کرنے پڑتے۔“ (ص ۱۲)

اب دیکھئے رسول کے پاس آنے کا حکم کس طرح غیر رسول کے پاس جانے کے حکم میں منتقل ہوتا جا رہا ہے۔ آگے بڑھئے:

”ان افسروں یا عدالتوں کی اطاعت خود مرکزی حکومت کی اطاعت تھی لیکن ایک فرق کے ساتھ اور وہ یہ کہ مرکزی حکومت کے فیصلوں کے خلاف کہیں اپیل نہیں ہو سکتی تھی، اس کا فیصلہ حرفِ آخر تھا لیکن ان ماتحت عدالتوں کے فیصلے کے خلاف مرکز میں اپیل ہو سکتی تھی۔ یہ مطلب ہے اس سے

کہ ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ اگر تم میں اور اولی الامر صاحبان اور افسرانِ ماتحت میں کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو تم ایسے معاملے کو مرکز کی طرف Refer کرو۔ وہاں سے جو فیصلہ صادر ہو، اس کی اطاعت تم پر فرض ہو جائے گی۔“

غور کرتے جائیے کہ پہلے رسول کا فیصلہ مطلوب تھا، پھر رسول کے بعد ماتحت افسروں کا فیصلہ واجب تسلیم ہوا۔ پھر اختلاف کی صورت میں مرکز کا فیصلہ قطعی ہوا۔ آخر کی عبارت میں ’مرکز‘ کا لفظ رسول کی بجائے مصلحتاً استعمال کیا گیا ہے۔ آگے چل کر یہ مرکز جس کے ساتھ رسول کا تصور ہنوز باقی ہے، خالصتاً حکامِ وقت کے تصور میں بدل جائے گا۔ سائنس کی اصطلاح میں اس کو ’عملِ تخیر‘ یا ’عملِ تقییر‘ کہتے ہیں۔

﴿پرویزی ’مرکز ملت‘ کے فیصلوں کی حیثیت﴾ اب اس فیصلہ کی حقیقت سنئے جس کا مرکز سے قطعی

طور پر صادر ہونا اور جس کی اطاعت فرض ہونا بتایا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ

”حضور فیصلے وحی کی رو سے نہیں کرتے تھے — اپنی ذاتی بصیرت کے مطابق کیا کرتے تھے —

ان میں اس کا بھی امکان تھا کہ حق دار کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا جائے..... یہ قرآن کی اس آیت کے مطابق ہے جس میں حضور سے کہا گیا ہے کہ..... ”ان سے کہہ دو کہ اگر میں کسی معاملے میں غلطی کرتا ہوں تو وہ غلطی میری اپنی وجہ سے ہوتی ہے، اس کا ذمہ دار میں خود ہوتا ہوں، لہذا اس کا وبال بھی مجھ پر ہوگا۔ اور اگر میں صحیح راستہ پر ہوتا ہوں تو وہ اس وحی کی بنا پر ہے جو میرے رب کی طرف سے میری طرف آئی ہے۔“ (ص ۱۶، ملخصاً)

واضح ہو کہ مسٹر پرویز نے ان خیالات کو قرآن اور حدیث کی رو سے ثابت کیا ہے۔ اگرچہ احادیث

کو وہ غلطی اور ناقابل یقین تصور کرتے ہیں لیکن جہاں تک ان خیالات کا تعلق ہے، ان کا کہنا ہے کہ ہم اس کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ یہ بات کہ یہ خیالات کہاں تک قرآن و حدیث کے مطابق ہیں، ہم آگے بیان کریں گے؛ سردست حضور کے فیصلوں کو کسی دیہات کی چوپال میں نمبردار چودھری کے فیصلہ کے برابر رکھ کر دیکھئے تو آپ دونوں میں کوئی خط امتیاز قائم نہ کر سکیں گے۔ کیونکہ بہر حال اس کا فیصلہ صحیح ہوگا یا غلط۔ غلط ہو تو اس کا ذمہ دار چودھری خود ہے اور اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا لیکن اگر وہ صحیح ہے تو توفیق الہی سے ہوگا۔ دونوں میں فرق صرف الفاظ کا ہے۔ وہاں جس چیز کو وحی کہا گیا ہے یہاں توفیق الہی کہہ دیا گیا ہے۔

حضور کے فیصلوں کو اس مقام پر لے آنے کی وجہ یہ ہے کہ آگے چل کر مسٹر پرویز کو خدا اور رسول کی

اطاعت کی یہی صورت بیان کرنی ہے اور اسی کو وہ ’خلافتِ علیٰ منہاجِ نبوت‘ کہتے ہیں۔ لیکن یہاں ایک بار پھر مسٹر پرویز کی دینی بصیرت پر ہمیں افسوس کرنا چاہئے کہ ان کے خیال میں حضور کے فیصلے کبھی غلط ہوتے تھے اور وہ اپنے غلط فیصلوں کی ذمہ داری اپنے اوپر لیتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے غلط فیصلوں کا وبال ان پر ہوگا۔ حالانکہ نہ کوئی آیت اس پر شاہد ہے اور نہ کوئی حدیث اس کی تائید کرتی ہے اور

نہ عقلِ سلیم کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ خدا کا رسول غلط فیصلے کرے اور وبال کا مستوجب ہو۔  
مشکل یہ ہے کہ مسٹر پرویز شاید یہ جانتے ہی نہیں کہ غلط فیصلہ کرنا کس کو کہتے ہیں؟ حضور کی ذاتِ گرامی کا تو ذکر ہی کیا، کسی عدالت کا ایک قانون دان جج بھی غلط فیصلہ نہیں کرتا۔ ان کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ فیصلہ حق دار کے خلاف ہو اور پھر بھی جج نے فیصلہ کرنے میں غلطی نہ کی ہو کیونکہ فیصلہ کے صحیح ہونے کا انحصار اس بات پر ہے کہ فیصلہ کرنے میں قانونی مطالبات کو کہاں تک پورا کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابنِ قیم نے اسی بنا پر یہ اصول اخذ کیا ہے الاحکام الظاہرہ تابعۃ للأدلة الظاہرۃ یعنی ظاہری احکام ظاہری دلائل کی بنا پر دیئے جائیں گے (حقیقت خواہ کچھ ہو)۔ (اعلام الموقوعین: ج ۳)

ہماری عدالتیں بھی نافذ الوقت قوانینِ شہادت کے مطابق فیصلہ کرتی ہیں اور رسول بھی فیصلہ کے وقت خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے قانون کی پیروی کرتا ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ حضور فیصلے وحی کی رو سے نہیں کرتے تھے، انتہائی بے خبری ہے۔ وحی کی رو سے فیصلہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ان قاعدوں کو ملحوظ رکھا جائے جو فصلِ تنازعات کے باب میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی خفی یا وحی جلی کے تحت رسول اللہ کو بتا دیئے۔ اس میں ذاتی بصیرت کا جہاں تک تعلق ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ فصلِ تنازعات کے باب میں کسی قاعدہ دینِ برحق کی مراعات میں غفلت نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت امّ سلمہ کی روایت جو مسٹر پرویز نے منکر حدیث ہونے کے باوجود بدیں ثبوت پیش کی ہے کہ حضور فصلِ معاملات میں غلطی بھی کر دیتے تھے، اس میں خود یہ وضاحت ہے کہ

”اگر میں کسی شخص کو اس کے بیان کے مطابق اس کے بھائی کا حق دے دوں تو اسے سمجھنا چاہئے کہ میں اسے آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں، اسے چاہئے کہ اسے نہ لے۔“

اس میں فیصلے کی غلطی کا ذکر نہیں ہے بلکہ اپنی طرف سے فیصلہ صحیح کرنے کا اعلان ہے کیونکہ حضور مدعی کے بیان کے مطابق فیصلہ جیسی دیتے تھے کہ مدعا علیہ دعویٰ کی غلطی ثابت نہ کر سکے۔ ایسا فیصلہ تو غلط نہیں کہا جاسکتا البتہ دعویٰ ہی غلط رہا ہو تو اس کا وبال مدعی کو جھگھٹنا پڑے گا۔ جس کو حضور نے آگ کے ٹکڑے سے تعبیر فرمایا۔

حدیث میں ایسی صورت بھی مروی ہے کہ ارتکابِ جرم کا ذاتی علم ہونے کے باوجود شہادت کی شرعی حیثیت مکمل نہ ہونے کے باعث مجرم کو بری کر دیا گیا۔ جس طرح عدالت ہائے عالیہ کے فاضل ججوں کے فرائض میں سے ہے کہ وہ ذاتی بصیرت کو ملک کے قوانینِ عدلیہ کی حدود سے متجاوز نہ ہونے دیں، اسی طرح شارعِ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی فرض تھا کہ وہ ذاتی بصیرت کو شرعی ضوابط کی حدود سے بڑھنے نہ دیں۔ ہائی کورٹ کے بعض فیصلوں میں آپ کو یہ بھی ملے گا کہ خود فاضل ججوں نے اظہارِ افسوس کیا ہے کہ

وہ مجرم کو استغاثہ کے نقائص کی بنا پر سزا نہ دے سکے، حالانکہ ان کی ذاتی بصیرت اور ذاتی معلومات ارتکابِ جرم کا ثبوت بہم پہنچاتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے فیصلوں کو غلط تسلیم نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہی فیصلے دوسرے عدالتی فیصلوں کی نظیر قرار پائے۔ غرض یہ کہنا کہ حضور فیصلے وحی کی رو سے نہیں بلکہ ذاتی بصیرت سے کیا کرتے تھے، علومِ دینیہ بلکہ اصولِ عدلیہ سے محض کوراہونے کی دلیل ہے۔

مسٹر پرویز کی آشفته بیانی دیکھئے کہ اسی رسالے میں ایک جگہ آیت ﴿فَاخُذْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ (۷/۲۸) پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”رسول اللہ سے کہہ دیا گیا کہ اس نے لوگوں کے متنازعہ فیہ امور کے فیصلے کتاب اللہ کے مطابق کرنے ہیں۔“ (ص ۷)

یہ جملہ بھی ادبِ اردو میں شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور پھر یہ کہہ دیا کہ حضور مقدمات کے فیصلے وحی کی رو سے نہیں کرتے تھے۔ اب یا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنا وحی کی رو سے فیصلہ کرنا نہیں ہے اور یا پھر یہ کہ حضور خدا کے حکم کے خلاف کیا کرتے تھے۔ (نعوذ باللہ) مسٹر پرویز نے حضور کے بعض فیصلوں کو غلط ثابت کرنے کے لئے قرآنِ حکیم کی یہ آیت بھی پیش کر دی ہے کہ

﴿قُلْ إِنْ صَلَّيْتُ فَأَنَا مَاضٍ عَلَى نَفْسِي وَإِنْ أَهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوحَىٰ إِلَيَّ رَبِّي﴾  
 ”یعنی کہو کہ اگر میں غلط راستے پر ہوں تو یہ غلط راستہ اپنے ہی برے کو ہے اور اگر ٹھیک راستے پر ہوں تو جان رکھو کہ یہ میرے رب کی وحی ہے۔“ (۳۴:۵۰)  
 (اگر اس سے تم نے روگردانی کی تو گویا خدا سے پھر گئے)

مدعا یہ ہے کہ میں غلط راستے پر نہیں ہوں۔ میں خود اپنا برا کیوں چاہوں گا۔ تم کو تو یہ سوچنا چاہئے کہ اگر میں فی الواقع صحیح راستے پر ہوں تو یہ خدا کے حکم سے ہے۔ تمہارا کیا حشر ہوگا اگر تم نے یہ راہ اختیار نہ کی۔ یہاں پر نہ کسی تنازع فیہ امر کا ذکر ہے نہ مقدمات کی کارروائی کا۔ بلکہ اس سے پہلے کی آیت ﴿قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِي الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ﴾ ”یعنی سچ عیاں ہو گیا اور جھوٹ بیچ ہے، اڈل بھی اور آخر بھی۔“ نے نہایت وضاحت سے بتا دیا کہ یہاں پر محض ہدایت اور گمراہی کا تقابل ہے۔ حضور کے اس کہنے سے کہ اگر میں گمراہ ہوا تو اس کا خمیازہ مجھ کو بھگتنا پڑے گا، یہ نتیجہ نکالنا کہ فی الواقع حضور گمراہی میں مبتلا تھے، ایک غبی انسان کے سوا اور کون نکال سکتا ہے۔ مسٹر پرویز نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ اگر میں کسی معاملے میں غلطی کرتا ہوں تو وہ غلطی میری اپنی وجہ سے ہوتی ہے یعنی میں خود ایک وجہ ہوں غلطی کرنے کی، اس کی بابت کیا کہا جائے سو اس کے کہ ۱ چہ بے خبرز مقام محمد عربی است!

﴿پرویزی مرکز ملت میں رسول اللہ کا مقام: رسول اللہ ﷺ کے فرائض متعلقہ نظامِ اسلامی کی وہ

تفصیل بھی قابلِ داد ہے جو اس رسالے میں بتائی گئی ہے:

”رسول اللہ کے ذمے اس ضمن میں دو کام تھے: ایک تو متنازعہ فیہ امور میں کتاب اللہ کے متعلق فیصلے کرنا اور دوسرے کتاب اللہ نے جن قوانین کو محض اصولی طور پر بیان کیا تھا اور ان کی جزئیات کو دانستہ چھوڑ دیا گیا تھا۔ تاکہ وہ بھی اصولوں کی طرح ہمیشہ کے لئے غیر متبدل نہ قرار پائیں؛ اپنے خیالات کے مطابق ان کی جزئیات متعین کرنا۔“ (ص ۱۵)

متنازعہ امور کے فیصلے کی کیفیت اوپر بیان ہو چکی اور یہ بھی ذکر ہو چکا کہ مسٹر پرویز کے نزدیک تمام متنازعہ امور کا فیصلہ مرکز کے باہر ماتحت افسران کیا کرتے تھے۔ اس طرح حضور کا کام صرف اپیل سننے تک تھا، وغیرہ..... باقی قرآنی قوانین کے اصول کی جزئیات کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ قرآن نے تو اسے دانستہ چھوڑ دیا کہ مبادا اصول کی طرح جزئیات بھی غیر متبدل قرار نہ پائیں۔ یعنی اصول غیر متبدل ہیں لیکن ان کے تحت جزئیات متبدل ہی رہیں گی۔

جزئیات سے کیا مراد ہے اور اس کے تعین کا کیا طریقہ ہے، اس کا جاننا بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ لکھتے ہیں:

”اب رہا جزئیات کا متعین کرنا تو اس کے لئے قرآن نے حضور کو حکم دیا تھا کہ ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِی الْأَمْرِ﴾ (۳:۵۵) تم معاملات میں ان (جماعت مؤمنین) سے مشورہ کیا کرو۔“ (ص ۱۷)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جزئیات کا تعین بھی حضور کے اکیلے کام نہیں تھا بلکہ مشورہ سے ہوتا تھا چنانچہ اس کے ثبوت میں انہوں نے مشکوٰۃ کی ایک حدیث کا ترجمہ اس طرح شروع کیا ہے:

”عبداللہ بن زید بن عبد ربہ نے کہا کہ جب رسول اللہ نے ناقوس بجانے کا حکم دیا تاکہ اسے بجا کر لوگوں کو نماز کے لئے جمع کریں تو مجھ کو خواب میں ایک شخص دکھائی دیا جس کے ہاتھ میں ناقوس تھا۔“ وغیرہ (ص ۱۷)

پھر بتایا گیا ہے کہ اس شخص نے خواب میں اذان کے الفاظ سکھائے اور اسی طرح رسول اللہ نے اذان دینے کا حکم دے دیا۔ راوی کا بیان ہے کہ جب عمر بن خطاب نے اذان کی آواز سنی تو انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے بھی خواب میں ایسا ہی دیکھا ہے۔ تب حضور نے فرمایا کہ خدا ہی کو تعریف ہے۔

آپ اس حدیث کو پڑھ کر بتائیے کہ کیا اسی کا نام مشورہ ہے۔ اس واقعہ کے بیان کرنے اور مشورہ کی اس عجیب و غریب صورت کے پیش کرنے کی غرض یہ ہے کہ سننے والے رسول کی حیثیت کو اس بلند مقام سے جو مسلمان اب تک سمجھ رہے تھے، نیچے لاکر رسول کی ضرورت کا احساس ہی ترک کر دیں۔

**پرویزی مرکز ملت میں حاکم وقت کا مقام:** ..... چنانچہ لکھتے ہیں:

”ظاہر ہے کہ رسول اللہ کے بعد دین کے باقی رہنے کی صورت یہی ہو سکتی تھی کہ رسول کا ایک



جانشین ہوتا جو محسوس شخصیت کی حیثیت سے رسول کی جگہ لے لیتا۔ اسے خلیفۃ الرسول رسول کا جانشین کہا جاتا ہے۔ (ص ۲۰).....

خلیفۃ الرسول اس فریضہ (یعنی فریضہ رسول) کو بدستور انجام دیتا تھا۔ اب ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (تیرے رب کی قسم یہ لوگ کبھی مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے متنازعہ فیہ امور میں تجھے حکم نہ بنائیں) میں لک (تجھے) سے مراد خلیفۃ الرسول تھا۔“ (ص ۲۲)

دیکھا آپ نے رسول کے بعد خلیفہ رسول نے کس طرح رسول کی ضرورت کو ختم کر دیا۔ آگے جا کر اس رسالہ میں خلیفہ کی ضرورت کو بھی ختم کر دیا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ کی بجائے کسی محسوس شخصیت کو پھر سے قائم کرنے کی تحریک شروع کی گئی ہے جس کا نام ”طلوع اسلام“ ہے.....!!

﴿مسٹر پرویز کے آئندہ عزائم کیا ہیں، ان کے اپنے الفاظ میں ان کی کوشش یہ ہے کہ ”جس محسوس شخصیت (مرکزِ ملت) کے گم ہو جانے سے یہ سارا انتشار پیدا ہوا ہے، اسے پھر سے قائم کر دیا جائے۔ جسے ہم تمام متنازعہ امور میں اپنا حکم بنائیں اور اس طرح خدا کے اس حکم کی اطاعت کر سکیں کہ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (ص ۲۸) اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ وہی لک کی ضمیر جو پہلے آنحضرت ﷺ کے لئے تھی اور بعد میں خلیفہ کے لئے ہوئی، اب مرکزِ ملت کے لئے ہو:

”یہی وہ خلافتِ علیٰ منہاجِ نبوت ہوگی: (۱) جو اُمت کے تمام متنازعہ امور کا فیصلہ کرے گی (۲) جو اس وقت ہمارے پاس شریعت کے نام سے موجود ہے، وہ کتاب اللہ کی روشنی میں اس کا جائزہ لے گی، جو کچھ اس میں غلط ہوگا اسے محو کر دے گی۔ جس جس بات میں موجودہ حالات کے متعلق کسی تبدیلی کی ضرورت ہوگی، اس میں مناسب تبدیلی کر دے گی باقی علیٰ حالہ رہنے دے گی۔“ (ص ۲۹)

﴿غرض اس رسالہ میں جو اطاعتِ رسول کا عنوان ہے، اس سے مراد اس زمانہ میں مرکزِ ملت کی اطاعت ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”میری کوشش یہ ہے کہ ہم میں پھر سے خلافتِ علیٰ منہاجِ نبوت کا سلسلہ قائم ہو جائے تاکہ ہم پھر اللہ اور رسول کی اطاعت کر سکیں۔“ (ص ۲۹)

یہ اطاعت کس طرح ہوگی:

”اسی طرح جس طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں اللہ اور رسول کی اطاعت کی جاتی تھی۔“

اور ان حضرات کے زمانے میں اطاعت کس طرح کی جاتی تھی، اس کی تفصیل یہ ہے:

” (۱) جن امور کی جزئیات پہلے متعین نہیں ہوئی تھیں، ان کی جزئیات متعین کی جاتی تھیں۔“

(۲) جو جزئیات پہلے متعین ہو چکی تھیں اور ان میں کسی تغیر و تبدل کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی انہیں علیٰ حالہ قائم رکھا جاتا تھا (۳) جن جزئیات میں اقتضائے حالات کے مطابق کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوتی، اس میں تبدیلی کر دی جاتی تھی۔“ (ص ۲۲، ۲۳)

”اگر زمانے کے تقاضے اس کے خواہاں ہوں تو نبی اکرم کے زمانے کے فیصلوں میں مناسب رد و بدل کیا جاسکتا ہے اور ایک خلیفہ کے فیصلہ کو خلیفہ مابعد بھی بدل سکتا ہے۔“ (ص ۲۴)

مسٹر پرویز اس کو ’اطاعتِ رسول‘ کہتے ہیں اور اسی اطاعتِ رسول کی ترغیب اس رسالہ میں دی گئی ہے۔ یعنی ایک محسوس شخصیت قائم کی جائے جو دین کیلئے نئی جزئیات متعین کرے اور حسبِ ضرورت رسول ﷺ کی متعین کردہ جزئیات میں رد و بدل کرے اور زمانہ یہی کہتا رہے کہ یہ اطاعتِ رسول ہو رہی ہے!

اولیاتِ عمر: اب مجھے صرف یہ بتانا رہ گیا ہے کہ مسٹر پرویز کا مطلب جزئیات سے کیا ہے اور زمانے کے تقاضے سے کیا مراد ہے؟ پرویز نے اگرچہ جزئیات کی تعریف نہیں بتائی، البتہ چند مثالیں ضرور دی ہیں۔ ایک مثال یہ ہے:

”نبی اکرم کے زمانہ سے لے کر عہدِ صدیقی تک ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں کو ایک شمار کر کے طلاقِ رجعی قرار دیا جاتا تھا۔ حضرت عمر نے اپنے زمانہ میں اسے تین شمار کر کے طلاقِ مغلظ قرار دے دیا۔“ (ص ۲۳)

اس مثال میں یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ قرآن حکیم کے کون سے اصولی حکم کا جزئیہ ہے۔ پھر یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ حضرت عمر نے اس کے لئے باہمی مشورہ کب کیا۔ حالانکہ ان کو مشورہ کرنا ضروری تھا۔ اس سلسلے میں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ مسٹر پرویز کو حضرت عمر کے اس فیصلے سے اختلاف ہے۔ چنانچہ یہاں پر انہوں نے صرف اتنا اشارہ کر دیا ہے کہ ”ہمیں اس وقت اس سے بحث نہیں کہ قرآن کی رو سے صحیح طلاق کی پوزیشن کیا ہے، ہم یہاں صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضور کے زمانے کے فیصلے حضور کے خلفا کے عہد میں بدلے جاسکتے ہیں“، اس سے مقصد یہ ہے کہ خلفا کو قرآن کی رو سے کسی حکم کی صحیح پوزیشن کے خلاف بھی حسبِ ضرورت تبدیلی کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ اس کا ثبوت ایک اور واقعہ سے دیا گیا ہے کہ

”حضرت عمر نے فیصلہ دیا کہ جنگ کے دوران کسی پرحد جاری نہ کی جائے اور قحط کے زمانے میں چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔“ (ص ۲۴)

مطلب یہ نکلا ہے کہ وقت کے تقاضوں میں یہ قوت ہے کہ حدِ قرآنی ساقط ہو سکتی ہے اور قرآنی حکم کو بدلا جاسکتا ہے۔ حالانکہ خود مسٹر پرویز کا کہنا ہے کہ

”وحی کی رو سے متعین شدہ جزئیہ میں کوئی بھی تبدیلی کرنے کا مجاز نہیں۔“ (ص ۲۵)

باوجود اس کے ان کی رائے ہے:

”جن اُمور کی قرآن نے اجازت دی ہوئی ہے (اس فقرہ کے ادنیٰ محاسن کو بھی پیش نظر رکھئے گا) اگر حالات کا تقاضا ہو تو مرکز ملت انہیں وقتی طور پر بند بھی کر سکتا ہے۔“ (ص ۲۵)

قرآن کے حکم میں تبدیلی کی ایک اور مثال یہ دی ہے کہ

”حضور کے زمانے میں مؤلفۃ القلوب کو صدقات کی مدد سے امداد دی جاتی تھی، حضرت عمر نے اپنے زمانے میں اسے ختم کر دیا۔“ (ص ۲۳)

اسی سلسلہ میں انہوں نے لکھا ہے:

”یہ جزئیات وحی کی رو سے متعین نہیں ہوتی تھیں۔ اس باب میں حضور کو صحابہ سے مشورہ لینے کا حکم تھا۔“ (ص ۲۵)

سوال یہ ہے کہ کیا مسٹر پرویز اور ان کے تمام جماعتی مل کر بھی بتا سکتے ہیں کہ حضور نے یہ تمام جزئیات کس کے حکم سے متعین فرمائیں۔ کس نے مشورہ دیا کہ ایک مجلس میں تین طلاق ایک ہی طلاقِ رجعی ہوگی۔ نبی اکرم نے ارتکابِ جنایات پر حد جاری کرنے اور چور کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کن کن صحابہ کے مشورہ سے کیا۔ مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ دلانے کے حق میں کن اصحاب نے رائے دی؟ اگر یہ تمام احکامات حضور نے مشورہ سے نہیں دیئے بلکہ یہ سب وحی کی رو سے متعین شدہ جزئیات تھیں تو اب یہی سوال میں کرتا ہوں کہ حضرت عمرؓ کو ان تمام جزئیات میں تبدیلی کرنے کا کیا حق تھا۔ صاف کیوں نہیں کہتے کہ دراصل حضرت عمر کا نام لے کر خود قرآنی احکامات میں رد و بدل کرنا مقصود ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ قرآنی فیصلوں اور حضور کے احکامات میں کسی تبدیلی کا سوال کسی عہد میں پیدا ہی نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر نے ہرگز کسی جزئیہ میں تبدیلی نہیں کی بلکہ خدا اور رسول کے احکامات کی وہی تعبیر ان کے خیال میں صحیح تھی جس کا انہوں نے حکم دیا۔ اگر کسی پچھلے فیصلہ کی مخالفت انہوں نے کی ہے تو صرف اس لئے کہ اس فیصلے کو انہوں نے منشا رسول کے خلاف سمجھا۔ ان کے یا صحابہ کرام بلکہ فقہائے اُمت اور علمائے برحق میں سے کسی کے حاشیہ خیال میں یہ تصور آ ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ حضور کے مقرر کردہ کسی جزئیہ کو بدل دیں۔ یہ سب عہدِ جدید کے مسلوب الحس اور بے رحم مدعیانِ اسلام کا ہی کام ہے کہ وہ علانیہ رسول کے فیصلہ میں تبدیلی کا پرچار کرتے ہیں اور کوئی ان سے باز پرس نہیں کرتا۔

حد کا روکنا اور قطع ید کا التوا اس قسم کے حالات کی بنا پر تھا جن میں حرام حلال ہو جاتا ہے اور وہ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ کے تحت آجاتا ہے اور یہی قرآن کا حکم ہے اور رسولؐ کی ہدایت ہے۔ اور یہ کہنا کہ حضرت عمر نے فیصلہ دیا کہ جنگ کے دوران میں کسی پر حد جاری نہ کی جائے کذبِ صریح ہے۔ خود آنحضرت ﷺ نے یہ حکم دیا کہ ایامِ جنگ میں چوروں کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ ایامِ جنگ میں ایک

فوجی نے بشر بن اراطہ کی ڈھال چرائی، پکڑا گیا۔ بشر فرماتے ہیں: لولا انی سمعت رسول اللہ ﷺ يقول: لا تقطع الأیدی فی الغزو لقطع یدک (ابوداؤد) یعنی ”اگر آنحضرت ﷺ کو میں نے یہ کہتے نہ سنا ہوتا کہ دورانِ جنگ میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں تو میں ضرور تیرا ہاتھ کاٹ دیتا۔“

غرض یہ حکم نیا نہیں ہے۔ اگر حضرت عمر نے سابقہ حکم بدل دیا ہوتا تو اس کے بعد یہ حدود کبھی نافذ نہیں ہوتیں۔ لیکن ان کے عہد حیات میں بھی یہی حدود بدستور نافذ رہیں۔ لیکن یہ فہم علم دین حاصل کرنے کے بعد ہی آتا ہے۔ اسی طرح مؤلفۃ القلوب کی امداد حضرت عمرؓ نے بند نہیں کی۔ آپ نے غلط سمجھا، حقیقت یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کی مد سے زکوٰۃ لینے والے ہی نہ رہے۔ جیسے اس وقت غلام اور عاقلین زکوٰۃ موجود نہیں ہیں۔ تو زکوٰۃ کی مد سے ان کو دیا جانا ممکن نہیں۔ حضرت عمر جیسے فدائی سنت پر یہ افترا کہ انہوں نے اللہ یا رسول کے حکم کو بدل دیا، انتہائی شرمناک جسارت ہے۔ مسٹر پرویز نے لکھا ہے کہ

”یہ جزئیات وحی کی رو سے متعین نہیں ہوتی تھیں۔ اگر یہ وحی کی رو سے متعین ہوتیں تو حضور کے خلفائے راشدین میں سے کسی کو بھی اس کا حق نہیں پہنچ سکتا تھا کہ ان میں کسی قسم کی تبدیلی یا حک و اضافہ کر سکتا۔“ (ص ۲۵)

کاش مسٹر پرویز کو کوئی سمجھائے کہ کسی امر کا متعین کرنا تو بڑی بات ہے، حضور کا ایک اشارہ ابرو بھی کسی امر کے لئے ہو تو اس میں کسی قسم کی تبدیلی یا حک و اضافہ کا تصور ہی خلفائے راشدین کے لئے موت سے بدتر تھا۔ ع کار پاکان را قیاس از خودم بگر

مسٹر پرویز نے حضور کے مقرر فرمودہ امور دین میں حالات کے مطابق تبدیلی کی چند اور مثالیں بھی دی ہیں مثلاً

- (۱) ”نبی اکرم نے قیدیوں کا فدیہ ایک دینار فی کس مقرر کیا تھا، لیکن حضرت عمر نے مختلف شرحیں مقرر فرمائیں۔“..... (۲) ”نبی اکرم نے مختلف اجناس کی شرح خراج بالٹفضیل مقرر نہیں فرمائی حضرت عمر نے متعین فرمائی۔“..... (۳) ”نبی اکرم کے زمانہ میں بعض مفتوحہ زمینیں مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی تھیں، حضرت عمر نے یہ سسٹم ختم کر دیا۔“..... (۴) ”رسول اللہ نے لوگوں کے وظائف مساوی مقرر فرمائے تھے حضرت عمر نے انہیں خدمات کے تناسب سے بدل دیا۔“.....
- (۵) ”نبی اکرم کے زمانے میں تجارتی گھوڑوں اور سمندروں سے برآمد شدہ ایشیا پر زکوٰۃ نہیں لی جاتی تھی، حضرت عمر نے ان پر زکوٰۃ قائم کی۔“

لیکن ان میں سے کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جسے حضور کی متعین فرمودہ باتوں میں سے کسی میں تبدیلی کہا جاسکے۔ ان میں یا تو کذب بیانی ہے یا غلط فہمی ہے اور یا پھر ابلہ فریبی سے کام لیا گیا ہے مثلاً حضور کا فدیہ کی مقدار ایک دینار مقرر کرنا جھوٹ ہے۔ حضور نے تو بعض اوقات فدیہ کے لئے کوئی رقم رکھی

ہی نہیں۔ ایک بار دس آدمیوں کو لکھنا سکھا دینا ہی فدیہ قرار دیا تھا۔ لوگوں کے وظائف اگر کبھی مساوی مقرر ہوئے تو وہ لوگ مساوی وظائف ہی کے حقدار تھے۔ اس سے یہ مطلب سمجھ لینا کہ مساوی وظائف ہی کا حکم تھا، سخت غلط فہمی ہے۔ اسی طرح اگر حضور کے زمانے میں کسی چیز پر زکوٰۃ نہ تھی اور بعد میں لگا دی گئی تو اس میں کسی حکم کی تبدیلی کیسے ہوئی؟ تبدیلی تو جب ہوتی کہ کسی چیز پر زکوٰۃ کی ممانعت ہوتی (جیسے نمک وغیرہ پر تھی) اور پھر اس پر زکوٰۃ لگتی۔ یہ بھی مسٹر پرویز کی غلط فہمی ہے۔ شرح خراج کا بانٹنصیل مقرر نہ فرمایا جانا اور پھر بانٹنصیل اس کا مقرر ہو جانا بھی کسی حکم میں تبدیلی نہیں ہے۔ بلاشبہ بعض زمینیں مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی تھیں لیکن بعض کی تقسیم سے کل کے لئے حکم ثابت کرنا ابلہ فریبی نہیں تو اور کیا ہے؟

اگر مسٹر پرویز کو احادیث کا شعور ہوتا اور سیرت صحابہ سے واقف ہوتے تو نہ ایسی بے ڈھنگی باتیں کہتے اور نہ خلفائے راشدین پر احکامِ رسول کی تبدیلی کا الزام لگاتے۔ نبی اکرم ﷺ کے فیصلوں میں رد و بدل اور حکم و اضافہ کی نظیریں مسٹر پرویز کو ان کے سوانہیں ملیں اور وہ صرف انہی باتوں کو مڑ کر اپنی تحریروں میں پیش کرتے رہتے ہیں لیکن ان کا دعویٰ یہ ہے:

”یہ چند واقعات محض بطور مثال درج کر دیئے گئے ہیں.....“

مدعا یہ ہے کہ حضور کے حکم میں تبدیلی کی صرف یہی نظر نہیں ہیں بلکہ اس سے بہت زیادہ ہیں اب یہ ہر شخص خود اندازہ لگا لے کہ حضور کی وفات سے بارہ چودہ سال کے اندر اندر جب کہ حالات اس قدر بدل گئے کہ نبی اکرم ﷺ کی متعین کردہ پچاسوں جزئیات میں تبدیلی کر دی گئی۔ تو جبکہ چودہ نہیں، چودہ سو سال گزر چکے ہیں تو جزئیاتِ دین میں کس قدر تبدیلیاں درکار ہوں گی۔

مسٹر پرویز کو نہایت شدت سے اس امر کا احساس تھا کہ شریعتِ اسلامیہ کا تمام ڈھانچہ ہزاروں سال کا پرانا، کہنہ اور بوسیدہ ہو کر از سر نو ساخت و تعمیر کے قابل ہو گیا ہے لیکن ان کے لئے مشکل یہ ہے کہ وہ ابھی تک خلافتِ راشدہ کا سلسلہ از سر نو قائم نہیں کر سکے، تاہم وہ مایوس نہیں ہیں۔ لکھتے ہیں:

”ہم میں جو یہ خیال پیدا کر دیا گیا ہے کہ اب خلافتِ راشدہ کا سلسلہ قائم ہی نہیں کیا جاسکتا تو یہ ناامیدی کا نتیجہ ہے۔ اسلام نے قیامت تک زندہ رہنا ہے، اس لئے اس میں خلافت کا سلسلہ بدستور قائم کیا جاسکتا ہے۔“ (۲۸)

یعنی چودہ سو سال سے جو اسلام مردہ پڑا ہوا ہے، اسے مسٹر پرویز پھر زندہ کریں گے۔ سردست تو ان کی ہدایات صرف یہ ہیں:

”جب تک خلافت کا یہ سلسلہ قائم نہیں ہو جاتا، کسی فرد کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ اُمت کے اُمور شریعت: نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کی جزئیات جس طریق پر چلی آرہی ہیں، اس میں کوئی تغیر

وتبدل کرے۔ وہ صرف اتنا کر سکتا ہے کہ یہ بتادے کہ فلاں معاملہ میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ قرآن کے مطابق نہیں۔“ (ص ۲۹)

یعنی مسٹر پرویز ملتِ اسلامیہ پر ایک ایسا وقت لانا چاہتے ہیں کہ اُمت کے اُمورِ شریعت: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کی جزئیات جس طریقہ پر چلی آرہی ہیں، ان میں تغیر و تبدل کیا جائے۔ ان کے ان بلند عزائم کے باوجود ہم مسٹر پرویز کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے سردست کسی شخص کو یہ اجازت نہیں دی کہ ہمارے مذہبی اعمال میں مداخلت کرے۔ ہمیں یقین ہے کہ عالم اسلام پر ایسی منوس صبح کبھی طلوع نہ ہوگی جس میں کسی ایسے نظام سے دوچار ہونا پڑے جو مسلمانوں کے ہاتھ کو کتاب و سنت کے مرکزی دامن سے جدا کر دے۔ اطاعتِ رسول کے معنی صرف یہ ہیں کہ ایک مسلمان قرآن و حدیث پر بیک وقت عامل ہو، اس کے علاوہ مرکزِ ملت کا نہ کوئی مفہوم ہے اور نہ مسٹر پرویز خود یا ان کی نسل کبھی ایسے مرکزِ ملت سے دوچار ہو سکے گی جس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا نام تو ہو لیکن اس کے ارکان موجود نہ ہوں۔

## حقیقی مرکزِ ملت کیا ہے؟

جسدِ شریعت ان ہی اجزائے ترکیبی سے وجود میں آیا ہے جس کی تزئین و تشکیل جناب رسول اللہ ﷺ کے وحی آشنا ذہن اور معجز آفرین ہاتھوں نے کی۔ خلفائے راشدین کی حیاتِ طیبہ کا تمام سرمایہ ناز و افتخار ان ہی جزئیات کی مہو اور ہو ہوا اجتماع تھی اور افرادِ ملت کی خوش بختی محض اس میں ہے کہ ہم ان ہی اسلاف کے نقوشِ قدم کی تلاش میں لگے رہیں اور جہاں جہاں ان کا قدم پڑا ہے، اسی پر قدم رکھیں۔ مرکزِ ملت وہ نہیں ہے جو اس وقت مسٹر پرویز کے ماؤف ذہن میں ہے بلکہ وہ ہے جو آج سے چودہ سو سال قبل قائم ہوا اور اب تک قائم ہے اور اسی کو چھٹے رہنے اور اسی سے وابستہ رہنے کا ارشاد اس حدیث میں ہے:

عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدى عضوا عليها بالنواجذ وتمسكوا بها واياكم ومحدثات الامور

”تم پر لازم ہے کہ میرے طریقے اور میرے بعد خلفاءِ راشدین مہدیین کے طریقے کی پیروی کرو اور اس کو دانتوں سے مضبوطی سے پکڑ رکھو اور اسی پر جمے رہو اور خبردار نئی باتوں سے بچتے رہنا“

نئی بات جس سے بچنے کی حضور نے تاکید فرمائی ہے، یہی مرکزِ ملت کا ناشدنی تصور ہے جس کے نام سے بھی ملتِ اسلامیہ بلکہ مللِ عالم ناواقف ہیں۔

آخر میں، اربابِ بصیرت کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ وہ بار بار غور کریں کہ مرکزِ ملت کے اس لامرکزی تصورِ اطاعتِ رسول کی یہ منکرانہ توجیہ، دین اور مذہب کی یہ بے سبب تفریق، آیا تکلامِ الہی کی یہ معنوی تحریف اور احادیثِ رسولؐ و اخبارِ صحابہؓ سے اس استغناء میں آخر ملتِ اسلامیہ کی کون سی خدمت

مقصود ہے۔ مسلمانوں کو یا دنیا کو ان کوششوں سے کون سا سیاسی، اقتصادی یا اخلاقی فائدہ پہنچ رہا ہے۔ قومی ترقی کی کون سی راہیں کشادہ ہوئیں اور ان کے اس مسلسل درس نے کتنے مسلمانوں کے اخلاق درست کئے اس جدوجہد کا مال سوائے اس کے اور کیا ہے کہ مسلمانوں کی چودہ صد سالہ روایات کی عظمت، علماء و صلحائے ملت کے فضل و ہنر، ائمہ مفسرین و محدثین و فقہاء کی مانوق العادت دینی بصیرت اور من حیث المجموع تمام شرعی ضوابط کی تنقیص و تضعیف اور اربوں افرادِ ملت کی عقل و دانش کی تضحیک اور نتیجہً خود مذہب اسلام کا ابطال ہو۔ **وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ**

﴿رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا آتَزَلْتِ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ﴾

### مکتبہ اصحاب الحدیث کی مطبوعات

- ① فیض الباری شرح اردو صحیح بخاری عام قیمت: ۲۸۰۰ روپے، رعایتی قیمت: ۲۸۸۰ روپے
- ② تفسیر محمدی منظوم (سات جلد) عام قیمت: ۲۰۰۰ روپے، رعایتی قیمت: ۱۳۰۰ روپے
- ③ خطبات مسک المدینة (مدینے کی خوشبو) عام قیمت: ۱۵۰ روپے، رعایتی قیمت: ۹۰ روپے
- ④ اصلی اہلسنت کی پہچان (مولانا عبدالقادر حصاری) عام قیمت: ۸۰ روپے، رعایتی قیمت: ۵۰ روپے
- ⑤ بلوغ المرام مترجم مع تلخیص سبل السلام عام قیمت: ۲۰۰ روپے، رعایتی قیمت: ۱۲۰ روپے

نوٹ: تمام کتب خانوں کی مطبوعات رعایتی قیمت پر مکتبہ اصحاب الحدیث سے مل سکتی ہیں

رابطہ: (مولانا) عبداللطیف ربانی مدیر مکتبہ اصحاب الحدیث حسن مارکیٹ چھلی منڈی اردو بازار، لاہور۔

18 اردو بازار، لاہور۔ فون: 7223046

ہر قسم کی اسلامی، علمی، دینی، درسی کتب

**فاران اکیڈمی**

مصر، بیروت

ایران و سعودی عرب

کی مطبوعہ کتب کا عظیم مرکز

فاران اکیڈمی نڈانی سٹریٹ

**خوشخبری** علماء کرام کی تقاریر کی آڈیو ویڈیو کیسٹوں

کے ساتھ ساتھ اب آڈیو ویڈیو سی ڈیز پر

① علامہ احسان الہی ظہیر ② مولانا حبیب الرحمن یزدانی

③ مولانا معراج ربانی (سعودی عرب)

④ مولانا طارق جمیل ⑤ علیؑ دیگر علماء کرام کی تقاریر

علاوہ انہیں قرآن مجید مترجم

سادہ، مکمل صحاح ستہ عربی، ترانوں، توحیدی نعتوں، نظموں کی

سی ڈیز بھی دستیاب ہیں۔

نیز ہر قسم کی اسلامی کتب کی خرید اور اشتہارات و کتب کی

کتابت و طباعت کے لیے خدمت کا موقع دیں۔

علامہ احسان الہی ظہیر کی تمام مشہور تقاریر

صرف ۶ آڈیو سی ڈیز میں دستیاب ہیں۔

محمد جاوید محمدی محمدی کیسٹ ہاؤس اینڈ پرنٹنگ ایجنسی

## پرویزیت کے بارے میں علماء اسلام کے فتاویٰ

..... غلام احمد پرویز کافر اور مرتد ہے.....

✽ امام حرمین شریفین شیخ محمد بن عبداللہ السبیلی نے 'طلوع اسلام' تنظیم کے بانی غلام احمد پرویز اور اس کے تبعین کو ان کے باطل و ملحدانہ عقائد کی وجہ سے کافر قرار دیا ہے۔ اپنے فتویٰ میں انہوں نے لکھا: ”یہ شخص حجیت حدیث، معجزات، عذاب قبر اور بہت سی ضروریات دین کا منکر ہے۔ اس ملحد نے قرآن کریم کی ان آیات اور آنحضرت ﷺ کی ان احادیث کا جو نماز، زکوٰۃ، حج، جنت اور دوزخ سے متعلقہ ہیں، کا انکار کیا ہے۔ یقیناً اس میں شک نہیں کہ غلام احمد پرویز اور اس کے تبعین جو اس کے مذکورہ عقائد کے حامل ہیں، کافر اور قادیانیت کی طرح ملت اسلامیہ سے خارج ہیں۔“

شیخ عبداللہ السبیلی نے پرویزی فتنہ کی سنگینی کے پیش نظر حکومت اور علماء کرام سے پرزور اپیل کرتے ہوئے فتویٰ میں یہ بھی لکھا:

”حکومت کے ذمہ داران اور علماء کرام پر واجب ہے کہ وہ اس عظیم خطرہ سے آگاہ رہیں اور ان کی جملہ حرکات اور ممکنہ کارروائیوں پر پابندی لگائیں تاکہ ان کا زہر مسلمانوں میں نہ پھیل سکے۔“

امام کعبہ کے فتویٰ کا تفصیلی متن بمعترجمہ اگلے صفحات میں شائع کیا گیا ہے۔

✽ اس سے قبل حکومت کو یہ بھی سرکاری طور پر غلام احمد پرویز اور اس کے تبعین کو کافر و مرتد قرار دے چکی ہے۔ اس سلسلے میں حکومت کویت کی وزارت الاوقاف کی فتویٰ کمیٹی کے چیئرمین شیخ مشعل مبارک عبداللہ احمد الصباح نے اپنے فتویٰ میں لکھا:

”غلام احمد پرویز کے عقائد باطل و گمراہ کن ہیں اور اسلامی عقیدے کے منافی ہیں۔ ہر وہ شخص جو ان عقائد پر ایمان رکھتا ہے، وہ کافر اور دائرۃ اسلام سے خارج ہے اور اگر وہ پہلے مسلمان تھا پھر ان عقائد کو اختیار کیا ہو تو وہ مرتد شمار ہوگا، کیونکہ ان عقائد سے ان امور کا انکار لازم آتا ہے جو قرآن و سنت سے قطعی طور پر ثابت ہیں اور ضروریات دین میں شمار ہوتے ہیں۔“

✽ سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن باز مرحوم نے بھی غلام احمد پرویز کو منکر حدیث کی حیثیت سے کافر قرار دیا ہے۔ ان کے فتویٰ کا مکمل متن بھی بمعترجمہ آگے آ رہا ہے۔

✽ سعودی عرب کے موجودہ مفتی اعظم فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن محمد آل شیخ حفظہ اللہ نے بھی ۱۴/۱۳ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ کو فتویٰ نمبر ۲۱۱۶۸ کی رو سے 'بزم طلوع اسلام' کے مؤسس غلام احمد پرویز اور



اس کے پیروکاروں کے کافر و مرتد ہونے کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ جس میں مسلمان حکومتوں سے کہا گیا ہے کہ وہ اس گروہ کے تائب نہ ہونے کی صورت میں اس کے خلاف ارتداد کی شرعی سزا نافذ کریں۔ اس فتویٰ کا مکمل اردو ترجمہ بھی آگے آرہا ہے۔

❁ اسی طرح متحدہ عرب امارات، دبئی کے 'اسلامک مشن' نے بھی پرویز کے کفریہ عقائد کی تفصیل لکھتے ہوئے اجماع امت کی روشنی میں اس کے کفر اور خارج از اسلام ہونے کا فتویٰ صادر کیا ہے۔

❁ عالم عرب کے ان فتاویٰ کی توثیق و تصدیق کے ساتھ عالم اسلام کی جن مقتدر علمی اور دینی شخصیات نے پرویز کے کفر پر اتفاق کیا ہے، ان میں بالخصوص مندرجہ ذیل معروف شخصیات شامل ہیں:

- ۱) مولانا محمد ادریس سلفی و حافظ عبدالقہار دہلوی (جماعت غرباء الہدیث، کراچی)
- ۲) مولانا ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی (مہتمم جامعہ نعیمیہ، لاہور)
- ۳) ڈاکٹر اسرار احمد (امیر تنظیم اسلامی، لاہور)
- ۴) مولانا محمد تقی عثمانی (سابق جسٹس شریعت پنج، سپریم کورٹ)
- ۵) قاضی عبداللطیف (ممبر اسلامی نظریاتی کونسل و سابق سینیٹر)
- ۶) مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی (ادارہ منہاج القرآن، لاہور)
- ۷) مولانا ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری (صوبائی وزیر مذہبی امور، پنجاب)
- ۸) ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر (صدر جامعہ علوم اسلامیہ)
- ۹) مولانا سراج الدین (شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم نعمانیہ)
- ۱۰) مولانا محمد یوسف لدھیانوی (عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت)
- ۱۱) مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی (چیئرمین جماعت اہل حدیث)
- ۱۲) مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی (صدر مدرس دارالعلوم، کراچی)
- ۱۳) مولانا شیخ عبدالحفیظ مکی (مکہ مکرمہ)
- ۱۴) مولانا منظور احمد چنیوٹی (سابق ایم پی اے)
- ۱۵) مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ مدنی (شیخ الحدیث جامعہ حقانیہ، اکوڑہ خٹک)
- ۱۶) مولانا محمد اجمل خاں (سرپرست جمعیت علمائے اسلام)
- ۱۷) مولانا مفتی محمد عاشق الہی البرنی (مدینہ منورہ)
- ۱۸) ڈاکٹر عبدالواحد (مفتی جامعہ مدنیہ)
- ۱۹) مولانا عبدالستار خان نیازمی

- (۲۰) مولانا ابوبطرح محمد اخلق خان  
 (۲۱) مولانا حافظ عبدالرشید شیخ الحدیث  
 (۲۲) مولانا عبدالرحمن  
 (۲۳) مولانا صفی الرحمن مبارکپوری  
 (۲۴) مولانا محمد سلطان ذوق ندوی  
 (۲۵) مولانا مجاہد الاسلام  
 (۲۶) مولانا نعیم الحق نعیم  
 (۲۷) مولانا حافظ محمد قاسم  
 (۲۸) مولانا محمد یونس صابر  
 (۲۹) مولانا محمد اجمل قادری  
 (۳۰) مولانا ریاض الحسن نوری  
 (۳۱) مولانا حافظ عبدالرحمن مدنی  
 (۳۲) ابوعمار زاہد الراشدی  
 (۳۳) مولانا عبدالملک  
 (۳۴) حضرت قاضی عبدالکریم کلاوچی  
 (۳۵) حضرت مولانا مفتی نور محمد و مولانا عبدالعلیم  
 (۳۶) مولانا مفتی محمد الیاس کشمیری

اور کئی دیگر علمی شخصیات اور پاکستان کے معروف دینی ادارے بھی اس میں شامل ہیں۔

✽ اس سے قبل ۱۹۶۲ء میں بھی علماء کرام کی ایک اجتماعی تحریک کے نتیجے میں غلام احمد پرویز کی کفریات پر مبنی تحریروں کی روشنی میں اس کے خلاف کفر و ارتداد کا فتویٰ مرتب کر کے توثیق و تصدیق کے لئے ملک کے طول و عرض میں تمام مکاتیب فکر کے تقریباً ایک ہزار علما کے پاس بھیجا گیا تھا جن میں حرم کعبہ اور مسجد نبوی کے علمائے کرام بھی شامل تھے۔ ان تمام حضرات نے متفقہ طور پر اس فتویٰ پر اجماع کیا اور امت کو پرویزی الحاد و زندقہ سے بچنے کی تلقین کی۔

اس دور میں غلام احمد قادیانی کے بعد غلام احمد پرویز وہ دوسری شخصیت ہے جس کے کفر پر بلا اختلاف و شک متفقہ طور پر اجماع امت قائم ہوا ہے جو اہل اسلام کے لئے ایک شرعی جنت ہے تاکہ وہ نہ صرف خود اس فتنہ سے اپنے ایمان و اسلام کی حفاظت کا بندوبست کریں بلکہ دوسروں کو بھی اس کا شکار ہونے سے بچائیں۔

تاریخ: ۲۰۲۳/۲/۱۳۲۴ھ

## فتنہ پرویزیت کے متعلق امام کعبہ کا فتویٰ بمعہ ترجمہ

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبى بعده و على آله وأصحابه أجمعين أما بعد: فإن منظمة (طلوع إسلام) والتي تصدر مجلة بإسم "طلوع اسلام" و تنتمى إلى إمامها الضال (غلام أحمد پرويز) الذى أنكر حجية الحديث الشريف وأنكر المعجزات وعذاب القبر وكثيرا من ضروريات الدين والحد وحرّف فى آيات القرآن الكريم وأقوال الرسول ﷺ مما يتعلق بالصلاة والزكاة والحج والجنة والنار وغير ذلك.

ولاشك أن غلام أحمد پرويز وأتباعه ومن كان على عقائده المذكورة كفار خارجون عن ملة الاسلام وهم فى ذلك مثل القاديانيين الكفرة.

وقد ألمنا ما بلغنا من أن هاتين الطائفتين "منظمة طلوع إسلام" و"القاديانيين" تقوم بأنشطة متنوعة لنشر كفرياتهما فى دولة الكويت الشقيقة وغيرها من دول الخليج.

ويجب على المسئولين والعلماء أن ينتبهوا لهذا الخطر العظيم ويعملوا للخطر على أنشطتهم حتى لا تنتشر سموهم بين المسلمين، والله الهادي إلى سبيل الرشاد.

وصلى الله على سيدنا ونبينا محمد و على آله و صحبه اجمعين و بارك و سلم تسليمًا

الرئيس العام لشئون المسجد الحرام والمسجد النبوى

إمام وخطيب المسجد الحرام محمد عبدالله السبيل

### ترجمہ

الحمد لله والصلاة والسلام على من لا نبى بعده و على آله وأصحابه أجمعين  
 اما بعد: طلوع اسلام نامی تنظیم جو طلوع اسلام کے نام سے ایک رسالہ نکال رہی ہے اور اپنے گمراہ پیشوا غلام احمد پرویز کی طرف منسوب ہے۔ یہ شخص حجیت حدیث، معجزات، عذاب قبر اور بہت سی ضروریات دین کا منکر ہے۔ اس ملحد نے قرآن کریم کی ان آیات اور آنحضرت ﷺ کی ان احادیث میں تحریف کی ہے جو نماز، زکوٰۃ، حج، جنت اور دوزخ سے متعلق ہیں۔

یقیناً اس میں شک نہیں کہ غلام احمد پرویز، اس کے تبعین اور جو بھی اس کے مذکورہ بالا عقائد کے حامل ہیں، کافر ہیں۔ اور یہ لوگ قادیانیت کی طرح ملت اسلامیہ سے خارج ہیں۔

ہمیں اس بات کا دلی رنج اور دکھ ہوا کہ یہ دونوں فرقے: پرویزی اور قادیانی اپنے کفریہ نظریات پھیلانے کے لئے برادر اسلامی ملک کویت میں مصروف عمل ہیں۔

حکومت کے ذمہ داران اور علماء کرام پر واجب ہے کہ وہ اس عظیم خطرے سے آگاہ رہیں اور ان کی جملہ حرکات اور ممکنہ کارروائیوں پر پابندی لگائیں تاکہ ان کا ہر مسلمانوں میں پھیل نہ سکے۔

والله الهادي إلى سبيل الرشاد وصلى الله على سيدنا ونبينا محمد و على آله و صحبه

أجمعين و بارك و سلم تسليمًا

نگران اعلیٰ مسجد حرام و مسجد نبوی شریف و امام و خطیب مسجد حرام (مکہ مکرمہ) محمد عبداللہ السبیل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## غلام احمد پرویز اور اس کے حواریوں کے بارے میں سابق مفتی اعظم سعودی عرب شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن بازؒ کا فتویٰ

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله و على آله واصحابه ومن والاه  
أما بعد، فقد اطّلت على ما نشرته مجلة "الحج" في عددها الثاني الصادر في ١٦  
شعبان عام ١٣٨٢ هـ من الاستفتاء المقدم إليها من أختينا العلامة الشيخ محمد يوسف  
البنوري مدير المدرسة الترية الاسلامية بكراتشي عن حكم الشريعة الإسلامية في  
غلام أحمد پرويز الذي ظهر أخيراً في بلاد الهند وعن حكم معتقداته التي قدم فضيلة  
المستفتي نماذج منها لاستفتائه وعن حكم من اعتنق تلك العقائد  
واعتقدها ودعا إليها..... الخ

والجواب: كل من تأمل تلك النماذج التي ذكرها المستفتي في استفتائه من عقائد  
غلام أحمد پرويز وهي عشرون أنموذجاً موضحة في الاستفتاء المنشور في المجلة  
المذكورة، كل من تأمل هذه النماذج المشار إليها من ذوي العلم والبصيرة يعلم علماً  
قطعيّاً لا يحتمل الشك يوجه ما أن معتقدها ومعتقدها والداعي إليها كافر أكبر مرتد  
عن الاسلام يجب أن يستتاب فإن تاب توبة ظاهرة وكذب نفسه تكذيباً ظاهراً ينشر في  
الصحف المحلية كما نشر فيها الباطل من تلك العقائد الزائفة وإلا يجب على ولي  
الأمر للمسلمين قتله، وهذا شئ معلوم من دين الاسلام بالضرورة والأدلة عليه من  
الكتاب والسنة وإجماع أهل العلم كثيرة جداً لا يمكن استقصاؤها في هذا الجواب.

وكل أنموذج من تلك النماذج التي قدمها المستفتي من عقائد غلام أحمد  
پرويز يوجب كفره وردّته عن الاسلام عند علماء الشريعة الإسلامية.

☆ بحوالہ مفت روزہ اہل حدیث لاہور: ۱۰ تا ۱۶ جولائی ۲۰۰۲ء جلد ۳۰ شماره ۲۷

ترجمہ

”تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور درود و سلام ہو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ پر اور آپ کی آل اور آپ کے تمام صحابہ کرامؓ پر..... اما بعد

۱۶ شعبان ۱۳۸۲ھ کے مجلہ ’الحج‘ میں کراچی کے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے مدیر شیخ محمد یوسف بنوریؒ کا ہندوستان میں عنقریب رونما ہونے والے غلام احمد پرویز اور اس کے حواریوں کے متعلق ایک استفتاء (سوال نامہ) شائع ہوا ہے جس میں غلام احمد پرویز اور اس کے پیروکاروں کے بارے میں شریعت اسلامیہ کے فیصلے کے متعلق دریافت کیا گیا ہے۔ اور ہمارے بھائی سائل مذکور نے پرویزی اعتقادات میں سے تقریباً بیس ۲۰ عقائد بھی بطور نمونہ کے پیش کئے ہیں۔

میں نے مجلہ مذکور میں غلام احمد پرویز اور اس کے ساتھیوں کے ان عقائد میں پورا غور و فکر کیا ہے۔ لہذا علم و بصیرت کے ساتھ اور بغیر کسی شک و شبہ کے میں سمجھتا ہوں کہ ایسے عقائد کا اختیار کرنے والا اور ان کی طرف دوسرے لوگوں کو دعوت دینے والا شخص کافر ہے، اور ایسا شخص کفر اکبر کا مرتکب ہے اور وہ اسلام سے مرتد ہو گیا ہے۔ ایسے شخص اور اس کے ساتھیوں کو اپنے ان بدعقائد سے توبہ کرنے کا حکم دیا جائے۔ اگر یہ لوگ واضح طور پر توبہ کر لیں اور اپنی غلطی کا اعتراف کر لیں اور ان کی توبہ کا اعلان مقامی اخبارات میں ویسے ہی نشر کیا جائے جیسے اس سے پہلے ان میں ان کے گندے عقائد نشر ہوتے رہے ہیں تو درست ہے (انہیں چھوڑ دیا جائے) لیکن اگر یہ لوگ اپنے ان عقائد سے توبہ کرنے سے انکار کریں تو مسلمانوں کے حکمران کو چاہئے کہ ایسے بدعقیدہ لوگوں کو قتل کرے، کیونکہ ان کا قتل دین اسلام کی تعلیمات سے بدیہی طور پر معلوم ہے، جس پر قرآن و سنت اور اجماع امت سے بکثرت دلائل موجود ہیں جنہیں اس مختصر جواب میں تفصیل سے ذکر کرنا ممکن نہیں ہے۔

سائل مذکور نے غلام احمد پرویز کے جو غلیظ عقائد ذکر کئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء شریعت کے نزدیک غلام احمد پرویز پکا کافر ہے اور دین اسلام سے مرتد ہو گیا ہے۔“

(مجلہ ’الایمان‘ کویت..... عدد ۸۱۱، جمعہ ۲۹ شعبان ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۸ دسمبر ۱۹۹۸ء)

## مفتی اعظم سعودی عرب شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ آل شیخ کا فتویٰ

فتویٰ نمبر ۲۱۱۶۸ مورخہ ۱۴/۱۱/۲۰۱۳ھ

’طلوع اسلام نامی جماعت کے عقائد و افکار جو اس جماعت کے بانی غلام احمد پرویز اور اس کے پیروکاروں نے اپنی کتابوں اور مضامین کے ذریعے پھیلانے ہیں اور بہت سے اسلامی ملکوں میں اس جماعت کے خلاف علمائے مسلمین کی کثیر تعداد کی طرف سے جاری کئے گئے فتاویٰ سے آگاہی کے بعد، یہ واضح ہو گیا ہے کہ یہ جماعت متعدد گمراہیوں کا مجموعہ ہے جن میں سے اکثر یہ ہیں:

① اطاعت رسول ﷺ سے انحراف اور سنت کی حجیت (شرعی حیثیت) کا انکار کرنا اور یہ وہم کہ صرف قرآن ہی شریعت کا ماخذ ہے۔

② ارکان اسلام میں تحریف کرنا اور ان کے ایسے مطالب لینا جو قرآن و سنت اور اجماع اُمت کے خلاف ہیں۔ مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ اور حج کے ان کے نزدیک خاص معانی ہیں جو درحقیقت باطل توجیہات ہیں..... جیسا کہ خارج از اسلام باطنی فرقوں کی تحریفات ہیں۔

③ ارکان ایمان میں تحریف کرنا جو قرآن و سنت اور اجماع اُمت کے خلاف ہے۔ ملائکہ کی ان کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں بلکہ وہ کائنات کو ودیعت کی گئی قوتوں کا حصہ ہیں اور قضاء و قدر ان کے نزدیک مجوسی فریب ہے۔

④ جنت و دوزخ کا انکار کہ ان کے نزدیک یہ حقیقی جگہیں نہیں ہیں۔

⑤ حضرت آدمؑ کے ابو البشر ہونے کا انکار کہ ان کے نزدیک وہ ایک تمثیلی قصہ ہے حقیقت نہیں۔

⑥ قرآن کریم کی تفسیر اپنی مرضی اور خواہشات کے مطابق کرنا اور ان کا کہنا ہے کہ احکام قرآن عبوری (وقتی) تھے، ابدی نہیں ہیں۔

اس کے علاوہ بھی اس جماعت نے بہت سے ایسے گمراہ عقائد و افکار اپنائے ہوئے ہیں (جن کی یہ دعوت بھی دیتے ہیں) جن میں سے ایک ہی عقیدہ اس جماعت کے اسلام سے خارج ہونے اور اس کے زمرہ مرتدین میں شامل ہونے کے لیے کافی ہے چہ جائیکہ بہت سے عقائد کفریہ جمع ہو جائیں۔ علمائے اسلام کی بجائے اگر عام مسلمان لوگ بھی ان کے عقائد و افکار کے بارے میں غور و فکر کریں گے تو وہ بھی اس جماعت کی ضلالت و کفریات کے جاننے کے بعد اس کے کافر و مرتد ہونے کا یقینی فیصلہ کریں گے۔

☆ پرویز کو کافر قرار دینے کی بنیاد ان کے وہ کفریہ عقائد ہیں جو امت اسلامیہ سے بالکل مختلف اور متضاد ہیں۔ جیسا کہ زیر نظر فتویٰ میں بھی ان کا اشارہ موجود ہیں۔ پرویز کی تحریروں کی مدد سے مولانا محمد رمضان سلمی حفظہ اللہ نے ان عقائد کو جمع کیا ہے، جو ایک مضمون (پرویز کے کفریہ عقائد) کی صورت میں اسی شمارہ میں شائع شدہ ہے۔

ﷺ

کیونکہ یہ جماعت اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلاتی اور مؤمنین کے رستے سے انحراف کرتی اور معروف ضروریات دین میں تحریف کرتی ہے۔

جو کچھ اس جماعت کے بارے میں پیش کیا گیا ہے، اس کی بنا پر جو بھی اس جماعت کی اتباع کرتا ہے یا اس کی طرف دعوت دیتا ہے یا کسی بھی ذریعے لوگوں کو ان کی آرا سے متاثر کرتا ہے، وہ کافر اور دین اسلام سے خارج ہے اور مسلم حکمرانوں پر واجب ہے کہ وہ اس سے توبہ کروائے اور اگر وہ تائب ہو جائے اور ایسی (کفریہ) حرکات سے باز آجائے اور اسلام کی طرف لوٹ آئے تو ٹھیک ورنہ ایسے کافر کو از روئے اسلام قتل کر دینا چاہئے۔

اور تمام مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ وہ اس گمراہ جماعت اور اس جیسی دوسری اسلام سے منحرف جماعتوں مثلاً قادیانیوں، بہائیوں وغیرہ سے بچیں اور لوگوں کو بچائیں اور ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ قرآن و سنت کو مضبوطی سے پکڑیں اور صحابہ و تابعین کی اتباع کا التزام کریں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اسلام کے دشمنوں کو جہاں کہیں بھی ہوں، نیچا دکھائے اور ان کے مکر و فریب کو نیست و نابود کرے۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر اور ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کافی اور بہترین وکیل ہے۔ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

وصلی اللہ و سلم علی نبینا محمد و علی آلہ و صحبہ

دستخط عبدالعزیز بن عبداللہ بن آل شیخ چیئرمین فتویٰ کونسل

اور دیگر اراکین فتویٰ کونسل، سعودی عرب کے دستخط

جیسا کہ اس شمارے میں پرویزیت کے بارے میں کتب اور مضامین و مقالات کی فہرستیں بھی شائع کی گئی ہیں جن میں پرویزیت کے بارے میں مختلف قسم کے اعتراضات اور ان کی تحریفات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں 'پرویزیت' کے موضوع پر دو مقالہ جات خصوصیت سے قابل مطالعہ ہیں:

پروفیسر حافظ محمد دین قاسمی جن کا وقیع مضمون 'اختلاف تعبیر قرآن اور منکرین حدیث' اس شمارے میں شائع شدہ ہے..... پرویزیت کے ہی موضوع پر اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ رہے ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے ماہنامہ طلوع اسلام کی ۶۰ سالہ فائلوں کا بڑی گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا ہے۔ جیسا کہ ان کے محولہ بالا مضمون میں بھی اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے پرویزیت کے موضوع پر بیسیوں مضامین محدث میں شائع ہو چکے ہیں، دیکھیں صفحہ نمبر

مولانا عبدالقوی لقمان کیلانی، جو ماہنامہ محدث کے ۴ سال مدیر بھی رہ چکے ہیں، نے مدینہ منورہ یونیورسٹی کے کلیہ دعوت و اصول دین میں اپنا تحقیقی مقالہ البروزیة بزبان عربی ۱۹۸۸ء میں مکمل کیا۔ اس مقالہ میں عربی زبان میں پہلی بار پرویزیتوں کے عقائد کا تجزیہ تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ ادارہ

## برصغیر میں فتنہ انکارِ حدیث کی تاریخ اور اسباب

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی وحی کے مطابق حضور ﷺ نے آئندہ زمانے کے مختلف فتنوں اور حوادث کا ذکر فرمایا جس کی تفصیل مختلف احادیث میں موجود ہے۔ انکارِ حدیث کے فتنے کے بارے میں بھی حضور اکرم ﷺ نے مطوع فرمایا تھا جیسا کہ آپ کے درج ذیل فرمان سے واضح ہے:

”لا ألفین أحدکم متکئا علی أریکتہ، یأتیہ الأمر من أمری مما أمرت به أو نہیت عنہ، فیقول: لا أدری، ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ“<sup>(۱)</sup>

”میں تم میں سے کسی کو ایسا کرتے نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسہری پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو اور جب اس کے سامنے میرے احکامات میں سے کسی بات کا امر یا کسی چیز کی ممانعت آئے تو وہ کہنے لگے کہ میں کچھ نہیں جانتا، ہم تو جو قرآن مجید میں پائیں گے، اسی کو مانیں گے۔“

حضور اکرم ﷺ کی پیشین گوئی حرفِ بحرف درست ثابت ہوئی۔ چنانچہ دوسری صدی ہجری اور تیرھویں صدی ہجری میں انکارِ حدیث کے فتنے اُٹھے۔ مؤخر الذکر فتنے کا مرکز برصغیر ہندوپاک ہے۔ یہاں کے منکرینِ حدیث میں سے بعض نے اپنے آپ کو علی الاعلان ’اہل قرآن‘ بھی کہلویا، جن میں زیادہ مشہور عبد اللہ چکڑالوی تھا۔ ان صاحب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تخت پوش پر تکیہ لگا کر حدیثِ نبوی ﷺ کا انکار کیا کرتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان عبد اللہ چکڑالوی پر مکمل طور پر صادق آتا ہے۔ اس کی انکارِ حدیث کی کیفیت کو مولانا صادق سیالکوٹی مرحوم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

”غور فرمایا آپ نے کہ حضور ﷺ کا فرمان کتنا حرفِ بحرف صحیح نکلا ہے بلکہ معجزہ ثابت ہوا ہے کہ عبد اللہ چکڑالوی نے ’اریکہ‘ یعنی تخت پوش پر بیٹھ کر (پنگ پر بیٹھ کر) تکیہ لگائے ہوئے کہا ہے لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ ”میں نہیں جانتا حدیث کو، حدیث دین کی چیز نہیں ہے۔ میں تو صرف قرآن پر ہی چلوں گا۔“<sup>(۲)</sup>

فتنہ انکارِ حدیث، حضور اکرم ﷺ کے فرمان کا مصداق ہونے کے علاوہ حجیتِ حدیث کی دلیل اور اہل ایمان کے لئے حدیث پر مزید یقین کا سبب بھی بنا۔



## خوارج اور معتزلہ کا انکار حدیث

پہلی صدی ہجری تک قرآن مجید کے ساتھ ساتھ احادیث نبوی ﷺ کو منفقہ طور پر حجت شرعی تسلیم کیا جاتا رہا۔ انکار حدیث کے فتنہ کا آغاز سب سے پہلے دوسری صدی ہجری میں ہوا۔ اس فتنہ کی ابتدا کرنے والے خوارج اور معتزلہ تھے۔ حافظ ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ

”اہل سنت، خوارج، شیعہ، قدریہ، تمام فرقے آں حضرت کی ان احادیث کو جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں، برابر قابل حجت سمجھتے رہے۔ یہاں تک کہ پہلی صدی کے بعد متکلمین معتزلہ آئے اور انہوں نے اس اجماع سے اختلاف کیا۔“ (۳)

محمد نجف الغنی ’معتزلہ‘ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے ہیں:

”وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب حسن بصریؒ کو یہ خبر پہنچی کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی پیدا ہوئی ہے، جو کہتی ہے کہ مرتکب کبیرہ نہ بالکل مؤمن ہے اور نہ بالکل کافر ہے بلکہ وہ ایک منزل میں ہے، درمیان منزل ایمان و کفر کے۔ تو انہوں نے کہا: ہؤلاء اعتزلوا یعنی یہ لوگ کنارہ کش ہو گئے اجماع اسلام سے۔ تب وہ فرقہ ’معتزلہ‘ کہلانے لگا۔“ (۴)

خوارج، انکار حدیث کے فتنہ کے بانی ہیں۔ انہوں نے اپنے عقائد کی بنیاد ہی اس بات پر رکھی کہ وہ اس چیز کو اختیار کریں گے جو قرآن سے ملے گی۔ مولانا مفتی ولی حسنؒ لکھی خوارج کے اعتقادات بیان کرتے ہوئے ’خوارج اور انکار حدیث‘ کے عنوان سے لکھتے ہیں:

”انکار حدیث کے فتنہ کی بنیاد سب سے پہلے خوارج نے رکھی۔ کیونکہ ان کے عقائد کی بنیاد ہی اس پر تھی کہ جو بات قرآن سے ملے گی، اسے اختیار کریں گے۔ چنانچہ ان کے یہاں بڑی حد تک احادیث کا انکار پایا جاتا ہے۔ اور اسی انکار حدیث کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے رجم کے شرعی حد ہونے سے انکار ہی اس بنا پر کیا کہ قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اور احادیث کو وہ نہیں مانتے اور بعض لوگوں نے خوارج کی تکفیر ہی اس رجم کے انکار کی وجہ سے کی ہے۔“ (۵)

امام ابن حزمؒ خوارج اور معتزلہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”تمام معتزلہ اور خوارج کا مسلک ہے کہ خبر واحد موجب علم نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جس خبر میں جھوٹ یا غلطی کا امکان ہو، اس سے اللہ تعالیٰ کے دین میں کوئی بھی حکم ثابت کرنا جائز نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کی نسبت اللہ کی طرف کی جاسکتی ہے اور نہ اللہ کے رسول ﷺ کی طرف۔“ (۶)

خوارج کی طرف سے انکار حدیث کی وجہ ان کے انتہا پسندانہ نظریات اور مقاصد تھے جو سنت رسول ﷺ کی موجودگی میں پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکتے تھے۔ جب کہ معتزلہ نے یونانی فلسفوں سے متاثر ہو کر عقل کو فیصلہ کن حیثیت دی اور اسلام کے احکامات کو عقلی تقاضوں کے مطابق بنانے کی کوشش کی مگر اس رستے میں

رسول اکرم ﷺ کی سنت حائل تھی۔ چنانچہ انہوں نے حدیث کی حجیت سے انکار کر دیا۔ خوارج اور معتزلہ کے اغراض و مقاصد اور ان کی ٹیکنیک بیان کرتے ہوئے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

”ان دونوں فتنوں کی غرض اور ان کی ٹیکنیک مشترک تھی۔ ان کی غرض یہ تھی کہ قرآن کو اس کے لانے والے کی قومی و عملی تشریح و توضیح سے اور اس نظام فکر و عمل سے جو خدا کے پیغمبر ﷺ نے اپنی رہنمائی میں قائم کر دیا تھا، الگ کر کے مجرد ایک کتاب کی حیثیت سے لے لیا جائے اور پھر اس کی من مانی تاویلات کر کے ایک دوسرا نظام بنا ڈالا جائے جس پر اسلام کا لیبل چسپاں ہو۔ اس غرض کے لئے جو ٹیکنیک انہوں نے اختیار کی، اس کے دو حربے تھے: ایک یہ کہ حدیث کے بارے میں یہ شک دلوں میں ڈالا جائے کہ وہ فی الواقع حضور ﷺ کی ہیں بھی یا نہیں؟ دوسرے، یہ کہ اصولی سوال اٹھا دیا جائے کہ کوئی قول یا فعل حضور ﷺ کا ہو بھی تو ہم اس کی اطاعت و اتباع کے پابند کب ہیں؟ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ ہم تک قرآن پہنچانے کے لئے مامور کئے گئے تھے۔ سو انہوں نے وہ پہنچا دیا اس کے بعد محمد بن عبداللہ ویسے ہی ایک انسان تھے، جیسے ہم ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا اور کیا، وہ ہمارے لئے حجت کیسے ہو سکتا ہے؟“ (۷)

خوارج اور معتزلہ کے فتنے زیادہ وقت نہ چل سکے اور تیسری صدی کے بعد تو مکمل طور پر مٹ گئے۔ ان فتنوں کے زوال کے مختلف اسباب تھے جن میں ایک اہم سبب یہ تھا کہ فتنہ کی تردید میں وسیع تحقیقی کام کیا گیا۔ امام شافعیؒ نے ’الرسالہ‘ اور ’کتاب الام‘ میں اس فتنہ کا رد پیش کیا..... امام احمدؒ نے مستقل ایک جز تصنیف کیا جس میں اطاعت رسول ﷺ کے اثبات کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث کی روشنی میں منکرین حدیث کے نظریات کی تردید کی گئی..... حافظ ابن قیمؒ نے ’اعلام الموقعین‘ میں اس کے ایک حصہ کو نقل کیا ہے..... بعد ازاں امام غزالیؒ نے ’المستصفیٰ‘، ابن حزمؒ نے ’الاحکام‘ اور حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر نے ’الروض الباسم‘ میں اس فتنہ کے رد میں دلائل دیئے۔

دوسری صدی ہجری کے بعد صدیوں تک اسلامی دنیا میں کہیں بھی انکار حدیث کی کوئی تحریک نہیں اٹھی اور یہ فتنہ مکمل طور پر ختم ہو گیا۔ تیرہویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) میں انکار حدیث کا فتنہ دوبارہ اٹھا۔ انکار حدیث کے پہلے فتنے کا مرکز عراق تھا جب کہ تیرہویں صدی ہجری میں اس فتنے نے برصغیر ہندوپاک میں سراٹھایا۔

## فتنہ انکار حدیث کا برصغیر میں آغاز

تیرہویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) میں برصغیر میں انکار حدیث کی ابتدا کن لوگوں نے کی؟ منکرین حدیث کے مشہور سلسلے کون کون سے ہیں؟ نیز فتنہ انکار حدیث کو کن لوگوں نے فروغ دیا؟

اس سلسلے میں محققین علماء کرام نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ان میں سے بعض کی آرا ذیل میں پیش کی جاتی ہیں: مولانا ثناء اللہ امرتسری..... جو حجیت حدیث پر علمی و تحقیقی کام اور منکرین حدیث سے مختلف مناظروں کے حوالے سے کافی شہرت رکھتے ہیں..... ہندوستان میں انکار حدیث کی آواز اٹھانے والوں کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ہندوستان میں سب سے پہلے سرسید احمد خان علی گڑھی نے حدیث کی حجیت سے انکار کی آواز اٹھائی۔ ان کے بعد پنجاب میں مولوی عبداللہ چکڑالوی مقیم لاہور نے ان کا تتبع کیا بلکہ سرسید مرحوم سے ایک قدم آگے بڑھے۔ کیونکہ سرسید حدیث کو شرعی حجت نہ جانتے تھے لیکن عزت و احترام کرتے تھے۔ واقعات نبویہ ﷺ کا صحیح ثبوت کتب احادیث سے دیتے تھے۔ برخلاف ان کے مولوی عبداللہ چکڑالوی حدیث نبوی ﷺ کو ’لہوالحدیث‘ سے موسوم کیا کرتے۔“ (۸)

فتنہ انکار حدیث کی تاریخ مولانا محمد تقی عثمانی یوں بیان کرتے ہیں:

”یہ آواز ہندوستان میں سب سے پہلے سرسید احمد خان اور ان کے رفیق مولوی چراغ علی نے بلند کی، لیکن انہوں نے انکار حدیث کے نظریہ کو ’علی الاعلان اور بوضاحت پیش کرنے کی بجائے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جہاں کوئی حدیث اپنے مدعا کے خلاف نظر آئی، اس کی صحت سے انکار کر دیا خواہ اس کی سند کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو۔ اور ساتھ ہی کہیں کہیں اس بات کا بھی اظہار کیا جاتا رہا کہ یہ احادیث موجودہ دور میں حجت نہیں ہونی چاہئیں اور اس کے ساتھ بعض مقامات پر مفید مطلب احادیث سے استدلال بھی کیا جاتا رہا۔ اسی ذریعہ سے تجارتی سود کو حلال کیا گیا، معجزات کا انکار کیا گیا، پردہ کا انکار کیا گیا اور بہت سے مغربی نظریات کو سند جواز دی گئی۔ ان کے بعد نظریہ انکار حدیث میں اور ترقی ہوئی اور یہ نظریہ کسی قدر منظم طور پر عبداللہ چکڑالوی کی قیادت میں آگے بڑھا اور یہ ایک فرقہ کا بانی تھا، جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتا تھا۔ اس کا مقصد حدیث سے کلیتاً انکار کرنا تھا، اس کے بعد جیراج پوری نے اہل قرآن سے ہٹ کر اس نظریہ کو اور آگے بڑھایا، یہاں تک کہ پرویز غلام احمد نے اس فتنہ کی باگ دوڑ سنبھالی اور اسے منظم نظریہ اور مکتب فکر کی شکل دے دی۔ نوجوانوں کے لئے اس کی تحریر میں بڑی کشش تھی، اس لئے اس کے زمانہ میں یہ فتنہ سب سے زیادہ پھیلا۔“ (۹)

برصغیر میں منکرین حدیث کے سلسلوں کو تاریخی ترتیب سے بیان کرتے ہوئے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

”اس طرح فنا کے گھاٹ اتر کر یہ انکار سنت کا فتنہ کئی صدیوں تک اپنی شمشان بھومی میں پڑا رہا یہاں تک کہ تیرہویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) میں پھر جی اٹھا۔ اس نے پہلا جنم عراق میں لیا تھا، اب دوسرا جنم اس نے ہندوستان میں لیا۔ یہاں اس کی ابتدا کرنے والے

سرسید احمد خان اور مولوی چراغ علی تھے۔ پھر مولوی عبداللہ چکڑالوی اس کے علم بردار بنے۔ اس کے بعد مولوی احمد الدین امرتسری نے اس کا بیڑا اٹھایا، پھر مولانا اسلم جیراج پوری اسے لے کر آگے بڑھے اور آخر کار اس کی ریاست چوہدری غلام احمد پرویز کے حصے میں آئی، جنہوں نے اس کو ضلالت کی انتہا تک پہنچا دیا ہے۔<sup>(۱۰)</sup>

## برصغیر میں فتنہ انکار حدیث کی ابتدا کس نے کی؟

درج بالا آرا کے مطابق برصغیر پاک و ہند میں فتنہ انکار حدیث کو سرسید احمد خاں، مولوی چراغ علی، مولوی عبداللہ چکڑالوی، مولوی احمد الدین امرتسری، حافظ اسلم جیراج پوری اور چوہدری غلام احمد پرویز نے فروغ دیا اور اس کی ابتدا سرسید احمد خان اور مولوی چراغ علی نے کی۔ لیکن بعض محققین کے نزدیک برصغیر میں فتنہ انکار حدیث کے بانی عبداللہ چکڑالوی تھے جنہوں نے حجیت حدیث کا کھلا انکار کیا۔

جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ تخت پوش پر تکیہ لگا کر حدیث نبوی ﷺ کا انکار کیا کرتے تھے۔ فتنہ انکار حدیث کے بارے میں حضور پاک ﷺ کا فرمان اور پیشین گوئی عبداللہ چکڑالوی پر مکمل طور پر صادق آتی ہے۔ جیسا کہ اس کے انکار حدیث کی کیفیت محمد صادق سیالکوٹی کی زبانی پیچھے گزر چکی ہے۔<sup>(۲)</sup> اس بارے میں مفتی رشید احمد لکھتے ہیں:

”عبداللہ چکڑالوی نے سب سے پہلے انکار حدیث کا فتنہ برپا کر کے مسلمانان عالم کے قلوب کو مجروح کیا۔ مگر یہ فتنہ چند روز میں اپنی موت خود مر گیا۔ حافظ اسلم جیراج پوری نے دوبارہ اس دَبے ہوئے فتنہ کو ہوا دی اور کبھی ہوئی آگ کو دوبارہ جلا کر عاشقانِ شیع رسالت ﷺ کے جروح پر نمک پاشی کی اور اب غلام احمد پرویز بنا لوی نگران رسالہ ’ظہور اسلام‘ اس آتش کدہ کی تویلت قبول کر کے رسولِ دہشی پر کمر بستہ ہیں۔“<sup>(۱۱)</sup>

عبدالقیوم ندوی اپنی رائے درج ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

”حجیت حدیث کا کھلا انکار مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی نے کیا۔ اس سے پہلے صراحتاً انکار ملحدین اور زنادقہ سے بھی نہ ہو سکا۔“<sup>(۱۲)</sup>

حکیم نور الدین اجیری اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ہندوستان میں فتنہ انکار حدیث کی خشتِ اول عبداللہ چکڑالوی نے رکھی تھی اور اسی بنیاد پر مولانا اسلم جیراج پوری اور جناب پرویز جیسے اہل قلم ایک قلعہ تیار کر رہے ہیں۔“<sup>(۱۳)</sup>

حدیث کا کھلا انکار، چودھویں صدی میں، کے عنوان کے تحت مولانا محمد اسماعیل سلفی لکھتے ہیں:

”مولوی عبداللہ چکڑالوی پہلے شخص ہیں، جنہوں نے علوم سنت کی کھلی مخالفت کی۔“<sup>(۱۴)</sup>

منکرین حدیث کے تعارف اور فتنہ انکار حدیث کی ابتدا کے بارے میں پیش کی گئی مختلف آرا کے

تجزیہ سے اس امر کی وضاحت ہو رہی ہے کہ سرسید احمد خان اور مولوی چراغ علی نے انکار حدیث کے نظریہ کو علی الاعلان اور بوضاحت پیش نہیں کیا بلکہ جہاں کوئی حدیث اپنے مدعا کے خلاف دیکھی، اس کی صحت سے انکار کر دیا خواہ اس کی سند کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو۔ مزید یہ کہ بعض مقامات پر اپنے لئے مفید مطلب احادیث سے استدلال بھی کرتے رہے۔ خود سرسید احمد خان حدیث کی عزت و احترام بھی کرتے تھے اور واقعات نبویہ ﷺ کا صحیح ثبوت کتب احادیث سے دیتے تھے۔ انہوں نے تمام احادیث کی صحت کا انکار نہیں کیا۔ البتہ احادیث کی صحت کے بارے میں ان کا اپنا ایک خود ساختہ معیار ہے، چنانچہ سرسید لکھتے ہیں:

”جناب سید الحاج مجھ پر اتہام فرماتے ہیں کہ میں کل احادیث کی صحت کا انکار کرتا ہوں۔

لاحول ولا قوة الا بالله العلی العظیم یہ محض میری نسبت غلط اتہام ہے۔ میں خود بیسیوں حدیثوں سے جو میرے نزدیک روایتاً و درایتاً صحیح ہوتی ہیں، استدلال کرتا ہوں۔“ (۱۵)

محققین علماء کرام کی مذکورہ آرا کے مطابق عبداللہ چکڑالوی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے برصغیر میں کھل کر حدیث کا انکار کیا اور فرقہ ’اہل قرآن‘ کی بنیاد رکھی ہے۔ اس کے بعد مولوی احمد الدین امرتسری نے انکار حدیث کے فتنے کا بیڑا اٹھایا۔ اور حافظ اسلم جیراج پوری نے اس نظریہ کو مزید آگے بڑھایا۔ آخر میں غلام احمد پرویز نے انکار حدیث کو ایک منظم نظریہ اور کتب فکر کی صورت میں پیش کیا۔

برصغیر میں انکار حدیث کے علمبرداروں میں مولوی محبت الحق عظیم آبادی، تمنا عمادی، قمر الدین قمر، نیاز فتح پوری، سید مقبول احمد، علامہ مشرقی، شہت علی لاہوری، مستری محمد رمضان گوجرانوالہ، محبوب شاہ گوجرانوالہ، خدا بخش، سید عمر شاہ گجراتی اور سید رفیع الدین ملتانی بھی شامل ہیں۔ (۱۶) ڈاکٹر غلام جیلانی برق بھی انکار حدیث کے مرتکب ہوئے مگر بعد ازاں انہوں نے نہ صرف رجوع کر لیا بلکہ تاریخ حدیث پر ایک مدلل کتاب بھی تالیف کی۔ (۱۷)

## انکار حدیث..... دین سے انحراف کی روش

دوسری صدی ہجری کے منکرین حدیث اور تیرہویں صدی ہجری کے منکرین حدیث کے انکار حدیث کے سلسلے میں اغراض و مقاصد، حدیث کے بارے میں شبہات و اعتراضات اور انکار حدیث پر مبنی دلائل مختلف ہیں۔ شاید قدیم منکرین حدیث، دین سے مکمل آزادی نہیں چاہتے تھے۔ لیکن برصغیر کے منکرین حدیث کی تحریروں سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ ان کے انکار حدیث کے موقف کے پس پردہ وہ عزائم ہیں جن سے ان کا مقصود الحاد و لادینیت کا فروغ اور دین سے چھٹکارا اور آزادی حاصل کرنا ہے، ان کے ناپاک عزائم پر تبصرہ کرتے ہوئے مفتی رشید احمد لکھتے ہیں:

”دشمنانِ رسول اللہ ﷺ کا مقصد صرف انکار حدیث تک محدود نہیں بلکہ یہ لوگ (علیہم ما علیہم) اسلام کے سارے نظام کو مخدوش کر کے ہر امر و نہی سے آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ نمازوں کے اوقاتِ ثمنہ، تعدادِ رکعات، فرائض و واجبات کی تفصیل، صوم و زکوٰۃ کے مفصل احکام، حج کے مناسک، قربانی، بیع و شرا، امورِ خانہ داری، ازدواجی معاملات اور معاشرت کے قوانین، ان سب اُمور کی تفصیل حدیث ہی سے ثابت ہے، قرآن میں ہر چیز کا بیان اجمالاً ہے جس کی تشریح اور تفصیل حدیث میں ہے۔“ (۱۸)

مولانا عبدالجبار عمر پوری نے ’حدیثِ نبوی ﷺ کے بارے میں شبہات اور ان کا ازالہ‘ کے عنوان کے تحت برصغیر کے منکرین حدیث کے اصل مقصد کو بیان کیا ہے، وہ تحریر کرتے ہیں:

”کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی ذہنیت اور اعمال حیرت کے لائق نہیں کیونکہ وہ قرآن کے منکر، رسول اللہ ﷺ سے منحرف اور ضروریاتِ دین سے برگشتہ ہیں۔ لیکن سخت افسوس ان ظالموں کی حالت پر ہے کہ زبان سے کلمہ شہادت پڑھتے ہیں اور توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہیں اور اسلام کو صحیح و راست کہتے ہیں اور بائیں ہمہ اسلام کے اجزاء و ارکان کو منہدم کرنا چاہتے ہیں۔“ (۱۹)

انکارِ حدیث صرف یہ نہیں کہ حدیث کو حجتِ شرعی اور شریعتِ اسلامیہ کا ماخذ ماننے سے انکار کیا جائے بلکہ احادیث کو مشکوک بنانا، اسلاف کی روش سے ہٹ کر اپنی خواہشِ نفس سے احادیث سے مسائل کا استنباط کرنا، مستند احادیث کی صحت سے انکار کرنا اور حدیث کے معانی و مفہیم کی غلط تاویل میں پیش کرنا بھی انکارِ حدیث کی مختلف صورتیں ہیں۔ برصغیر کے منکرین حدیث نے حدیث کے بارے میں جو شبہات و اعتراضات پیش کئے ہیں، ان میں انکارِ حدیث کی مندرجہ بالا صورتیں واضح طور پر پائی جاتی ہیں۔ انکارِ حدیث کے فتنہ کے یہ علمبردار حدیث کو مشکوک بنانے اور اس سے دامن چھڑانے کے لئے اس قسم کے شبہات پیش کرتے ہیں کہ احادیث، رسول اللہ ﷺ کے دو ڈھائی سو سال بعد تحریری شکل میں مرتب ہوئیں، اس لئے قابلِ اعتبار نہیں ہیں؛ احادیث باہم متعارض ہیں؛ رسول اللہ ﷺ نے کتابتِ حدیث سے منع فرمادیا تھا؛ اکثر حدیثیں خبر واحد کے درجہ کی ہیں؛ قرآن مجید جو جامع اور کامل کتاب ہے، اس کی موجودگی میں حدیث کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے اور اگر حدیث حجتِ شرعی ہوتی تو حضور ﷺ احادیث کو اسی اہتمام سے لکھواتے جس اہتمام سے آپ ﷺ نے قرآن مجید لکھوایا تھا، وغیرہ۔

حدیثِ رسول ﷺ کے بارے میں منکرین حدیث نے اپنے مذکورہ بے بنیاد اور من گھڑت شبہات کو ثابت کرنے کے لئے تصنیف و تالیف کا بہت بڑا دفتر کھولا۔ (۲۰) اور اپنے مشن میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ مگر تیرہویں صدی ہجری میں برصغیر پاک و ہند میں انکارِ حدیث کے اس فتنے کے اٹھتے ہی اس خطے کے

جید علماء کرام اور محققین اسلام اس فتنہ کے مضمرات کو بھانپ گئے۔ لہذا ان کو اس کے انسداد کی سخت فکر دامن گیر ہوئی۔ اس بارے میں علماء کرام کی فکر مندی کا اندازہ شاہ محمد عزالدین میاں پھلواری کے اس بیان سے لگایا جاسکتا ہے:

”انکار حدیث کا جو فتنہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ اُٹھا چلا آتا ہے۔ وہ کس طرح خرمن دین و ایمان پر بجلیاں گرا رہا ہے۔ آج اس فتنہ کا انسداد اسی طرح ہو سکتا ہے کہ دنیا کے سامنے حدیث رسول کریم ﷺ کی صحیح اہمیت کو پوری طرح واضح کیا جائے۔“<sup>(۱)</sup>

چنانچہ دیگر فتنوں کی طرح انکار حدیث کے فتنہ کے خلاف برصغیر کے علماء کرام نے بیسیوں کتب لکھیں، جن میں نہ صرف جیت حدیث کو قرآن و حدیث اور عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا بلکہ منکرین حدیث کے شبہات و اعتراضات کا مضبوط دلائل کے ساتھ ردّ پیش کیا گیا۔ مختلف دینی رسائل و جرائد نے اس فتنہ کے خلاف خصوصی نمبر شائع کئے، تحریری مواد کے علاوہ منکرین حدیث کے ساتھ علمی مناظرے بھی کئے گئے اور دینی اجتماعات میں بھی عوام الناس کو فتنہ انکار حدیث کے عواقب و مضمرات سے آگاہ کیا گیا۔ چنانچہ تحریری و تقریری کاوشوں نے منکرین حدیث کی کمر توڑ دی۔

## انکار حدیث کے اسباب

صاحبانِ فکر و نظر کے لئے اس امر کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس جدید انکار حدیث کی وجوہات کیا تھیں، برصغیر میں اس فتنہ کے اُٹھنے کے اسباب داخلی بھی تھے اور خارجی بھی..... جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

### انکار حدیث کے داخلی اسباب

① **خواہشاتِ نفس کی پیروی:** دین اسلام میں داخل ہونے کے بعد مسلمان کو اسلام پابند کرتا ہے کہ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے آزاد اور خود مختار نہیں بلکہ مکمل طور پر قرآن و حدیث کے احکامات کا پابند ہے۔ یہ پابندی طبیعت میں آزادی رکھنے والوں اور خواہشات کی پیروی کرنے والوں پر گراں گزرتی ہے۔ احادیث نبویہ ﷺ جو قرآن مجید کے اُصول اور کلیات کی تفصیل ہیں، قدم قدم پر خواہشاتِ نفسانیہ کی پیروی میں رکاوٹ ہیں۔ نیز ان میں تاویل کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ جب کہ خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنے والے اپنے آپ کو ’مسلمان‘ بھی کہلانا چاہتے ہیں اور ان پابندیوں سے آزادی کے طلب گار بھی ہیں، لہذا احادیث کا انکار کر دیا گیا اور مسلمان کہلانے کے لئے قرآن حکیم کو مانتے رہے۔ اس ضمن میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی ’انکار حدیث کی اصل وجہ‘ کے عنوان سے لکھتے ہیں:

”انکار حدیث کی یہ وجہ نہیں کہ حدیث ہم تک معتبر ذریعہ سے نہیں پہنچی بلکہ انکار حدیث کی اصل وجہ یہ ہے کہ طبیعت میں آزادی ہے، یہ آزاد رہنا چاہتی ہے۔ نفس یورپ کی تہذیب اور تمدن پر عاشق اور فریفتہ ہے اور انبیاء و مرسلین کے تمدن سے نفور اور بیزار ہے، کیونکہ شریعتِ غراء اور ملت بیضاء اور احادیثِ نبویہ اور سننِ مصطفویہ قدم قدم پر شہواتِ نفس میں مزاحم ہیں۔

حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا اولین مقصد نفسانی خواہشوں کا پکڑنا اور پامال کرنا تھا۔ اس لئے کہ شہوتوں کو آزادی دینے سے دین اور دنیا دونوں ہی تباہ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے منکرین حدیث نے ان دو متضاد راہوں میں تطبیق کی ایک نئی راہ نکالی، وہ یہ کہ حدیث کا تو انکار کر دیا جائے جو ہماری آزادی میں سد راہ ہے۔ اور مسلمان کہلانے کے لیے قرآن کریم کا اقرار کر لیا جائے کیونکہ قرآن کریم ایک اصولی اور قانونی کتاب ہے۔ اس کی حیثیت ایک دستورِ اساسی کی ہے کہ جو زیادہ تر اصول و کلیات پر مشتمل ہے۔ جس میں ایجاز اور اجمال کی وجہ سے تاویل کی گنجائش ہے اور احادیثِ نبویہ اور اقوالِ صحابہؓ میں ان اصول اور کلیات کی شرح اور تفصیل ہے، اس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ اس لیے اس گروہ نے حدیثِ نبویہ کا تو انکار کر دیا اور مسلمان کہلانے کے لیے قرآن کریم کو مان لیا اور اس کے جملات اور موجز کلمات میں ایسی من مانی تاویلیں کیں کہ جس سے ان کے اسلام اور یورپ کے کفر اور الحاد میں کوئی منافات ہی نہ رہی۔“ وذلک غایۃ طلبہم ونہایۃ طربہم (۲۲)

خواہشات کی پیروی حدیث کی مخالفت کا ایک بنیادی سبب ہے، اس حقیقت کو مولانا محمد سرفراز یوں بیان کرتے ہیں:

”اور یہ ایک خالص حقیقت ہے کہ حدیث کی مخالفت آج وہ لوگ کر رہے ہیں جو دراصل اسلامی تہذیب و تمدن کے عادلانہ نظام کو یکسر توڑنا چاہتے ہیں، کیونکہ وہ اس کی تشریح ہے اور تعینات کی حدود میں، اپنی آہوا اور خواہشات کی پیروی کے لیے وہ قطعاً کوئی گنجائش نہیں پاتے۔ لہذا انہوں نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ اس چیز ہی کو اصل سے مٹا دیا جائے جو مکمل طور پر اسلام کے عادلانہ نظام کی تشریح اور حد بندی کرتی ہے۔ تاکہ وہ آزاد ہو جائیں اور اسلام کے ڈھانچے پر جس قدر اور جس طرح چاہیں، گوشت پوست چڑھائیں اور جس طرح چاہیں اپنے خود ساختہ اسلام کی شکل بنا لیں۔“ (۲۳)

ایسے لوگوں کے بارے میں مولانا محمد عاشق الہی رقم طراز ہیں:

”قرآن حکیم میں اوامر و نواہی ہیں جن میں بہت سے احکام ایسے ہیں جن کا اجمالی حکم قرآن میں دے دیا گیا اور ان پر عمل کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ ان احکام کی تفصیلات رسول اللہ ﷺ نے بتائیں۔ جو لوگ آزاد منش ہیں، اعمال کی بندش میں آنے کو تیار نہیں، ان کا نفس زندگی کے شعبوں میں اسلام کو اپنانے کے لئے تیار نہیں۔ لہذا



یہ لوگ حدیث کے منکر ہو جاتے ہیں۔ چونکہ قرآن مجید میں احکام کی تفصیلات مذکور نہیں ہیں اس لئے آزادی کا راستہ نکالنے کے لئے بار بار یوں کہتے ہیں کہ فلاں بات قرآن میں دکھاؤ،<sup>(۲۴)</sup>

② **کم علمی اور جہالت:** برصغیر کے منکرین حدیث کے لٹریچر کے مطالعہ اور حدیث کے بارے میں

ان کے خود ساختہ اور من گھڑت شبہات اور اعتراضات کو دیکھ کر اس چیز کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ وہ نہ تو علم حدیث پر عبور رکھتے ہیں اور نہ ہی علوم قرآنی کی گہرائیوں سے واقف ہیں۔ چونکہ قرآن و سنت اور ان کے مستند ماخذ تک منکرین حدیث کی رسائی نہیں لہذا ان کی توجیہ بھی ان کے بس کا روگ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث رسول پر اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ منکرین حدیث کا نامکمل مطالعہ اور جہالت کو بیان کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ ازہری لکھتے ہیں:

”جہاں تک میں نے معترضین حدیث کی مشکلات کا اندازہ لگایا ہے، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان کا مطالعہ صرف چند نامکمل تراجم کتب حدیث تک محدود ہوتا ہے۔ وہ ان اصولوں سے بے خبر ہوتے ہیں جن سے کسی حدیث کی فقہی اور قانونی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ اس سے قطعی ناواقف ہوتے ہیں کہ اس حدیث سے جو حکم ثابت ہے، وہ فرض ہے، سنت ہے، جائز ہے یا مباح ہے بلکہ انہوں نے تو احکام کے اس فرق کو جاننے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی اور پھر بے چارے وہم و گمان کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے لگتے ہیں اور اسی طرح اپنے خود ساختہ اوہام میں غلطیاں و پچپال رہتے ہیں۔ اس وجہ سے بعض تو اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتے ہیں اور حدیث پر بے جا اعتراض کرنے لگتے ہیں۔“<sup>(۲۵)</sup>

مولانا محمد قطب الدین انکارِ حدیث کے اسباب کی تفصیل میں بیان کرتے ہیں کہ

”انکارِ حدیث کا سب سے پہلا اور بنیادی سبب یہ ہے کہ منکرین حدیث تاریخِ علم القرآن ہی نہیں، وہ علم حدیث پر بھی مکمل عبور نہیں رکھتے اور حدیث کی مختلف انواع و اقسام اور راویوں سے متعلق فن تنقید و تحقیق سے بے خبر واقع ہوئے ہیں۔ ان میں تطبیق آیات و احادیث کا فن بھی مفقود ہے جس کے لئے مسلسل اور عمیق مطالعہ کی ضرورت ہے اور جس کے بغیر احادیثِ نبوی کی صحیح عظمت و افادیت واضح نہیں ہو سکتی۔“<sup>(۲۶)</sup>

منکرین حدیث کی جہالت اور اس کی بنیاد پر انکارِ حدیث کو بیان کرتے ہوئے شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رقم طراز ہیں:

”انکارِ حدیث احساسِ کمتری کی پیداوار ہے جس نے گریز پائی کی صورت اختیار کر لی ہے۔ جب یہ حضرات کسی مخالف کا اعتراض سنتے ہیں تو چونکہ یہ قرآن و سنت اور اس کے مستند ماخذ سے واقف نہیں اور اس کی توجیہ سے ان کا ذہن قاصر ہوتا ہے، اس لئے بھاگنا شروع کر دیتے ہیں جس کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ نصوص کا انکار کر دیں اور احادیث کے متعلق تو وہ یہ ہتھیار استعمال کرتے

ہیں کہ ہم اس حدیث کو نہیں مانتے۔“ (۲۷)

③ **عقل کو معیار بنانا:** تاریخ اسلام اس چیز کی گواہ ہے کہ جب بھی اسلام میں کسی فرقہ یا گروہ نے اپنے عقائد و نظریات کو داخل کرنا چاہا تو عقل کا سہارا لیا اور عقل کی برتری کو منوانے کی کوشش کی۔ چنانچہ دوسری صدی ہجری میں معتزلہ کے انکارِ حدیث کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے عقل کو فیصلہ کن حیثیت دی اور راہِ راست سے بھٹک گئے۔ برصغیر میں انکارِ حدیث کے دیگر اسباب میں ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ منکرینِ حدیث نے بعض ایسے امور میں عقل کا فیصلہ مانا جہاں عقل عاجز ہے۔ مثلاً جو حدیث عقل میں نہ آئی، اس کو ماننے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ انسانی عقل وحی کی محتاج ہے اور اسے قدم قدم پر رہنمائی اور ہدایت کی ضرورت ہے۔ عقل کی بنیاد پر حدیث کو قبول نہ کرنے کے معیار اور عقل کی بے بسی کا تذکرہ کرتے ہوئے محمد ادریس فاروقی لکھتے ہیں:

”بعض حضرات نے تو حدیث کے ٹھکرانے اور ناقبول کرنے کا معیار اپنی عقل، مشاہدہ اور فکر کو قرار دے رکھا ہے۔ حدیث خواہ کس قدر بے غبار اور صحیح ہو، سند کتنی مضبوط ہو، رواۃ کتنے بے عیب ہوں۔ پوری اُمت نے قبول کیا ہو، ان کی بلا سے، انہیں ان باتوں کی کوئی پرواہ نہیں۔ انہوں نے کامل نبی کو اپنی ناقص عقل سے کم تر مقام دیا جو کہ افسوسناک بلکہ خطرناک ہے۔ عام طور پر ہمارے انگریزی خواں حضرات اور ماڈرن دوست اسی آسان اُصول کو قبول فرمالتے ہیں کہ جو حدیث عقل میں نہ آئے، اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا حالانکہ عقل کو کیسے معیار قرار دیا جاسکتا ہے۔ عقل تو خام ہے۔ پھر عقل میں تفاوت ہے، سب کی عقل ایک جیسی نہیں۔ بہت سے لوگ ہیں کہ ان کی عقل پر ماڈیٹ کا غلبہ ہے اور اس پر یورپ کی چھاپ ہے اور وہ اسلامی حدود و قیود سے سو فیصد نابلد اور یکسر نا آشنا ہے۔ خود فرمائیے مطلق عقل، اور پھر ایسی عقل حدیث کی جانچ کیسے کر سکتی ہے؟“ (۲۸)

④ **دنیاوی اغراض و مقاصد کا حصول:** انکارِ حدیث کی ایک وجہ اغراض و مقاصد کا حصول بھی ہے جن کی خاطر جان بوجھ کر منکرینِ حدیث اس گمراہی کے مرتکب ہوئے چنانچہ مولانا محمد قطب الدین لکھتے ہیں:

”منکرینِ حدیث اور ان کے پیشوا علماء یہود کی مانند محض دنیاوی اغراض و مقاصد کے لئے دیدہ و دانستہ کتمانِ حق، بھی کرتے ہیں اور التباسِ حق و باطل، بھی۔“ (۲۹)

پروفیسر محمد فرمان نے انکارِ حدیث کی مختلف وجوہات کا احاطہ درج ذیل الفاظ میں کیا ہے:

”ہمیں یہ تسلیم ہے کہ بعض لوگوں نے دنیاوی جاہ و منصب کے لئے حدیث کو نشانہ بنا رکھا ہے۔ بعضوں نے کسی محبوب کا اشارہ پا کر یہ تحریک شروع کر رکھی ہے بعضوں نے کم علمی اور اسلام کے سطحی مطالعہ کی بنیاد پر یہ روش پسند کر لی ہے۔“ (۳۰)

## انکار حدیث کے خارجی اسباب

⑤ **برطانوی سامراج کی سازش:** ہندوستان پر انگریز حکومت کی مکمل عملداری اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں کامیابی کے بعد انگریز، مسلمانوں کو اپنی انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنانے لگے کیونکہ انہوں نے مسلمان حکمرانوں سے حکومت چھینی تھی اور انہیں ہر وقت مسلمانوں کی طرف سے مزاحمت کا خطرہ رہتا تھا۔ مزید برآں جنگ آزادی میں مسلمانوں نے انگریزوں سے سخت مقابلہ کیا تھا، لہذا وہ مسلمانوں کو ہر میدان میں کچلنا چاہتے تھے۔ لیکن ان کے رستے کی سب سے بڑا رکاوٹ مسلمانوں کی اپنے بنیادی عقائد کے ساتھ مکمل وابستگی اور آپس کا اتحاد تھا۔ چنانچہ انگریزوں نے مسلمانوں کو دینی اعتبار سے کمزور کرنے کے لئے مختلف سازشیں شروع کر دیں۔ مثلاً مسلمانوں میں فرقہ بندی کو ہوا دینے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں ہی میں ایسے رجال تیار کئے جنہوں نے مختلف دینی احکام سے انحراف کر کے دین میں نئے نئے فتنے پیدا کئے۔ ان فتنوں میں انکار ختم نبوت اور انکار حدیث کے فتنے نہایت نقصان دہ اور خطرناک ثابت ہوئے۔ انگریزوں نے ان فتنوں کی مکمل پشت پناہی کی۔ اس سلسلے میں انگریزوں کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے مولانا مفتی محمد عاشق الہی بلند شہری لکھتے ہیں:

”انگریزوں نے جب غیر منقسم ہندوستان میں حکومت کی بنیاد ڈالی تو اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایسے افراد بنائے جو اسلام کے مدعی ہوتے ہوئے اسلام سے منحرف ہوں۔ اس طرح کے لوگوں نے تفسیر کے نام سے کتابیں لکھیں، معجزات کا انکار کیا، آیات قرآنیہ کی تحریف کی۔ بہت سے لوگوں کو انگلینڈ ڈگریاں لینے کے لئے بھیجا گیا۔ وہاں سے وہ گمراہی، الجاد، زندیقیت لے کر آئے۔ مستشرقین نے ان کو اسلام سے منحرف کر دیا۔ اسلام پر اعتراضات کئے جو ان کے نفوس میں اثر کر گئے اور علما سے تعلق نہ ہونے کی وجہ سے مستشرقین سے متاثر ہو کر ایمان کھو بیٹھے۔ انگریزوں نے سکول اور کالجوں میں الجاد اور زندقہ کی جو تجم ریزی کی تھی، اس کے درخت مضبوط اور بار آور ہو گئے اور ان درختوں کی قلم جہاں لگتی چلی گئی، وہیں ملحدین اور زندیق پیدا ہوتے چلے گئے۔“ (۳۱)

مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کی سازشوں کے اثرات ظاہر ہونے لگے، فتنہ انکار حدیث ان سازشوں کی ایک اہم کڑی تھی۔ چنانچہ ہندوستان میں فتنہ انکار حدیث کے اسباب اور اثرات کا نقشہ کھینچتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں:

”تیرہویں صدی میں یہ جملہ ایسے وقت میں ہوا جب کہ مسلمان ہر میدان میں پٹ چکے تھے۔ ان کے اقتدار کی اینٹ سے اینٹ بجائی جا چکی تھی۔ ان کے ملک پر دشمنوں کا قبضہ ہو چکا تھا اور ان کو معاشی حیثیت سے بری طرح کچل ڈالا گیا تھا، ان کا نظام تعلیم درہم برہم کر دیا گیا تھا اور ان پر فاتح قوم نے اپنی تعلیم، اپنی تہذیب، اپنی زبان، اپنے قوانین، اور اپنے اجتماعی و سیاسی اور معاشی

اداروں کو پوری طرح مسلط کر دیا تھا۔

ان حالات میں جب مسلمانوں کو فاتحین کے فلسفہ و سائنس اور ان کے قوانین اور تہذیبی اصولوں سے سابقہ پیش آیا تو قدیم زمانے کے معتزلہ کی بہ نسبت ہزار درجہ زیادہ سخت مرعوب ذہن رکھنے والے معتزلہ ان کے اندر پیدا ہونے لگے۔ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ مغرب سے جو نظریات، جو افکار و تخیلات، جو اصول تہذیب و تمدن اور جو قوانین حیات آرہے ہیں، وہ سراسر معقول ہیں۔ ان پر اسلام کے نقطہ نظر سے تنقید کر کے حق و باطل کا فیصلہ کرنا محض تاریک خیالی ہے۔ زمانے کے ساتھ ساتھ چلنے کی صورت بس یہ ہے کہ اسلام کو کسی نہ کسی طرح ان کے مطابق ڈھال دیا جائے۔“ (۳۲)

⑥ **مستشرقین کی خوش چینی:** مستشرقین نے مسلمانوں کے بنیادی عقائد کو متزلزل کرنے کے لئے

حدیثِ رسولؐ کے بارے میں مختلف شکوک و شبہات اور بے بنیاد اعتراضات پیش کر کے حدیث پر مسلمانوں کے اعتماد کو اٹھانے کی سر توڑ کوششیں کیں جس کے اثرات برصغیر کے منکرین حدیث پر بھی پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کے بارے میں یہاں کے منکرین حدیث کے بڑے بڑے شبہات اور مستشرقین کے شبہات میں مماثلت پائی جاتی ہے، جس سے یہ واضح نتیجہ نکلتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں انکار حدیث کا ایک اہم سبب مستشرقین کی حدیثِ رسولؐ کے خلاف علمی فتنہ انگیزیاں ہیں۔ مستشرقین کے فتنہ انکار حدیث کے محرک ہونے کی دلیل کے لئے پروفیسر عبدالغنی ’منکرین حدیث کے اعتراضات‘ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

”ان لوگوں کے اکثر اعتراضات مستشرقین یورپ ہی کے اسلام پر اعتراضات سے براہ راست ماخوذ ہیں مثلاً حدیث کے متعلق اگر گولڈ زیہر (Gold Zihher)، سپرنگر (Sprengr) اور ڈوزی (Dozy) کے لٹریچر کا مطالعہ کیا جائے تو آپ فوراً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ منکرین حدیث کی طرف سے کئے جانے والے بڑے بڑے اعتراضات من و عن وہی ہیں جو ان مستشرقین نے کئے ہیں۔“ (۳۳)

برصغیر کے فتنہ انکار حدیث میں مستشرقین کے لٹریچر کے اثرات کو مولانا محمد فہیم عثمانی ان الفاظ میں

بیان کرتے ہیں:

”افسوس تو زیادہ اس بات کا ہے کہ سب کچھ دشمنان اسلام کی بیرونی میں ہو رہا ہے۔ مستشرقین یورپ کے سفیہانہ اعتراضات کی اندھا دہند تقلید سے زیادہ کچھ نہیں۔ یہ ڈھائی سو برس بعد احادیث کے قلمبند ہونے کی باتیں اور اس طرح حدیث کے ذخیرے کو ساقط الاعتبار ثابت کرنے کی سیکمیں، یہ رجال حدیث کی ثقاہت پر اعتراضات اور یہ عقلی حیثیت سے احادیث پر شکوک و شبہات کا اظہار، یہ سب کچھ مستشرقین یورپ کی اتارن ہیں جن کو منکرین حدیث پہن پہن کر

اتراتے ہیں۔“ (۳۳)

اسی حقیقت کو مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی نے یوں بیان کیا ہے:

”اور عجیب بات ہے کہ موجودہ دور کے منکرین حدیث نے بھی اپنا ماخذ و مرجع انہی دشمنان اسلام، مستشرقین کو بنایا ہے اور یہ حضرات انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور جو اعتراضات و شبہات ان مستشرقین نے اسلام کے بارے میں پیش کئے ہیں، وہی اعتراضات و شبہات یہ منکرین حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔“ (۳۵)

برصغیر پاک و ہند میں انکارِ حدیث کے فتنے کے اُٹھتے ہی اس خطے کے مسلمانوں میں منکرین حدیث کے خلاف نفرت کی لہر دوڑ گئی۔ علماء کرام اور محققین اسلام نے منکرین حدیث کے مبنی براہِ انکارِ حدیث اعتراضات کی تردید کے لئے بیسیوں کتب لکھیں، مختلف رسائل میں حجیتِ حدیث پر مقالے شائع ہوئے۔ قلمی کاوشوں کے ساتھ ساتھ دینی اجتماعات میں فقہ انکارِ حدیث کے خلاف آواز اٹھائی گئی۔ جوں جوں منکرین حدیث آگے بڑھتے گئے اور نئے نئے شبہات لاتے گئے، توں توں حجیتِ حدیث پر بھی زیادہ وزنی دلائل پیش کئے جاتے رہے۔ منکرین حدیث کے ساتھ مختلف علماء کرام کے علمی مناظرے بھی ہوئے مگر منکرین حدیث نہ صرف اپنے موقف پر قائم رہے بلکہ نئے نئے حیلوں بہانوں سے انکارِ حدیث کے شبہات سامنے لاتے رہے۔ منکرین حدیث نے اپنے مشن کو باقاعدگی اور مقرر پروگرام کے تحت آگے بڑھایا، مگر اپنی پوری قوتوں کو بروئے کار لانے کے باوجود منکرین حدیث انحطاط کا شکار ہوتے چلے گئے۔ حجیتِ حدیث پر متعدد کتب لکھے جانے کے باعث منکرین حدیث کو منہ کی کھانی پڑی۔ انہیں معاشرہ میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا اور حجیتِ حدیث پر برصغیر کے ادب کے خاطر خواہ نتائج نکلنے لگے۔

حوالہ جات

- ۱۔ ولی الدین، امام، محمد بن عبداللہ، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان باب الاعتصام بالکتاب والسنة
- ۲۔ صادق لکھنوی، محمد، ضرب حدیث، سیالکوٹ، مکتبہ کتاب وسنت، ۱۹۶۱ء، ص ۳۸
- ۳۔ ابن حزم، امام، ابو محمد علی بن احمد، الاحکام فی اصول الاحکام، مصر مکتبۃ الخانجی، شارع عبدالعزیز، ۱۹۲۰ء جلد ۱ ص ۱۱۴
- ۴۔ نجم الغنی، محمد، مذاہب الاسلام، انڈیا لکھنؤ، مطبع منشی نولکھور، ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۰۱
- ۵۔ ولی حسن ٹونکی، مفتی، عظیم فقہ، کراچی ۱۹۸۴ء، صفحہ ۲۲
- ۶۔ امام ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد، الاحکام فی اصول الاحکام مصر مکتبۃ الخانجی، شارع عبدالعزیز، ۱۹۲۰ء، ج ۱ ص ۱۱۹
- ۷۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سنت کی آئینی حیثیت، لاہور اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۹۶۳ء، ص ۱۴
- ۸۔ امرتسری، ثناء اللہ، مولانا، حجیت حدیث اور اتباع رسول ﷺ، ہندوستان، امرتسری کتب خانہ ثنائیہ، ۱۹۳۹ء ص ۱
- ۹۔ عثمانی، محمد تقی، مولانا، درس ترمذی، کراچی مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۱۹۸۰ء ص ۲۶

- ۱۰۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، سنت کی آئینی حیثیت، لاہور اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۶۳ء، ص ۱۶
- ۱۱۔ رشید احمد، مفتی، فتنہ انکار حدیث، کراچی کتب خانہ مظہری، ۱۹۸۲ء، ص ۷
- ۱۲۔ ندوی، عبدالقیوم، فہم حدیث، کراچی، ۱۳۸
- ۱۳۔ اجیری، نور الدین، حکیم، مقالہ انکار حدیث کی خشتِ اول ماہنامہ صحیفہ اہل حدیث، کراچی، حدیث نمبر، ۱۹۵۲ء، ص ۱۴
- ۱۴۔ سلفی، محمد اسماعیل، مولانا، حجیت حدیث، لاہور اسلامک پبلیکیشنز ہاؤس ۱۹۸۱ء، ص ۱
- ۱۵۔ پانی پتی، محمد اسماعیل، مقالات سرسید، لاہور مجلس ترقی ادب، ج ۱۳، ص ۱
- ۱۶۔ انکار حدیث کے ان علمبرداروں کے نام درج ذیل وہ کتب سے ماخوذ ہیں۔
- i۔ کیلانی، عبدالرحمن، آئینہ پرویزیت، لاہور مکتبہ السلام، ۱۹۸۷ء، ص ۱۰۱
- ii۔ محمد فرمان، پروفیسر، انکار حدیث ایک فتنہ ایک سازش، گجرات، ۱۹۶۴ء، ص ۱۷۸-۱۷۹
- ۱۷۔ برق، غلام جیلانی، ڈاکٹر، تاریخ حدیث، لاہور مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ، ۱۹۸۸ء
- ۱۸۔ رشید احمد، مفتی، مولانا، فتنہ انکار حدیث، کراچی کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، ۱۴۰۳ھ، ص ۱۰
- ۱۹۔ عبدالغفار حسن، مولانا، عظمت حدیث، مقالات مولانا عبدالجبار عمر پوری، اسلام آباد، دارالعلم، ۱۹۸۹ء، ص ۴۹
- ۲۰۔ منکرین حدیث کے مبنی بر انکار حدیث لٹریچر کی تفصیل بوجہ طوالت پیش نہیں کی جاسکتی۔ چند کتب کے نام درج کئے جا رہے ہیں مثلاً عبداللہ چکڑالوی کا ترجمہ قرآن کی آیات القرآن، غلام احمد پرویز کا رسالہ طلوع اسلام، عبداللہ چکڑالوی کا رسالہ اشاعت القرآن اور صلوة القرآن، سرسید احمد خان کی تصنیف خطبات احمدیہ، اور مقالات حیران پوری وغیرہ۔
- ۲۱۔ پھولاروی، شاہ محمد عزالدین، علوم الحدیث، لاہور، ۱۹۳۵ء، ص ۶
- ۲۲۔ محمد ادریس کاندھلوی، حجیت حدیث، لاہور، ۱۹۵۲ء، صفحہ ۱۶
- ۲۳۔ محمد صفدر سرفراز خان، شوق حدیث، حصہ اول گوجرانوالہ لکھنؤ، انجمن اسلامیہ، ۱۹۸۲ء، صفحہ ۹
- ۲۴۔ محمد عاشق الہی، مفتی، فتنہ انکار حدیث اور اس کا پس منظر، لاہور ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۶ء، ص ۹
- ۲۵۔ ازہری، محمد کرم شاہ، سنت خیر الانام، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۵۳ء، ص ۱۷
- ۲۶۔ محمد قطب الدین، مولانا، مظاہر حق اردو ترجمہ مشکوٰۃ شریف، لاہور، ۱۹۶۶ء، ج ۱، دیباچہ کتاب
- ۲۷۔ سلفی، محمد اسماعیل، مولانا، حجیت حدیث، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز ہاؤس، ۱۹۸۱ء، ص ۱
- ۲۸۔ فاروقی، محمد ادریس، مقام رسالت، لاہور مسلم پبلی کیشنز، ۱۹۷۰ء، ص ۱۶
- ۲۹۔ محمد قطب الدین، مولانا، مظاہر حق، ۱۹۶۶ء، ج ۱، دیباچہ کتاب
- ۳۰۔ محمد فرمان، پروفیسر، انکار حدیث ایک فتنہ ایک سازش، گجرات، مکتبہ مجددیہ نور پور شرقی، ۱۹۶۴ء، ص ۲۰۹
- ۳۱۔ محمد عاشق الہی، مفتی، فتنہ انکار حدیث اور اس کا پس منظر، لاہور ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۶ء، ص ۷
- ۳۲۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، سنت کی آئینی حیثیت، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، ۱۹۶۳ء، ص ۱۷
- ۳۳۔ قادری، عبدالغنی، پروفیسر، ریاض الحدیث، لاہور، ۱۹۶۹ء، ص ۱۵۹
- ۳۴۔ فہیم عثمانی، مولانا محمد محترم، حفاظت و حجیت حدیث، لاہور، دارالکتب، ۱۹۷۹ء، ص ۱۳
- ۳۵۔ ٹوکی، ولی حسن، مفتی، عظیم فتنہ، کراچی، اقراء روضۃ الاطفال، ناظم آباد، ۱۹۸۴ء، ص ۲۶

## عہد نبویؐ میں کتابتِ حدیث

[ مختصر تحقیقی جائزہ ]

حدیث نبویؐ کے بارے میں عموماً یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ احادیث تو نبی اکرم ﷺ کے ڈیڑھ صدی بعد لکھی گئی ہیں، اس لئے ان میں غلطی کے امکانات بہت زیادہ ہیں لہذا احادیث سے استدلال کرنے اور اس کو ماخذِ دین سمجھنے سے گریز کرنا چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے شبہات پیدا کر کے حدیث نبویؐ کو مشکوک بنانے کی جسارت کرنے والے لوگ احکامِ دین سے ہی جان چھڑا کر دین میں من مانی تاویلات کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں۔ آج تک مسلمانوں کا یہ متفقہ موقف چلا آتا ہے کہ حدیث نبویؐ، قرآن کے ساتھ دین کا اہم ترین ماخذ ہے۔ ہمارے اس خطے کی بد قسمتی ہے کہ یہ چند ہائیوں سے تو اتر سے حدیث پر اعتراضات کرنے والوں کی زد میں ہے اور جدید تعلیمات ذہنوں میں حدیث کے بارے میں بہت سے شکوک و شبہات کو جنم دے کر دین سے انحراف کی راہ ہموار کی جا رہی ہے۔

زیر نظر مضمون میں محترم مقالہ نگار نے بڑے مختصر انداز میں دورِ نبویؐ میں کتابتِ حدیث کے موضوع پر دادِ تحقیق دی ہے جس سے کم از کم اس اعتراض کی حقیقت کھلتی ہے کہ ”احادیثِ عہدِ نبویؐ سے ڈیڑھ صدی بعد کی پیداوار ہیں“۔ اپنے اختصار کی وجہ سے یہ مضمون مکتوبِ احادیث کی ایک فہرست ہی ہے۔ اس موضوع پر مزید مباحث اور اٹھائے گئے اعتراضات کے تفصیلی و تحقیقی تجزیہ کے لئے محدث کے گذشتہ شمارہ جات میں بکثرت مضامین موجود ہیں۔ مثال کے طور پر شمارہ ۵۸/۳۲ میں ’صحیح بخاری کے تحریری ماخذ‘ از ڈاکٹر خالد ظفر اللہ اور شمارہ ۵۸/۳۱ میں ’احادیث کی کتابت اور عدم کتابت کے نبویؐ فرامین میں تطبیق‘ پر ڈاکٹر عبدالرءوف ظفر کا ۲۱ اقساط میں گرانقدر مقالہ وغیرہ قابلِ مطالعہ ہیں۔ مزید تفصیل کے خواہشمند قارئین محدث کے محمولہ بالا شمارہ جات اور دیگر مضامین کی طرف رجوع کریں۔ (حسن مدنی)

اسلام علاج ہے انسانی زندگی کی تمام احتیاجات کا۔ اسلام کے معنی ہیں پورے طور پر اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دینا۔ اسلام نام ہے اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور خاتم النبیین ﷺ کے اسوہ حسنہ کا یا یوں کہیے کہ اسلام قرآن و سنت کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے دین حق کے لیے مخلص مومنوں کی ایک جماعت تیار کی تھی جس نے اسلام کو سمجھا، اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالا اور اسے آئندہ نسلوں تک پہنچانے کا اہتمام کیا۔ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرامؓ نے نہ صرف قرآن مجید ہی کی دل و جان سے حفاظت کی بلکہ سنتِ رسول کی بھی حفاظت کا حق ادا کر دیا۔ اسی لیے حفاظتِ حدیث کا اہتمام عہدِ نبویؐ ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور آپ کی ذات سے

☆ لیکچرر گورنمنٹ ڈگری کالج، دیپال پور (اوکاڑہ)

صادر شدہ احکام و افعال کو محفوظ کرنا دینی فریضہ بن گیا تھا۔ صحابہ کرامؓ کی جماعت آپ کے ان ارشادات کی امین تھی۔ حفاظتِ حدیث کے لیے صرف حفظ کا طریقہ ہی اختیار نہ کیا گیا بلکہ احادیث کے لکھنے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے عہد کا مکتوب ذخیرہ محفوظ ہے اور عقلِ عام رکھنے والا آدمی اندازہ کر سکتا ہے کہ عہد نبویؐ میں کتابتِ حدیث کا باقاعدہ اہتمام تھا۔<sup>(۱)</sup>

## احادیث کے حفظ و روایت کی تاکید

احادیث کے حفظ و روایت کی تاکید مندرجہ ذیل احادیث سے ثابت ہوتی ہے:

- ① نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”حَدِّثُوا عَنِّي“ ”مجھ سے حدیث بیان کرو“،<sup>(۲)</sup>
- ② حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةٌ“ میری طرف سے (لوگوں کو میرا پیام) پہنچاؤ خواہ ایک ہی آیت ہو<sup>(۳)</sup>
- ③ حضرت ابو بکر صدیقؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”لِيَبْلُغَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَإِنَّ الشَّاهِدَ عَسَى أَنْ يَبْلُغَ مِنْهُ أَوْ عِيْلَهُ مِنْهُ“ ”اور ضروری ہے کہ حاضر شخص غائب کو یہ حکم پہنچا دے کیونکہ ممکن ہے کہ جس شخص کو یہ حکم پہنچایا جائے، وہ حاضرین سے زیادہ اس کو محفوظ کرنے والا ہو۔“<sup>(۴)</sup>

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا:

”نَصَّرَ اللَّهُ أَمْرًا سَمِعَ مِنْهُ شَيْئًا فَيَبْلُغُهُ كَمَا سَمِعَهُ فَرَبِّ مَبْلُغٌ أَوْ عِيْلَهُ مِنْ سَامِعٍ“  
 ”اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی چیز سنی اور پھر بالکل اسی طرح دوسروں تک پہنچا دی جس طرح سنی تھی، اس لیے کہ بہت سے ایسے لوگ جنہیں حدیث پہنچنے کی وہ سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں گے۔“<sup>(۵)</sup>

گیارہ ہزار صحابہ کرامؓ ایسے ہیں جن کے نام و نشان آج تحریری صورت میں موجود ہیں۔ جن میں سے ہر ایک نے کم و بیش آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال و واقعات میں سے کچھ نہ کچھ حصہ دوسروں تک پہنچایا ہے یعنی جنہوں نے روایتِ حدیث کی خدمت انجام دی ہے۔<sup>(۶)</sup>

## صحابہ کرامؓ کا اہتمامِ سماعت؛ حفظ و کتابتِ حدیث

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ

”میں اور میرا ایک انصاری ہمسایہ قبیلہ بنو اُمیہ بن زید میں رہتے تھے اور یہ قبیلہ مدینہ کے باہر پورب (مشرق) کی طرف رہتا تھا۔ ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں باری باری حاضر ہوتے، ایک روز وہ جاتا تھا اور ایک روز میں۔ میں جب جاتا تھا تو اس دن کی وحی وغیرہ سے



متعلق خبریں اس انصاری کو بتادیتا اور جس دن وہ جاتا، وہ بھی یوں ہی کرتا تھا۔“ (۷)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم ﷺ سے احادیث سن کر آتے تو مل کر دہرایا کرتے حتیٰ کہ وہ اُزبر ہو جاتیں۔ (۸)

حضرت ابوسعیدؓ خدری فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے گرد بیٹھے ہوئے حدیث سنتے اور لکھتے تھے۔ (۹)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور کے صحابہؓ میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کو مجھ سے زائد حدیثیں یاد ہوں، ہاں عبد اللہ بن عمروؓ کو (حدیثیں مجھ سے زائد یاد تھیں) کیونکہ وہ لکھ لیتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔ (۱۰)

حضرت سلمیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عباسؓ کو دیکھا کہ لکھنے کی تختیاں ان کے پاس تھیں، ان پر وہ ابورافع سے رسول اللہ ﷺ کے کچھ افعال لکھ کر نقل کر رہے ہیں۔ (۱۱)

### کتابتِ حدیث کے لیے احکامِ نبویؐ

① حضرت عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی احادیث روایت کروں۔ میرا ارادہ ہے کہ میں دل کے ساتھ ہاتھ سے لکھنے کی مدد بھی لوں، اگر آپ پسند فرمائیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”إن كان حديثي ثم استعن ببيدك مع قلبك“ (۱۲)

”اگر میری حدیث ہو تو اپنے دل کے ساتھ اپنے ہاتھ سے بھی مدد لو۔“

② حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری آنحضرت ﷺ کی مسجد میں بیٹھا کرتے اور احادیث سنتے تھے۔ وہ انہیں بہت پسند آتیں لیکن یاد نہیں رہتی تھیں، چنانچہ انہوں نے آپ سے شکایت کی کہ یا رسول اللہ! میں آپ سے حدیثیں سنتا ہوں لیکن مجھے یاد نہیں رہتیں، آپ نے فرمایا:

”استعن بيمينك وأوماً بيده الخط“ (۱۳)

”اپنے دائیں ہاتھ سے مدد حاصل کرو اور آپ نے اپنے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ کیا۔“

③ حضرت رافعؓ بن خدیج فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم آپ سے بہت سی باتیں سنتے ہیں کیا ہم انہیں لکھ لیا کریں..... آپ نے فرمایا:

”اكتبوا ولا حرج“ ”لکھ لیا کرو کوئی حرج نہیں“ (۱۴)

④ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ دیا۔ یہ سن کر ایک یمنی شخص (ابوشاہ) نے حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ (سب احکام) مجھے لکھ دیجئے۔ آپ نے فرمایا:

”اكتبوا لأبي فلان“ ”ابو فلاں کو لکھ دو“ (۱۵)

”اكتبوا لأبي شاه“ ”ابوشاہ کو لکھ دو“ (۱۶)

⑤ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی زبان سے جو لفظ سنتا تھا اسے یاد کرنے کے لیے لکھ لیا کرتا تھا۔ پھر قریش نے مجھے لکھنے سے منع کیا اور کہا تم ہر بات لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول اللہ بشر ہیں۔ غصے اور خوشی دونوں حالتوں میں باتیں کرتے ہیں یہ سن کر میں نے لکھنا چھوڑ دیا پھر میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:

”أكتب فوالذي نفسى بيده ما يخرج منه إلا حق“ (۱۷)

”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، ان دونوں ہونٹوں کے درمیان (زبان) سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا، اس لیے تم لکھا کرو۔“

⑥ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ بن العاص کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قَيِّدُوا الْعِلْمَ قَلْتُ وَمَا تَقْيِيدهُ ؟ قَالَ كِتَابَتُهُ“ (۱۸)

”علم کو قید کرو..... میں نے پوچھا: علم کی قید کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اسے لکھنا.....“

⑦ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

”قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ“ ”علم کو لکھ کر محفوظ کرو“ (۱۹)

علم سے مراد علم حدیث ہے اسلئے کہ اسلاف کے ہاں یہ لفظ رائے کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے۔

⑧ نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافعؓ نے بھی احادیث لکھنے کی اجازت مانگی تو آپ

نے اجازت مرحمت فرمائی۔ (۲۰)

## عہد نبویؐ میں لکھی گئی احادیث اور ان کے مجموعے

(۱) حضرت رافعؓ بن خدیج سے روایت ہے کہ مدینہ ایک حرم ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے حرم

قرار دیا ہے اور یہ ہمارے پاس ایک خولانی چڑے پر لکھا ہوا ہے۔ (۲۱)

(۲) رسول اللہ ﷺ کی تلوار کے قبضے میں سے ایک کاغذ ملا جس میں لکھا تھا کہ ”اندھے کو رستے

سے بھٹکانے والا ملعون ہے، زمین کا چور ملعون ہے، احسان فراموش ملعون ہے“ (۲۲)

(۳) **کتاب الصدقة:** حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتاب زکوٰۃ

لکھوائی لیکن ابھی اپنے عمال کو بھیج نہ پائے تھے کہ آپ کی وفات ہو گئی۔ آپ نے اسے اپنی تلوار کے

پاس رکھ دیا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے اپنی وفات تک اس پر عمل کیا پھر حضرت عمرؓ نے

اپنی وفات تک۔ (۲۳)

(۴) **صحیفہ صادقہ:** حضرت عبد اللہ بن عمروؓ نے نبی کریم ﷺ کی احادیث سے ایک صحیفہ مرتب کیا

جسے ”صحیفہ صادقہ“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کا بیان ہے کہ ”صادقہ ایک صحیفہ

ہے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر لکھا ہے۔ (۲۳)

(۵) صحیفہ علی: حضرت علی نے فرمایا کہ ہمارے پاس کچھ نہیں، سوائے کتاب اللہ کے اور اس صحیفہ

کے جو نبی ﷺ سے منقول ہے (۲۵)..... صحیح بخاری کی دوسری روایت کے مطابق اس صحیفہ میں دیت اور قیدیوں کے چھڑانے کے احکام ہیں اور یہ حکم کہ کافر، حربی کے (قتل کے) عوض مسلمان کو نہ مارا جائے۔ (۲۶)

(۶) حضرت انسؓ کی تالیفات: حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں دس برس رہے۔

آپ نے عہد رسالت ہی میں احادیث کے کئی مجموعے لکھ کر تیار کر لیے تھے۔ ان کے شاگرد سعید بن بلال فرماتے ہیں کہ ہم جب حضرت انس سے زیادہ اصرار کرتے تو وہ ہمیں اپنے پاس سے بیاض نکال کر دکھاتے اور کہتے کہ ”یہ وہ احادیث ہیں جو میں نے نبی ﷺ سے سنتے ہی لکھ لی تھیں اور پڑھ کر بھی سنادی تھیں“، (۲۷)

(۷) صحیفہ عمرو بن حزم: ۱۰ھ میں جب یمن کا علاقہ نجران فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن

حزم کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا تو انہیں ایک عہد نامہ تحریر فرما دیا جس میں آپ نے شرائع و فرائض و حدود اسلام کی تعلیم دی تھی۔ (۲۸)

(۸) قبیلہ جہینہ کے نام تحریر: عبد اللہ بن عکیم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک تحریر

(ہمارے قبیلہ جہینہ) کو پہنچی۔ (۲۹)

(۹) اہل جرش کے نام خط: نبی کریم ﷺ نے ایک نامہ مبارک اہل جرش کو بھیجا تھا جس میں کھجور

اور کشمش کی مخلوط نیزہ کے متعلق حکم بیان فرمایا گیا تھا۔ (۳۰)

(۱۰) حضرت معاذؓ نے یمن سے آنحضرت ﷺ سے لکھ کر دریافت کیا کہ کیا سبزیوں میں زکوٰۃ

ہے؟ آپ نے تحریری جواب دیا کہ سبزیوں پر زکوٰۃ نہیں۔ (۳۱)

(۱۱) عہد نبویؐ کے خطوط: عالم اسلام کے نامور مورخ ڈاکٹر حمید اللہ کا بیان ہے کہ عہد نبویؐ کے

کوئی پونے تین سو مکتوب یکجا کیے جا چکے ہیں۔ (۳۲)

(۱۲) تبلیغی خطوط: صلح حدیبیہ کے بعد آپ نے دنیا کے چھ مشہور حکمرانوں کے نام تبلیغی خطوط

روانہ فرمائے اور ان پر اپنی مہر بطور دستخط ثبت فرمائی۔ (۳۳)..... قیصر کوسری وغیرہ کے نام خطوط کا ذکر صحیح

بخاری میں بھی موجود ہے اور خط پر مہر لگانے کیلئے چاندی کی انگوٹھی تیار کرنے کا ذکر بھی موجود ہے۔ (۳۴)

(۱۳) نو مسلم وفد کے لیے صحائف: جب حضرت وائل بن حجر نے (مدینہ سے) اپنے وطن لوٹنے

کے ارادے پر رسول اللہ ﷺ کے حضور عرض کیا ”یا رسول اللہ! میری قوم پر میری سیادت کا فرمان لکھوا

دیجئے“، رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاویہؓ سے تین ایسے فرمان لکھوا کر وائل کے سپرد فرمائے (۳۵).....

آپ نے مندرجہ ذیل وفد کو بھی اسلامی احکام پر مشتمل صحیفے الگ الگ لکھوا کر عنایت فرمائے: وفد قبیلہ خثعم، وفد الریاویین، وفد شمالتہ والجدان۔ (۳۶)

(۱۴) ایک مرتبہ کسی لشکر کے سردار کو حضور نے ایک خط دیا اور فرمایا کہ جب تک تو فلاں فلاں مقام پر نہ پہنچ جائے اس کو نہ پڑھنا، وہ سردار جب مقام مقررہ پر پہنچا تو لوگوں کے سامنے حضور کا خط پڑھا اور سب کو اس کی اطلاع کر دی۔ (۳۷)

(۱۵) **تحریری معاہدے:** ہجرت کے فوراً بعد مختلف قبائل عرب اور دوسری اقوام سے آپ کے معاہدات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے ”الوثائق السیاسیة“ میں ایسے تحریری معاہدات کی بہت بڑی تعداد جمع کر دی ہے۔ ”دستور مملکت“ جو ہجرت کے صرف پانچ ماہ بعد آپ نے نافذ فرمایا تھا، وہ بھی معاہدات ہی کے سلسلے کی اہم کڑی ہے۔ (۳۸) اسی طرح چھ ہجری میں صلح حدیبیہ کا معاہدہ تحریر کیا گیا۔ (۳۹) اس معاہدے کو حضرت علیؑ نے تحریر فرمایا تھا۔ اس کی ایک نقل قریش نے لے لی اور ایک آنحضرت ﷺ نے اپنے پاس رکھی۔ (۴۰)

(۱۶) **جاگیروں کے ملکیت نامے:** رسول اللہ ﷺ نے بہت سے لوگوں کو جاگیریں عطا فرمائیں اور ان کے ملکیت نامے بھی تحریر کروا کے دیئے۔ مثلاً حضرت زبیر بن العوامؓ کو ایک بڑی جاگیر عطا فرماتے وقت یہ دستاویز لکھوا کر دی:

”یہ دستاویز محمد رسول اللہ ﷺ نے زبیر کو دی ہے ان کو سوارق پورا کا پورا بالائی حصے تک موضع مَورع سے موضع موقت تک دیا ہے، اس کے مقابلے میں کوئی اپنا حق اس میں نہ جتائے۔“ (۴۱)

(۱۷) **آمان نامے:** آپ نے بہت سے افراد اور خاندانوں کو امان نامے لکھوا کر عطا فرمائے۔ ان کا ذکر طبقات ابن سعد میں بھی ملتا ہے اور البدایہ والنہایہ میں ہے کہ آپ نے حضرت ابو بکر صدیق کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ سے ایک چمڑے کے ٹکڑے پر آمان نامہ سراقہ بن مالک کو لکھوا دیا۔

(۱۸) **بیع نامے:** رسول اللہ ﷺ قیمتی اشیاء کی خرید و فروخت کے وقت ان کی دستاویز بھی لکھوا کرتے تھے۔ عبد الجبید بن وہب روایت کرتے ہیں کہ

”عداء بن خالد بن ہوذہ نے ان سے کہا: کیا میں تمہیں ایسی تحریر نہ پڑھاؤں جو رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے تحریر کرائی تھی۔ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! اس پر انہوں نے ایک تحریر نکالی، اس میں لکھا تھا: یہ اقرار نامہ ہے کہ عداء بن خالد بن ہوذہ نے محمد رسول اللہ ﷺ سے خریداری کی.....“ (۴۲)

(۱) حفاظت حدیث، ڈاکٹر خالد علوی، ص ۵۶ تا ۶۵

(۲) مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الزہد ج ۶ ص ۵۰۱

(۳) کتاب العلم، بخاری، کتاب الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل ج ۲ ص ۶۹۲

- (۴) الجامع الصحیح، از بخاری، کتاب العلم ج ۱ ص ۱۳۵
- (۵) جامع ترمذی از محمد بن عیسیٰ ترمذی ج ۲ ص ۱۲۵
- (۶) خطبات مدراس از سید سلیمان ندوی ص ۴۲
- (۷) الجامع الصحیح، از بخاری کتاب المعظم ج ۲ ص ۱۲۵
- (۸) الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع از خطیب بغدادی ج ۱ ص ۳۳۶
- (۹) مجمع الزوائد انور الدین، ایشی ج ۱ ص ۱۶۱
- (۱۰) الجامع الصحیح از بخاری کتاب العلم ج ۱ ص ۱۵۸
- (۱۱) الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۲ ص ۳۷۱
- (۱۲) سنن الدارمی از عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی ج ۱ ص ۱۲۶
- (۱۳) جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۸
- (۱۴) تدریب الراوی از حافظ جلال الدین سیوطی ص ۲۸۶
- (۱۵) الجامع الصحیح از بخاری کتاب العلم، ج ۱ ص ۱۵۷
- (۱۶) جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۸
- (۱۷) سنن ابی داؤد ج ۳ ص ۱۱۷
- (۱۸) المستدرک از حاکم ج ۱ ص ۱۰۶
- (۱۹) جامع بیان العلم از ابن عبدالبر اندلسی ج ۱ ص ۷۲
- (۲۰) مقدمہ صحیفہ ہمام بن منبہ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ ص ۳۳
- (۲۱) الجامع الصحیح از مسلم ج ۳ ص ۳۸۴
- (۲۲) جامع بیان العلم از ابن عبدالبر اندلسی ج ۱ ص ۷۲
- (۲۳) جامع ترمذی ج ۱ ص ۲۶۴
- (۲۴) طبقات ابن سعد از ابن سعد ج ۲ ص ۴۰۸
- (۲۵) الجامع الصحیح از بخاری ج ۲ ص ۴۳۶
- (۲۶) الجامع الصحیح از بخاری ج ۱ ص ۱۵۷
- (۲۷) المستدرک از حاکم، ذکر انس بن مالک، دائرۃ المعارف، حیدرآباد، دکن
- (۲۸) طبقات ابن سعد از ابن سعد ج ۲ ص ۳۹
- (۲۹) مشکوٰۃ المصابیح از خطیب بغدادی ج ۱ ص ۱۶۵ نسائی ج ۳ ص ۱۶۴
- (۳۰) الجامع الصحیح لمسلم: ۲۴۰/۵
- (۳۱) خطبات مدراس از سید سلیمان ندوی ص ۵۱
- (۳۲) رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ ص ۳۱۱
- (۳۳) طبقات ابن سعد از ابن سعد ج ۲ ص ۲۹
- (۳۴) الجامع الصحیح للبخاری ج ۱ ص ۱۳۴
- (۳۵) الوثائق السیاسیہ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ ص ۱۴۲ تا ۱۴۴
- (۳۶) طبقات ابن سعد از ابن سعد ج ۲ ص ۱۲۱ تا ۱۳۰
- (۳۷) الجامع الصحیح للبخاری ج ۱ ص ۱۳۳
- (۳۸) سیاسی وثیقہ جات از ڈاکٹر محمد حمید اللہ: ص ۱۹
- (۳۹) الجامع الصحیح از مسلم کتاب الجہاد والسییر
- (۴۰) خطبات مدراس از سید سلیمان ندوی ۱۹۲/۲۴۹
- (۴۱) سیاسی وثیقہ جات از ڈاکٹر حمید اللہ..... نمبر ۱۹۲/۲۴۹
- (۴۲) جامع ترمذی ج ۱ ص ۴۲۸

## حفاظتِ حدیث میں حفظ کی اہمیت

### حفظ کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے یوں تو انسان کو بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں لیکن قوتِ حافظہ ان میں اہم ترین نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس خاص نعمت سے انسان مشاہدات و تجربات اور حالات و واقعات کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھتا ہے اور ضرورت کے وقت انہیں متحضر کر کے کام میں لاتا ہے۔ انسان کا قدیم ترین اور ابتدائی طریقِ حفاظتِ حفظ تھا۔ تدریجاً وہ فنِ کتابت سے آشنا ہوا اور تہذیبوں کے ارتقا کے ساتھ کتابت کو فروغ ہوا۔ تہذیبوں کے اس نشیب و فراز کے ہر دور میں حافظہ کی حیثیت مسلم رہی۔

اہل عرب قبل از بعثتِ نبوی ﷺ ہزاروں برس سے اپنا کام تحریر و کتابت کے بجائے حافظہ سے چلانے کے خوگر تھے۔ ان کے تاجرا لاکھوں روپے کا لین دین کرتے تھے اور کوئی لکھی پڑھی دستاویز نہ ہوتی تھی۔ پائی پائی کا حساب اور سینکڑوں گاہکوں کا تفصیلی حساب و تول زبان پر رکھتے تھے۔ انکی قبائلی زندگی میں نسب اور خونی رشتوں کی بڑی اہمیت تھی، پشتِ ہاپشت سے نسب نامے ان کے حافظے میں محفوظ رہتے تھے۔ عرب بے پناہ قوتِ حافظہ کے مالک تھے۔ ان کے شعرا، خطبا اور ادبا ہزاروں اشعار، ضرب الامثال اور واقعات کے حافظ تھے۔ شجر ہائے نسب کو محفوظ رکھنا ان کا معمول تھا بلکہ وہ تو گھوڑوں کے نسب نامے بھی یاد رکھتے تھے۔

ان کا سارا لٹریچر بھی کاغذ پر نہ تھا بلکہ لوحِ قلب پر لکھا ہوا تھا۔ وہ کاغذ کی تحریر پر اعتماد کرنے کی بجائے حافظے پر اعتماد کرنے کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ انہیں اس پر فخر تھا اور ان کی نگاہ سے وہ شخص گرجاتا تھا جس سے بات پوچھی جائے اور وہ زبانی بتانے کی بجائے گھر سے کتاب لا کر اس کا جواب دے۔

ان کی یہ عادت اسلام کے بعد بھی تقریباً ایک صدی تک جاری رہی کہ وہ لکھنے کے باوجود یاد کرتے تھے اور تحریر پڑھ کر سنانے کی بجائے نوکِ زبان سے سنانا نہ صرف باعثِ عزت سمجھتے تھے بلکہ ان کے نزدیک آدمی کے علم پر اعتماد بھی اس طریقہ سے قائم رہتا تھا۔

موجودہ دور میں بھی مختلف اقوام میں ایسے بے شمار افراد پائے جاتے ہیں جن کے حافظوں کو بطور

نظیر پیش کیا جاتا رہا ہے۔ خود مسلمان علما میں یہ جملہ مشہور رہا: ”العلم فی الصدور لا فی الکتب“ فی الحقیقت علم وہی ہے جو انسان کو متحضر ہو۔ اس استحضار کے لئے حافظے کے سوا اور کوئی شے نہیں ہے۔ خود ہندوستان میں سید انور شاہ کشمیری، سید نذیر حسین محدث دہلوی، حافظ عبد المنان وزیر آبادی اور حافظ محمد محدث گوندلوی رحمہم اللہ بے نظیر حافظے کے مالک تھے۔

عربوں اور غیر عربوں میں آج بھی اس امر کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ ان پڑھ لوگ اور نابینا آدمی پڑھے لکھے اور بہت انسانوں کی نسبت زیادہ یادداشت رکھتے ہیں۔ ناخواندہ تاجروں میں ایسے لوگ بکثرت دیکھے جاتے ہیں جنہیں بہت سے گاہکوں کے ساتھ اپنا ہزار ہاروپے کا لین دین تفصیل کے ساتھ یاد رہتا ہے۔ بے شمار اندھے ایسے موجود ہیں جن کی قوتِ حافظہ آدمی کو حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ تحریر پر اعتماد کر لینے کے بعد ایک قوم کے حافظے کی وہ حالت باقی نہیں رہ سکتی جو ناخواندگی کے دور میں اس کی تھی۔

عربوں کا تعلق جب کلامِ الہی سے ہوا تو ان کو رسولِ کریم ﷺ اور قرآنِ مجید سے بے پناہ عقیدت و محبت ہوئی۔ انہوں نے قرآن و حدیث کو حفظ کرنا شروع کیا۔ بے شمار صحابہؓ نے قرآن کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ جنگِ یمامہ میں تقریباً ۷۰ حافظ قرآن صحابہ تھے جو شہید ہو گئے، جس کے خوف سے حضرت عمرؓ نے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ اگر اس طرح حفاظ صحابہ دنیا سے اُٹھتے چلے گئے تو قرآن محفوظ نہ رہ سکے گا۔ ان کی اس تحریک پر حضرت ابو بکرؓ نے قرآن کو کتابی شکل میں مدون کیا۔

یوں بھی کوئی قرآن کی آیت رسورت نازل ہوتی تو صحابہ اس کو اُزبر کر لیتے۔ یہی تعلق ان کا حدیث رسول ﷺ سے تھا۔

## حفظِ حدیث، ارشاداتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

حضرت انس بن مالکؓ جو آپ کے خادمِ خاص تھے، کہتے ہیں کہ ”ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس ہوتے اور حدیث سنتے جب ہم اُٹھتے تو ایک دوسرے سے دہراتے حتیٰ کہ ہم اس کو اُزبر کر لیتے۔“

ایک اور واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ

”ہم لوگ رسول اللہ ﷺ سے حدیثیں سنتے اور جب آپ مجلس سے تشریف لے جاتے تو ہم آپس میں حدیثوں کا دور کرتے۔ یکے بعد دیگرے ہم میں ہر شخص ساری حدیثیں بیان کرتا، اکثر رسول اکرم ﷺ کی محفل میں بیٹھنے والوں کی تعداد ساٹھ تک ہو جاتی اور وہ سب باری باری بیان کرتے۔ پھر ہم اُٹھتے تو حدیثیں یوں یاد ہوتیں کہ گویا وہ ہمارے دلوں پر نقش ہو گئی ہیں۔“<sup>(۱)</sup>

صحابہ زیادہ تر حفاظتِ حدیث کے سلسلہ میں سفینہ کے بجائے سینہ پر اعتماد کرتے تھے۔ ڈاکٹر صحتی صالح حفاظتِ حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں:

”حضور ﷺ کا کتابتِ حدیث سے منع کرنا اور حفظ کو اہمیت دینا، یہ آپ کی حکمتِ تدریس کا حصہ تھا تا کہ صحابہ کا حدیثِ رسول ﷺ سے ایک خاص تعلق اور ربط پیدا ہو جائے۔ یہ تربیتِ تدریجی اور اسلامی معاشرہ کے حوادث و احوال سے بالکل ہم آہنگ تھی۔ یہ تربیت جامد نہ تھی کہ ایک ہی شکل و صورت پر قائل رہتی، بلکہ اس میں اشخاص و ازمناہ کے احوال و مقامات کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔“ (۲)

حضورِ کریم ﷺ نے جب اپنی دعوت کا آغاز کیا تو اس وقت عرب میں پڑھنے لکھنے کا رواج کم تھا۔ ایسے لوگوں کی تعداد تو انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ قرآن نے خود ان کو ان پڑھ کہا جن کے اندر سے حضورؐ یہ دعوت لے کر اٹھے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ﴾ (۳)

”اللہ وہ ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے پیغمبر بھیجا۔“

طبقاتِ ابن سعد کے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعثتِ نبوی کے وقت سولہ سترہ سے زیادہ آدمی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عرب لکھنے پڑھنے کو پسند نہ کرتے تھے۔ صحرائی لوگ تو پڑھنے کو حقارت سے دیکھتے تھے۔ لکھنے پڑھنے کے خلاف حقارت کا یہ جذبہ آج تک صحرائی قبائل میں بدستور باقی ہے۔ ذوالرمہ اور مخزومی جو بہت بڑے شاعر ہیں، وہ اس بات کو چھپاتے رہے کہ وہ فنِ کتابت سے آشنا ہیں، کہ کہیں لوگ انہیں ناپسند نہ کرنے لگیں۔

کتابتِ حدیث کے عدمِ رجحان اور رسول اللہ ﷺ کی ممانعت کی وجہ سے صحابہ حافظہ پر زیادہ اعتماد کرتے۔ احادیث کو حفظ کرتے اور حافظہ کی مدد سے ہی بوقتِ ضرورت اس کو متحضر کر دیتے تھے۔ پروفیسر خالد علوی لکھتے ہیں کہ

”حافظہ پر اعتماد ہی کا نتیجہ تھا کہ بڑی مدت تک علما حفظ ہی کرتے رہے۔ انہوں نے لکھنے کو پسند نہیں کیا۔“ (۴)

امام اوزاعی کا قول ہے:

”كان هذا العلم شيئاً شريفاً إذا كان من أفواه الرجال يتلاقونه ويتذاكرونه فلما صار في الكتب ذهب نوره و صار إلى غير أهله“

”حدیث کا علم قیمتی اور شریف اس وقت تھا جب لوگوں کے منہ سے حاصل کیا جاتا تھا۔ لوگ باہم ملتے جلتے رہتے تھے اور آپس میں ان کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ لیکن جب سے حدیثیں کتابوں میں لکھی جانے لگیں تو اس کا نور اور اس کی رونق جاتی رہی اور یہ علم ایسے لوگوں میں پہنچ گیا جو اس کے



اہل نہ تھے۔، (۵)

حضور کریم ﷺ نے حفاظت کے لئے دو طرح کے اقدام فرمائے۔ ایک تو یہ کہ آپ نے احادیث کو روایت کرنے کی ہمت افزائی کی اور دوسری طرف جھوٹی حدیث روایت کرنے پر سخت وعید سنائی۔

## زبانی روایت کی ہمت افزائی اور ترغیب

اہل عرب ہزاروں برس سے اپنے کام کتابت کے بجائے حفظ و روایت اور زبانی کلام سے چلانے کے عادی تھے اور یہی عادت اسلام کے ابتدائی دور میں برسوں تک رہی۔ ان حالات میں قرآن کو محفوظ کرنے کے لئے تو کتابت ضروری سمجھی گئی، کیونکہ اس کا لفظ لفظ، آیات اور سورتوں کی ٹھیک اسی ترتیب کے ساتھ جو اللہ نے مقرر فرمائی تھی، محفوظ کرنا مطلوب تھا۔ حدیث میں اس ترتیب کا ہونا ضروری نہ تھا کیونکہ قرآن کی تلاوت اس طرح مطلوب تھی جس طرح اللہ نے ترتیب دی۔ اس کے الفاظ کو بدلنا کسی صورت جائز نہ تھا جبکہ سنت کی نوعیت عملی تھی۔ اس کے الفاظ قرآن کے الفاظ کی طرح نازل نہیں ہوئے تھے بلکہ صرف ان کا مفہوم وحی تھا جنہیں الفاظ کا جامہ حضور نبی کریم پہنایا کرتے۔

حضور ﷺ کے اقوال، الفاظ اور تقاریر کے نقل کرنے میں یہ پابندی نہ تھی کہ سننے والے انہیں لفظ باللفظ اسی طرح نقل کریں بلکہ اہل زبان سامعین کے لئے یہ جائز تھا، وہ اس پر قادر بھی تھے کہ الفاظ سن کر معنی و مفہوم بدلے بغیر اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

احادیث میں قرآن کی آیتوں کی طرح یہ بھی ضروری نہ تھا کہ فلاں حدیث پہلے اور فلاں بعد میں لائی جائے۔ یہاں مقصود صرف ان احکام اور تعلیمات و ہدایات کو یاد رکھنا اور بحفاظت آگے پہنچانا تھا جو صحابہ کو حضور سے ملنی تھیں۔ اس باب میں زبانی نقل و روایات کی کھلی اجازت ہی نہ تھی بلکہ بکثرت احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور کریم ﷺ نے لوگوں کو بار بار اور بکثرت اس کی تاکید فرمائی۔

نبی پاک ﷺ نے ان اشخاص کے لئے خصوصی دعا فرمائی جو آپ کی باتوں کو سن کر یاد رکھیں اور دوسروں تک پہنچائیں:

① حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

”نضر الله امرأة سمع مقالتي فوعاها.....“<sup>(۶)</sup>

”اللہ تعالیٰ خوش و خرم رکھے اس بندے کو جس نے میری بات سنی اور اس کو یاد رکھا۔“

② حضرت زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور جبیر بن مطعمؓ اور ابو درداءؓ حضور کریم ﷺ کا یہ ارشاد نقل

کرتے ہیں:

”نضر اللہ امرء سمع منا حدیثاً فحفظه حتی یبلغه فرُبّ فقه حامل فقه إلی من هو أفضه منه ورب حامل فقه لیس بفقیه“ (۷)

”اللہ اس شخص کو خوش و خرم رکھے جو ہم سے کوئی بات سنے اور دوسروں تک پہنچا دے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص سمجھ کی بات کسی ایسے شخص کو پہنچا دیتا ہے جو اس سے زیادہ فقیہ ہو اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص جو خود فقیہ نہیں ہوتا مگر وہ فقہ اٹھائے ہوتا ہے۔“

3 حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”لیبلغ الشاهد الغائب عسیٰ ان یبلغ من هو أوعیٰ“ (۸)

”جو حاضر ہے، وہ اس کو پہنچا دے جو حاضر نہیں، ممکن ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی تک پہنچا دے جو اس سے زیادہ یاد رکھنے والا ہو۔“

4 قاضی ابوشرح کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر خطبہ دیا جسے میں نے خود کانوں سے سنا اور خوب یاد رکھا۔ وہ موقع اب تک میری آنکھوں میں سما یا ہوا ہے۔ خطبہ کے اختتام پر آپ

نے فرمایا: ”لیبلغ الشاهد الغائب“

”جو حاضر ہیں وہ ان لوگوں سے پہنچا دیں جو حاضر نہیں ہیں۔“ (۹)

5 حجۃ الوداع ۱۰ ہجری میں وہی بات کہی جو فتح مکہ کے موقع پر کہی تھی۔

6 ابوجمرہ کہتے ہیں کہ بنی عبدالقیس کا وفد بحرین سے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا

کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم ایسے قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں کہ ہم سوائے حرام مہینوں کے آپ کی خدمت میں نہیں آ سکتے، لہذا ہم کو ایسے اعمال بتائیں کہ ہم پیچھے والوں کو اس سے مطلع کریں اور اس کے سبب ہم جنت میں چلے جائیں۔ آنحضور ﷺ نے انہیں چند احکام دیئے اور فرمایا:

”احفظوه واخبروا من وراءکم“ (۱۰) ”اس کو یاد کر لو اور پیچھے والوں کو بھی بتاؤ۔“

پروفیسر خالد علوی نے مولانا سید امین الدین کی رائے نقل کی ہے کہ حضور رسالت مآب ﷺ نے ان صحابہ کے لئے دعا فرمائی جو حضور ﷺ کی حدیث کی حفاظت کرتے اور ضبط میں رکھتے اور پوری صحت اور اتقان کے ساتھ اس کو دوسروں تک پہنچاتے۔ حفاظت حدیث اور مبلغین حدیث کے لئے حضور کی مذکورہ دعا ثابت کرتی ہے کہ حفظ حدیث اور اس کی تبلیغ، حضور کی رضا اور خوشنودی، حیات صحابہ کا عظیم اور اہم سرمایہ تھا۔ صحابہ خوب جانتے تھے کہ اللہ کے رسول کو راضی رکھنا ایمان والوں کے حفظ ایمان کے لئے نہایت ضروری ہے: (۱۱)

﴿وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَحَقُّ اَنْ يُرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ (توبہ: ۶۲)

”اللہ اور اس کے رسول کو راضی رکھنا بہت ضروری ہے، اگر وہ ایمان رکھتے ہیں۔“

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”من رغب سنتی فلیس منی“ (بخاری: نمبر ۵۰۶۳) ”وہ مجھ سے نہیں جس نے میری سنت سے اعراض کیا۔“

صحابہ کرامؓ حافظہ کی مدد سے حدیث کو یاد رکھنے کا کام لیتے تھے۔ حضور کریم ﷺ کی اس تحریریں و ترغیب کا یہ نتیجہ ہوا کہ صحابہؓ ذوق و شوق سے احادیث کو یاد رکھتے جو حضور کی محفل میں حاضر نہ ہو سکتے، وہ باری باری کا شانہ نبوت میں حاضری دیتے۔ مثلاً حضرت عمرؓ نے اپنے غلام سے باری باری ہانڈی ہوئی تھی کہ ایک دن میں کا شانہ نبوی میں حاضر ہو کر نور نبوت سے فیضیاب ہوں گا تو اس سے آپ کو آگاہ کروں گا لیکن جس دن میں حاضر نہ ہو سکوں تو آپ حضورؐ کے ہاں حاضر ہو کر فیض حاصل کریں اور ارشادات نبوی سے مجھے آگاہ کریں۔

آنحضرت ﷺ کے ارشادات کا صحابہؓ دور کرتے۔ ایک دوسرے کو سناتے، مذاکرے ہوتے اور ایک دوسرے سے اخذ و استفادہ کرتے۔ حضرت معاویہؓ کہتے تھے:

”میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھا۔ آپ مسجد میں داخل ہوئے تو آپ نے مسجد میں ایک جماعت بیٹھی ہوئی پائی۔ فرمایا: تم کس لئے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے فرض نماز پڑھی پھر ہم بیٹھ گئے۔ ہم اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت کا مذاکرہ کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

”اللہ جس چیز کا ذکر کرتے ہیں، اس کا ذکر بڑھ جاتا ہے۔“ (۱۲)

حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، حضرت ابوسعید اور ان کے علاوہ دیگر اکابرین صحابہؓ اور تابعین حدیث کے مذاکروں میں اپنے ساتھیوں اور شاگردوں کو تاکید کرتے تھے۔ علیؓ فرماتے تھے:

”تذاکروا الحدیث و تزاووا فإنکم إن لم تفعلوا یدرس“

”احادیث کا تکرار کیا کرو اور ایک دوسرے سے ملتے رہو اگر ایسا نہ کرو گے تو علم ضائع ہو جائے گا“

بقول سید منت اللہ

”صحابہ کرامؓ میں دو چیزوں کا چرچا تھا: کلام اللہ اور احادیث رسول اللہ ﷺ۔ وہ اپنے وقت کو انہیں دو کاموں میں صرف کرتے اور انہیں دو چیزوں کو خود پڑھتے، دوسروں کو پڑھاتے یا ان سے سنتے رہتے تھے۔ اپنے ساتھیوں اور شاگردوں کو انہی چیزوں کے مذاکرہ اور حفظ کی تاکید کرتے رہے۔ تو پھر جنہوں نے حدیث کو اپنا مشغلہ بنا لیا ہو، انہیں حدیثیں یاد نہ رہیں تو اور کس کو رہیں۔“ (۱۳)

## حفظ حدیث میں حزم و احتیاط اور اس کے محرکات

صحابہؓ حفظ حدیث اور روایت میں بڑی احتیاط سے کام لیتے اور اس کو وہ اپنی بڑی ذمہ داری محسوس کرتے تھے تاکہ بعد میں آنیوالی نسلوں کو حضور ﷺ کی تعلیمات صاف و شفاف صورت میں بغیر کسی آمیزش

کے ملیں۔ ان کے نزدیک یہ دین ایک امانت ہے اور اس میں تغیر و تبدیلی خیانت اور بہت بڑا جرم ہے۔ بعض دفعہ تو صحابہؓ حدیث بیان کرتے ہوئے لرز اُٹھتے تھے۔ اس حزم و احتیاط کے درج ذیل محرکات تھے:

### ① جھوٹی احادیث پر تنبیہ

جھوٹی حدیث کو حضور ﷺ کی طرف منسوب کرنے پر تنبیہات اور وعیدیں دراصل حفاظتِ حدیث کی ہی اہم کوشش ہے جو آپ نے روایت کے سلسلہ میں فرمائی۔ آنحضرت ﷺ نے قطعی طور پر بتایا کہ جھوٹی روایت بیان کرنے والا جہنمی ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”من کذب علی متعمداً فلیتبیوا مقعدہ من النار“ (مسند احمد: ۱/۱۶۵)

”جو شخص میرا نام لے کر قصداً جھوٹی بات میری طرف منسوب کرے، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے۔“

۲۔ ابوسعید خدری کہتے ہیں، حضور کریم ﷺ نے فرمایا:

”حدثوا عنی ولا حرج و من کذب علی متعمداً فلیتبیوا مقعدہ من النار“

”میری باتیں روایت کرو، اس میں حرج نہیں ہے مگر میری طرف جو جان بوجھ کر جھوٹی بات

منسوب کرے گا، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے گا۔“ (مسند احمد: ۲/۱۵۹)

۳۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا:

”انقوا الحدیث عنی إلا ما علمتم فمن کذب متعمداً فلیتبیوا مقعدہ من النار“ (۱۴)

”میری طرف سے اس وقت تک کوئی بات بیان نہ کرو۔ جب تک تمہیں یہ علم نہ ہو کہ میں نے وہ

کہی ہے کیونکہ جو کوئی میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔“

اس حدیث کو عبد اللہ بن مسعود اور ابن عباس نے بھی بیان کیا ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب میں تم کو رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث سناؤں تو مجھے یہ بات زیادہ پسند

ہے کہ آسمان سے گرجاؤں اس سے کہ میں آنحضرت ﷺ پر جھوٹ باندھوں۔ آپ کے الفاظ ہیں:

”إذا حدثتکم عن رسول اللہ ﷺ لان آخر من السماء أحب إلی من ان أكذب علیہ“ (۱۵)

صحابہ کے لئے یہ وعید بڑی زبردست بات تھی۔ اسلام پر یقین رکھنا اور دوزخ سے نہ ڈرنا دو متضاد

باتیں تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حکمتِ بیغیرانہ کے تحت حدیث کی نشر و اشاعت کی تلقین اور ان

میں جھوٹ کی آمیزش سے احترازی کی سخت تاکید فرمائی۔ یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ حضور ﷺ اپنی سنت

کو ہر طرح سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے تاکہ آنے والی نسلیں اس سے استفادہ کر سکیں۔

### ② عظمتِ رسول ﷺ

صحابہ آنحضرت کو اللہ کا نبی اور سب سے عظیم انسان تصور کرتے تھے۔ اور اس بات پر وہ دل کی

گہرائیوں سے یقین رکھتے تھے۔ ان کے نزدیک آپ کی تعلیمات، ارشادات اور حالات و واقعات کی حیثیت عام انسانی وقائع کی نہ تھی کہ وہ ان کو معمولی حافظے کے سپرد کر دیتے۔ ان کے لئے تو آپ کی معیت میں گزرا ہوا ایک ایک لمحہ سب سے زیادہ قیمتی تھا اور اس کی یاد کو وہ اپنا سب سے قیمتی سرمایہ سمجھتے تھے۔ اسی بنا پر حضرت عمرؓ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ابو بکرؓ میری ساری عمر کی نیکیاں لے کر غارِ ثور کی ایک رات کی نیکیاں مجھے دے دے۔

### ③ علم صحیح

حزم و احتیاط کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضور ﷺ نے جو علم صحابہ کو دیا تھا، وہ حقائق پر مبنی تھا۔ اس کا اعتراف صحابہ خود کرتے تھے۔ حضرت جعفر طیار نے نجاشی کے سامنے جو حقیقت واضح کی وہ اس کا بین ثبوت ہے کہ ہم اس سے پہلے جاہل اور گمراہ تھے، اب حضور ﷺ ہم کو پاکیزہ ترین اور صحیح علم دے رہے ہیں۔ انہوں نے ہم کو جینا سکھایا ہے۔ اسی لئے صحابہ پوری توجہ سے آپ کی ہر بات کو سنتے تھے، ہر فعل کو دیکھتے تھے کیونکہ عملی زندگی میں عملاً اسی کا نقش پیوست کرنا تھا اور اس کی رہنمائی میں کرنا تھا۔

### ④ ذمہ داری کا احساس

صحابہ کو یہ بھی احساس تھا اور وہ یہ ذمہ داری محسوس کرتے تھے کہ بعد میں آنے والوں کو حضور ﷺ کے حالات اور تعلیمات بالکل صحیح صورت میں پہنچائیں اور اس میں کسی قسم کی آمیزش نہ کریں۔ حضور کی وعید کے بعد تو صحابہ اور محتاط ہو گئے تھے کہ اپنی طرف سے تغیر و تبدیلی کوئی معمولی جرم نہیں بلکہ وہ اسے عظیم خیانت تصور کرتے تھے۔ دین کو امانت سمجھ کر انہوں نے آگے منتقل کیا۔

### ⑤ اکابر صحابہ کی تلقین

حضور پاک ﷺ کی تلقین کے علاوہ اکابر صحابہؓ بھی عام صحابہؓ کو احادیث روایت کرنے میں احتیاط کی تلقین کرتے تھے، اس معاملے میں سہل انگاری برتنے سے شدت کے ساتھ روکتے تھے۔ بعض اوقات حضورؐ کا ارشاد سن کر شہادتیں طلب کرتے تھے اور اطمینان کے لئے امتحان بھی لیتے مثلاً ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کو حج کے موقع پر عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے ایک حدیث پہنچی، دوسرے سال حضرت عائشہؓ نے حج کے موقع پر یہی حدیث عبداللہ کو سنانے کے لئے کہا۔ دونوں مرتبہ حضرت عبداللہؓ کے بیان میں سرمو فرق نہ پایا گیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے میت کی دادی کو میراث ۱/۶ حصہ اس وقت دیا جب مغیرہ بن شعبہؓ اور محمد بن سلمہؓ نے شہادت دی۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے جب اذن طلب کرنے کے بارے میں حضرت عمرؓ کو

حدیث سنائی تو آپ نے ان کو ڈانٹا اور کہا کہ اگر تم اس کی شہادت پیش نہ کر سکتے تو میں تمہیں سزا دوں گا۔

### ⑥ ماحول کا اثر

حضور ﷺ کی تعلیمات سے اسلامی ریاست کی فضا ایسی بن گئی تھی کہ تمام صحابہ پر آپ ﷺ کے اسوۂ کی ایک گہری چھاپ نظر آتی تھی۔ روایات محض زبانی ہی نہ تھیں بلکہ اسوۂ حسنہ کے آثار و نقوش ہر طرف نظر آتے تھے۔ جس بنا پر حافظ کی غلطی سے یا اپنے ذاتی خیالات و تعصبات کی بنا پر کوئی نرالی بات پیش کرنا بھی محال تھا۔ صحابہ کے دور میں کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی کہ غلط طور پر آپ کی طرف کوئی چیز منسوب کی گئی ہو۔

### ⑦ تقویٰ اور خوفِ الہی

حضور ﷺ کی سیرت کی صحابہ کی انفرادی زندگیوں پر بڑی گہری چھاپ تھی۔ یہ سابقون الأولون کی جماعت تقویٰ کے اس مقام پر فائز تھی کہ حدیث کی روایت میں سہل انگاری کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ تقویٰ اور خوفِ الہی کی بنیاد پر روایات جو ایک دوسرے کو منتقل ہوتی تھیں، ان میں سرمو فرق نہ پایا جاتا تھا۔

### ⑧ خوشنودی رسول ﷺ

حفظ حدیث اور اس کی تبلیغ حضور ﷺ کی رضا اور منشاء قلبی تھا۔ حضور ﷺ کی رضا اور خوشنودی حیات صحابہ کا عظیم سرمایہ تھا۔ صحابہ خوب جانتے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو راضی رکھنا حفظِ ایمان کے لئے ضروری ہے۔ ایک واقعہ سے اندازہ لگائیں کہ ہجرت کے بعد ایک شخص نے ایک پر تکلف مکان بنایا اور اسے چونا گچ کر دیا۔ حضور ﷺ کا ادھر سے گزر ہوا تو فرمایا یہ کس کا مکان ہے؟ گویا آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا تو جب صحابی کو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے اس طرح فرمایا ہے تو اس نے اس مکان کو منہدم کر دیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں آکر اس کی خبر دی۔

ثمامہ بن اثال جب مسلمان ہوا تو اس نے یمن جا کر اہل مکہ کا غلبہ بند کر دیا اور کہا کہ جب تک اذن رسول ﷺ نہ ہوگا، غلبہ بند رہے گا۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے ازراہ عنایت اجازت دے دی۔ حضرت عمرؓ کے تورات کی ورق گردانی پر جب ابو بکرؓ نے توجہ دلائی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا:

”رضیت باللہ ربا وبالإسلام دینا و بمحمد نبیا“

”میں اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہوں۔“

صحابہؓ یہ سمجھتے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ خدا کے رسول کی رضا میں خدا کی رضا ہے۔ خوشنودی رسول ﷺ کے لئے حفظِ حدیث میں احتیاط سے کام لیا جاتا تھا۔

## کیا مکتوبہ چیز ہی قابل اعتماد ہے.....؟

یہ بات کہی جاتی ہے کہ چونکہ حدیث لکھی ہوئی نہ تھی، عہد رسالت میں صرف حافظ کی مدد سے ہی اس کو محفوظ رکھا جاتا تھا یا حدیث عہد رسالت یا عہد خلافت میں لکھوائی نہیں گئی تھی، اس لئے حجت نہیں۔ سید مودودی نے اس کا جواب تفصیل سے دیا ہے، ہم ان کی کتاب سے اقتباس پیش کرتے ہیں:

”قرآن کو جس وجہ سے لکھوایا گیا تھا وہ یہ تھی کہ اس کے الفاظ و معانی دونوں ہی من جانب اللہ تھے۔ اس کے الفاظ کی ترتیب ہی نہیں اس کی آیتوں، سورتوں کی ترتیب بھی خدا کی جانب سے تھی۔ اس کے الفاظ کو دوسرے الفاظ سے بدلنا بھی جائز نہ تھا۔ وہ اس لئے نازل ہوا تھا کہ لوگ انہی الفاظ میں اسی ترتیب کے ساتھ اس کی تلاوت کریں۔ سنت کی نوعیت اس سے مختلف تھی۔ اس کے الفاظ قرآن کے الفاظ کی طرح بذریعہ وحی نازل نہیں ہوئے تھے بلکہ حضور ﷺ نے اس کو اپنی زبان سے ادا کیا تھا۔ پھر اس کا بڑا حصہ ایسا تھا جسے حضور کے ہم عصروں نے اپنے الفاظ میں بیان کیا تھا۔ مثلاً حضور ﷺ کے اخلاق ایسے تھے، زندگی ایسی تھی، فلاں موقع پر حضور ﷺ نے فلاں کام کیا، حضور ﷺ کے اقوال، تقریریں نقل کرنے میں کوئی پابندی نہ تھی کہ انہیں سامعین لفظ بلفظ نقل کریں۔ بلکہ اہل زبان سامعین کے لئے یہ جائز تھا اور وہ اس پر قادر بھی تھے کہ آپ کی بات سن کر معنی و مفہوم بدلے بغیر اسے اپنے الفاظ میں بیان کر دیں۔“

حضور کے الفاظ کی تلاوت مقصود نہ تھی بلکہ اس تعلیم کی پیروی مقصود تھی جو آپ نے دی تھی۔ احادیث میں قرآن کی آیتوں اور سورتوں کی طرح یہ ترتیب محفوظ رکھنا بھی ضروری نہ تھا کہ فلاں حدیث پہلے ہو اور فلاں بعد میں، اس بنا پر احادیث کے معاملہ میں یہ کافی تھا کہ لوگ انہیں یاد رکھیں اور دیانت کے ساتھ انہیں لوگوں تک پہنچائیں۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ کسی چیز کے حجت ہونے کے لئے اس کا لکھا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اعتماد کی اصل بنیاد اس شخص یا اشخاص کا بھروسہ کے قابل ہونا ہے، جس کے ذریعہ بات دوسروں تک پہنچے خواہ مکتوب ہو یا غیر مکتوب۔ خود قرآن اللہ تعالیٰ نے آسمان سے لکھوا کر نہیں بھیجا بلکہ نبی کی زبان سے اس کو بندوں تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی پورا انحصار اس بات پر کیا کہ جو لوگ نبی کو سچ مانیں گے وہ نبی کے اعتماد پر قرآن کو بھی کلام الہی مان لیں گے۔

نبی کریم ﷺ کی جتنی تبلیغ و اشاعت تھی، زبانی تھی۔ آپ کے صحابہ مختلف علاقوں میں جا کر تبلیغ کرتے۔ وہ قرآن کی سورتیں لکھی ہوئی نہ لے جاتے تھے۔ لکھی ہوئی آیات اور سورتیں تو اس تھیلے میں بڑی رہتی تھیں جس کے اندر آپ انہیں کا تباہ وحی سے لکھوا کر ڈال دیا کرتے تھے۔ باقی ساری تبلیغ و اشاعت زبانی ہوتی تھی۔

ایمان لانے والے، صحابہ کے اعتماد پر تسلیم کرتے تھے کہ جو کچھ وہ سنا رہا ہے، وہ اللہ کا کلام ہے

یا رسول اللہ ﷺ کا حکم۔ اور جو حکم وہ پہنچا رہا ہے وہ حضور ﷺ ہی کا حکم ہے۔ تیسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ لکھی ہوئی چیز خود کبھی قابل اعتماد نہیں ہوتی جب تک زندہ انسانوں کی شہادت اس کی توثیق نہ کرے۔ محض لکھی ہوئی چیز اگر ہمیں ملے اور ہم لکھنے والے کا خط نہ پہچانتے ہوں یا لکھنے والا خود نہ بتائے۔ یہ اس کی تحریر ہے یا ایسے شواہد موجود نہ ہوں جو اس امر کی تصدیق کریں کہ یہ تحریر اسی شخص کی ہے جس کی طرف منسوب کی گئی ہے تو ہمارے لئے وہ تحریر یقینی کیا معنی، ظنی بھی نہیں ہو سکتی۔“ (۱۶)

اس طویل اقتباس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی چیز کا لکھا ہوا ہونا ہی حجت نہیں جب تک زندہ انسانوں کی شہادت موجود نہ ہو۔ قرآن حضور ﷺ کو تحریری صورت\* میں نہ دیا گیا تھا۔ جبریل علیہ السلام زبانی ہی وحی لاتے تھے اور حضور ﷺ بھی زبانی ہی صحابہ کو بتاتے تھے۔ آج بھی قرآن اس لئے حجت نہیں کہ یہ لکھا ہوا ہمارے پاس موجود ہے بلکہ زندہ انسانوں کی شہادت ہے جو مسلسل اس کو سنتے اور آگے بعد میں آنے والوں تک اسے پہنچاتے چلے آ رہے ہیں۔ اگر قرآن کے سلسلہ میں زندہ انسانوں کی شہادت حجت ہے تو سنت رسول ﷺ کے بارے میں حجت کیوں نہیں۔☆☆

#### حوالہ جات

- (۱) مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۶۱ بحوالہ حفاظت حدیث از خالد علوی، ص ۱۱۱
- (۲) صحیح صالح، ڈاکٹر، علوم الحدیث، ص ۳۹
- (۳) القرآن
- (۴) خالد علوی، حفاظت حدیث، ص ۵۹
- (۵) جامع بیان العلم، جلد ۱ صفحہ ۹۸ بحوالہ حفاظت حدیث از خالد علوی، ص ۵۹
- (۶) بخاری، الجامع الصحیح - کتاب العلم
- (۷) ابوداؤد، کتاب العلم
- (۸) بخاری، الجامع الصحیح
- (۹) بخاری، جلد ۳، ص ۲۵، حدیث نمبر ۱۰۴
- (۱۰) بخاری، کتاب العلم، جلد ۱، ص ۲۲
- (۱۱) خالد علوی، حفاظت حدیث، ص ۱۲۰
- (۱۲) دارمی، مذاکرۃ العلم، جلد ۱، ص ۱۵۰
- (۱۳) دارمی، مذاکرۃ العلم، جلد ۱، ص ۱۵۰..... (۲) سید منت اللہ رحمانی: کتابت حدیث، ص ۳۰
- (۱۴) مشکوٰۃ کتاب العلم، جلد ۱، ص ۷۹
- (۱۵) مسند احمد، جلد ۲، ص ۲۵
- (۱۶) مودودی سید ابوالاعلیٰ، منصب رسالت نمبر، ص ۳۳۸



خطاب: حافظ عبدالرحمن مدنی

تدوین حدیث

## حفاظتِ حدیث کے مختلف ذرائع

منکرین حدیث کی طرف سے اکثر و بیشتر اس سوال کا اعادہ و تکرار کیا جاتا ہے کہ ”احادیث چونکہ آنحضرت ﷺ کے دور میں لکھی نہ گئی تھیں، اس لئے یہ قابلِ حجت نہیں۔ کیونکہ جب کوئی چیز ضبطِ کتابت میں آجائے تو وہ محفوظ ہو جاتی ہے جبکہ ضبطِ کتابت سے محروم رہنے والی چیز آہستہ آہستہ محو ہو کر اپنا وجود کھو بیٹھتی ہے۔ لہذا احادیث کا باقاعدہ کوئی وجود نہیں اور دورِ حاضر میں جن کتابوں کو کتبِ احادیث سے موسوم کیا جاتا ہے، یہ عجمی سازش کا نتیجہ ہیں“ زیرِ نظر مضمون میں اس اعتراض کا تسلی و تفسیحی بخش جواب دیتے ہوئے یہ واضح کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی (سنت) کس طرح محفوظ ہوئی؟

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (البقرة: ۱۳۷) ”اگر یہ (یہود و نصاریٰ) اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم (صحابہؓ) ایمان لائے ہو تو پھر یہ ہدایت پا جائیں گے۔“ صحابہ کرامؓ جب رسول کریم ﷺ کی زندگی کے شب و روز تابعین کے سامنے پیش کرتے تو چونکہ وہ آنحضرت ﷺ کی زندگی کے بارے میں خبر دیتے تھے، اس لئے ایک طرف تو ان کی یہ خبر (حدیث) دین کے لئے بنیاد متصور ہوگی اور دوسری طرف صحابہ کرامؓ کی بیان کردہ خبر ہی ہمارے لئے حجت ہوگی کیونکہ اللہ کے رسولؐ کی ساری زندگی انہی صحابہ کرامؓ کے درمیان بسر ہوئی ہے۔ لہذا صحابہ کرامؓ کا آنحضرت ﷺ کی زندگی کے بارے میں کوئی خبر دینا غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔

آنحضرت ﷺ کی زندگی کے دو پہلو ہیں: انفرادی اور اجتماعی۔ آپؐ کی زندگی کا اجتماعی پہلو صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر ہی واضح ہو سکتا ہے اور اسے آپؐ نے ”ما أنا عليه وأصحابي“ کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ اس اعتبار سے رسول کریم ﷺ کے دور کا معاشرہ آپؐ کی اجتماعی زندگی کا تصور پیش کرتا ہے۔ اور جب رسول کریم ﷺ فوت ہو گئے تو فوری طور پر یہ معاشرہ اپنی حالت تبدیل نہیں کر بیٹھا۔ اگرچہ تھوڑے بہت اختلافات بھی رونما ہوئے مگر یہ ایک فطری عمل ہے۔ اس لئے مجموعی طور پر رسول کریم ﷺ کی زندگی کا عمومی اور اجتماعی پہلو آپؐ کی وفات کے بعد من و عن صحابہ کرامؓ میں موجود رہا۔

صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین کے دور میں بھی تقریباً وہی حالات غالب رہے جو رسول کریم ﷺ کی زندگی میں تھے۔ پھر ان کے بعد تبع تابعین کے دور میں بھی یہی اجتماعی رنگ غالب تھا۔ اگر صحابہ کرامؓ، تابعین عظام اور تبع تابعین کے ادوار کو تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ سلسلہ ۲۲۰ھ تک چلتا رہا جب کہ یہ تبع تابعین کے دور کا تقریباً اختتام تھا اور تبع تابعین تک کے ادوار ہی کو خیر القرون

(بہترین ادوار) سے موسوم کیا جاتا ہے۔

یاد رہے کہ جس طرح صحابہ کرامؓ زندگیاں گزارتے رہے، اسی طرح تابعین نے ان کی اتباع کی اور تابعین کی انفرادی و اجتماعی زندگی کو دیکھتے ہوئے تبع تابعین نے اپنے آپ کو ان کے مطابق ڈھالنے کی پوری کوشش کی۔ حتیٰ کہ اگر کبھی کوئی خرابی، بد عملی یا کوتاہی نظر آتی تو فوراً ٹوک کر کہہ دیا جاتا کہ رسول اکرم ﷺ کا عمل تو اس طرح تھا۔ جیسا کہ ایک مرتبہ ابن مسعودؓ نے دیکھا کہ لوگ گٹھلیوں پر ورد کر رہے ہیں تو انہوں نے اس پر تعجب اور غصے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

”ويحكم يا أمة محمد ما أسرع هلكتكم، هؤلاء صحابة نبيكم متوافرون وهذه ثيابه لم تبل وانيته لم تكسر ..... أو مفتتحوا باب ضلالة“ (مسند دارمی، کتاب العلم (المقدمة) باب في كراهية أخذ الرأى، رقم ۲۱۵)

”اے امتِ محمد! تم پر افسوس کہ تم کتنی جلدی ہلاکت کی طرف جا رہے ہو حالانکہ ابھی تو تم میں صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد موجود ہے اور اللہ کے نبیؐ کے پڑے بھی ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے اور نہ ہی آپ کے برتن ابھی ٹوٹے ہیں ..... کیا تم گمراہی کا دروازہ کھولنا چاہتے ہو؟“

گویا صحابہ کرامؓ نے رسول کریم ﷺ کی باتوں کا اتنا خیال رکھا کہ گٹھلیوں کے استعمال کو بدعت کہہ کر اس سے روکا اور اس عمل کو ناپسند کیا۔ رسول کریم ﷺ کا معاشرہ تین نسلوں تک غالب رہا اور پھر اس معاشرے میں بہت سی تبدیلیاں اور بگاڑ در آئے۔ اس لئے تبع تابعین کے بعد والے دور یا معاشرے کو معیاری دور یا معیاری معاشرہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

### حفاظتِ حدیث بذریعہ روایت و کتابت

رسول کریم ﷺ کی زندگی کے بیان و روایت کرنے کو حدیث کہا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ، تابعین اور تابعین، تبع تابعین کو اللہ کے رسولؐ کی زندگی اور معمولات سے آگاہ کرنے کے لئے احادیث روایت کرتے رہے۔ اس دور میں لکھنے کا رواج اس قدر عام نہیں تھا۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ لکھنے کی بجائے زبانی روایت اور حفظ کو ترجیح دیتے تھے اور یہ ایک تجرباتی بات ہے کہ انسان جس چیز کو زیادہ استعمال کرتا ہے، وہی چیز زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔ اس طرح اس دور میں حافظ انتہائی قوی ہوتا تھا لیکن اس کے باوجود ایسی چیزیں جن کا تعلق حساب و کتاب اور شریاات سے ہوتا، بعض صحابہ اسے لکھ لیا کرتے۔ نیز وہ صحابہ جنہیں یہ خدشہ ہوتا کہ آنحضرت کی بتائی ہوئی حدیثیں ہمیں بھول نہ جائیں، وہ بھی احادیث لکھ کر انہیں محفوظ کرنے کی کوشش کرتے .....:

① حضرت علیؓ کو لوگوں کے جھگڑوں کو حل کرنے میں زیادہ دلچسپی تھی، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ: ”أقضاكم علي“ (بخاری، کتاب التفسیر) ”علیؓ تم میں جھگڑوں کے فیصلے میں سب سے زیادہ ماہر ہیں“ ..... چونکہ قضا میں ان کی خصوصی دلچسپی تھی، اس لئے انہوں نے قصاص

ودیت وغیرہ کے حوالے سے بعض چیزیں لکھ کر اپنے پاس محفوظ کر رکھی تھیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

”ابو جحیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں، البتہ ہمارے پاس یہ اللہ کی کتاب (قرآن مجید) ہے یا وہ فہم و فراست ہے جو مسلمان آدمی کو عطا کی جاتی ہے یا پھر یہ صحیفہ ہے۔ میں نے کہا کہ اس صحیفہ میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس میں دیت اور قیدیوں کو چھڑانے کے مسائل ہیں اور اس میں یہ (حدیث) بھی (تحریر) ہے کہ کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔“

(بخاری: کتاب العلم، باب کتابۃ العلم، حدیث نمبر ۱۱۱)

2 اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کو اللہ کے رسولؐ کے فرمودات جمع کرنے کا بڑا شوق تھا اور وہ ہر وقت اسی کوشش میں رہتے کہ آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے جب بھی کوئی بات نکلے میں فوراً اسے ضبط تحریر میں لے آؤں۔ حتیٰ کہ لوگوں نے ان پر اعتراض کرنا شروع کر دیا کہ اللہ کے رسولؐ کبھی غصے اور کبھی خوشی کی حالت میں ہوتے ہیں اور تم اللہ کے رسولؐ کی ہر بات لکھ لیتے ہو؟ عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں احادیث لکھنے سے رُک گیا اور میں نے رسولؐ اللہ سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا:

”اكتب فوالذي نفسى بيده ما يخرج منه الا حق“ (احمد: ۱۶۲۲، ابوداؤد: ۳۶۲۶)

”(ہر حال میں) لکھا کرو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میری زبان سے

حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا.....“

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی لکھی ہوئی چیزیں محفوظ رہیں اور وہ آگے اولاد در اولاد منتقل ہوتی گئیں۔

3 یاد رہے کہ ان چیزوں میں زیادہ نمایاں وہ احادیث تھیں جن کا تعلق زکوٰۃ وغیرہ سے تھا۔ عرب معاشرے میں زکوٰۃ کا زیادہ تر تعلق چوپایوں سے تھا، اس لئے کہ وہ لوگ زیادہ تر اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریاں پالتے تھے اور انہیں زکوٰۃ کے لئے ان کے اعداد و شمار کو مد نظر رکھنا پڑتا تھا۔ اس سلسلے میں یہ حدیث بڑی معروف ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عاملوں کے لئے زکوٰۃ کے وہ احکامات تحریری طور پر روانہ کئے جو آنحضرتؐ نے طے کر دیئے تھے۔

[دیکھئے: بخاری: کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ الابل، باب زکوٰۃ الغنم، باب العرض فی الزکوٰۃ]

## حفاظتِ حدیث بذریعہ تعامل

اصحاب صفہ کی یہ کوشش ہوتی کہ وہ آنحضرتؐ کے اقوال و افعال کی روشنی میں دین حاصل کریں۔ اس وقت دینی تعلیم کے حصول کا کوئی باقاعدہ کتابی طریقہ مروج نہیں تھا بلکہ صحابہ کرامؓ آنحضرتؐ کے افعال اور آپؐ کے فرمودات سے دین سیکھتے اور جو شخص جس قدر زیادہ آپؐ کی معیت حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا، وہ اسی قدر علم دین میں دوسروں کی بہ نسبت آگے ہوتا اور اس مقصد کے حصول کے لئے صحابہ کرامؓ نے آپس میں باریاں طے کر رکھی تھیں کہ ایک دن ایک صحابی اللہ کے رسولؐ کے پاس

آ کر دین سیکھتا اور اس کا کام کاج کوئی دوسرا صحابی سنبھالتا پھر دوسرے دن یہ صحابی کام کرتا اور دوسرے کو موقع دیتا کہ آج وہ اللہ کے رسول کی خدمت میں حاضری دے۔<sup>①</sup>

آنحضرت ﷺ کی لائی ہوئی شریعت صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں عملی طور پر رچ بس جانے کی وجہ سے محفوظ ہوتی چلی گئی۔ دوسرے الفاظ میں، آنحضرت ﷺ کی زندگی میں پائے جانے والے عمومی اعمال و افعال جب صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں منتقل ہو گئے تو گویا خود آنحضرت ﷺ کی زندگی عملی طور پر محفوظ ہو گئی اور اسے ہی 'تعال' کہا جاتا ہے۔ یہی تعال حضورؐ کی زندگی کو تسلسل کے ساتھ اگلے لوگوں میں نسل در نسل بڑھاتا رہا ہے۔ لیکن اس تعال میں اگر کہیں کوئی غلطی، تبدیلی یا اختلاف پیدا ہوتا تو وہاں احادیث (روایات) ہی کو فیصلہ کن بنایا جاتا اور احادیث کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا جاتا کہ تعال میں کون سی چیز احادیث کے مطابق ہے اور کون سی مخالف؟ گویا رسول کریم ﷺ کی زندگی کو آگے بڑھانے کے لئے اصل اور بنیاد یہ تعال ہی ہے لیکن اس تعال میں بوقت اختلاف، روایات کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے گا۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رہے کہ تعال کا یہ سلسلہ صحابہ کرامؓ، تابعین عظام اور تبع تابعین تک معیاری اور قابل اعتبار تسلیم کیا جاتا ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کی اس حدیث کہ ”خیر الناس قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم“ (بخاری: ۳۶۵۱) ”لوگوں میں سے سب سے بہترین زمانہ میرا ہے پھر ان کا جو میرے بعد ہیں، پھر ان کا جو ان کے بعد ہیں۔“ کے مطابق یہ معیاری معاشرہ تبع تابعین کے دور کے اواخر یعنی تقریباً ۲۲۰ھ تک کا ہے۔<sup>②</sup> پھر اس کے بعد کے تعال کی وہ حیثیت نہیں جو اس (۲۲۰ھ) سے پہلے کے تعال کی ہے۔ لیکن اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ خیر القرون کا ہر تعال حجت ہے بلکہ اس دور کا تعال آنحضرت ﷺ کی زندگی کو مثبت طور پر پیش کرنے میں بڑا کردار رکھتا ہے۔ البتہ اگر کسی جگہ کوئی اختلاف یا تبدیلی نظر آئے تو وہاں فیصلہ کن حیثیت صحیح احادیث و روایات ہی کو حاصل ہوگی۔

یاد رہے کہ خیر القرون کے تعال کو تو ایک طرح سے بڑی اہمیت حاصل ہے مگر اس کے بعد چونکہ معاشرے معیاری نہ رہے، اس لئے بعد والے معاشروں کے تعال کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس لئے جن لوگوں نے خیر القرون کے بعد والے معاشروں کے تعال کو بھی حجت قرار دینے کی کوشش کی ہے وہ غلطی پر ہیں۔ بلکہ بعض لوگوں نے بڑا عجیب فلسفہ پیش کیا ہے کہ جن چیزوں (مسائل) میں اختلاف نہیں، وہ تعال میں شامل کر دی ہیں مثلاً نماز کے رکوع، سجود، تشہد، قیام وغیرہ میں اختلاف نہیں، اس لئے کہہ دیا کہ یہ

① اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کے حوالہ سے یہ روایت بڑی اہم ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

”میں اور میرے ایک انصاری پڑوسی نے اللہ کے رسولؐ کے پاس (علم دین حاصل کرنے) جانے کے لئے باری مقرر کر لی کہ ایک دن میں اللہ کے رسولؐ کے پاس جایا کروں گا اور ایک دن وہ۔ جب میری باری ہوتی تو میں وحی سے متعلقہ معلومات لے کر آتا تو اپنے ساتھی کو ان سے آگاہ کرتا اور جب اس کی باری ہوتی تو وہ بھی اسی طرح اللہ کے رسولؐ کے پاس جاتا اور جو وحی نازل ہوتی اس سے مجھے آ کر آگاہ کرتا۔“ (بخاری: ۸۹) ..... مرتب

② حافظ ابن حجرؒ نے اس موقف کو اختیار کیا ہے۔ (فتح الباری: ۶/۷)

چیزیں تعامل سے ثابت ہیں اور یہ تعامل آج تک باقی ہے اور جن چیزوں میں اختلاف ہے مثلاً رکوع جانے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنا یا آمین جبری یا سری کہنا وغیرہ، ایسے مسائل کے بارے میں کہا کہ یہ تعامل سے ثابت نہیں، حالانکہ تعامل کے نام پر ایسی تقسیم خود ساختہ ہے۔

## تعال امت اور روایت سنت ساتھ ساتھ

اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت ہے کہ جس طرح خیر القرون (۲۲۰ھ تک) کا تعامل ایک اہمیت و حیثیت رکھتا ہے، اسی طرح خیر القرون کے ختم ہونے تک احادیث کی باقاعدہ اور بنیادی کتابیں بھی تقریباً مدون ہو چکی تھیں مثلاً دنیا میں اس وقت حدیث کی سب سے پہلی کتاب ہمام بن منبہ (معروف تابعی اور حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد رشید) کا وہ صحیفہ ہے جو اس وقت چھپ چکا ہے۔ پہلے یہ مخطوطے کی شکل میں محفوظ تھا جسے ڈاکٹر حمید اللہ (پیرس) نے تک و دو کر کے شائع کروایا۔ اسی طرح امام مالکؒ جن کی تاریخ پیدائش ۹۵ھ (یا ۹۷ھ) اور تاریخ وفات ۱۷۹ھ ہے، ان کی حدیث کی معروف کتاب الموطأ آج بھی موجود اور معروف ہے اور یہ کتاب بھی خیر القرون کے اختتام سے پہلے باقاعدہ کتابی شکل میں منظر عام پر آگئی تھی۔ اسی طرح امام بخاری کی تاریخ پیدائش بھی ۲۲۰ھ سے پہلے کی ہے۔<sup>③</sup>

اس طرح خیر القرون کے تعامل کے ساتھ ساتھ روایات کا کتابی صورت میں مدون ہو کر سامنے آنا نعم البدل قرار پاتا ہے۔ یعنی خیر القرون کے بعد معاشرے غیر معیاری ہوتے چلے گئے لیکن تب تک کتابی صورت میں اللہ کے رسولؐ کی زندگی ایک متبادل کے طور پر محفوظ ہو کر سامنے آ چکی تھی اور پھر ان روایات کو باقاعدہ اسناد کے ساتھ جمع کیا گیا۔ اگرچہ اسناد کا یہ سلسلہ چھٹی اور ساتویں ہجری تک بھی چلتا رہا لیکن تیسری صدی ہجری میں مدون ہونے والی کتب احادیث ہی زیادہ تر مراجع و مصادر کی حیثیت اختیار کر گئیں۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ ان کتابوں کے مولفین (محدثین) نے احادیث کو باسناد روایت کیا ہے اور بعض محدثین نے اپنی کتابوں میں احادیث کی صحت کا خاص اہتمام بھی کیا ہے جبکہ دیگر محدثین نے مطلق طور پر روایات کو اسناد کے ساتھ پیش کر دیا تاکہ بعد میں بھی اگر کوئی شخص کسی روایت کی تحقیق کرنا چاہے تو وہ اس روایت میں مذکور راویوں کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اصول حدیث کی مدد سے باسانی یہ تحقیق کر لے گا کہ کون سی روایت صحیح ہے اور کون سی ضعیف.....؟

③ اسی طرح عبدالرزاق بن ہمام صنعانیؒ جن کی احادیث و آثار پر مشتمل ایک جامع کتاب مصنف عبدالرزاق کے نام سے معروف ہے، یہ بھی ۱۲۶ھ تا ۲۱۱ھ یعنی خیر القرون کے دور کے محدث ہیں۔ اسی طرح ابوبکر بن ابی شیبہ کی مصنف بھی اسی دور میں لکھی جا چکی تھی۔ کیونکہ ابن ابی شیبہ کی تاریخ وفات ۲۳۵ھ ہے۔ اسی طرح امام شافعی (۱۵۰ھ تا ۲۰۴ھ) کی حدیث کی کتاب بھی اس وقت لکھی جا چکی تھی اور آج بھی مذکورہ بالا تینوں کتابیں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی محدثین نے احادیث کی کتابیں اس دور میں تیار کر لی تھیں جن میں سے چند ایک آج بھی کتب خانوں میں موجود ہیں۔ (مرتب)

## احادیث کے حجت ہونے کیلئے کتابت کی شرط کی حیثیت

منکرین حدیث کے اس اعتراض کا جواب تقریباً واضح ہو چکا ہے لیکن اس اعتراض کی قلعی کھولنے کیلئے ایک جدید مثال پیش خدمت ہے، جس سے یہ واضح ہوگا کہ کسی چیز کے معیار و حجت اور آئین و دستور ہونے کیلئے 'کتابت' (یعنی اس چیز کا پہلے سے لکھا ہونا) کوئی ضروری نہیں..... برطانوی معاشرے کا اصل دستور وہ رسوم و روایات ہیں جو ان کے ہاں شروع سے چلی آتی ہیں اور یہ رسوم و روایات باقاعدہ تحریری شکل میں موجود نہیں بلکہ برطانوی معاشرے کا تعامل ہی اس دستور کا محافظ ہے۔ اگر کہیں ان کے ہاں لوگوں میں کسی چیز میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کا فیصلہ کرنے کیلئے ان کی عدالتیں یہ دیکھتی ہیں کہ اس قضیہ میں برطانوی معاشرے کا رواج کیا کہتا ہے اور پھر اسی رواج کے مطابق عدالت فیصلہ کرتی ہے۔

یاد رہے کہ ہر معاشرہ اپنے معاملات میں اپنا ایک خاص معیار رکھتا ہے اور اس معاشرے کے لوگ اس معیار کو فطری طور پر قائم رکھتے ہیں لیکن جب کسی معاشرے میں بیرونی بیوند کاری یا دوسری قوموں اور علاقوں کے لوگوں کا اختلاط و امتزاج بڑھ جاتا ہے تو پھر وہ معاشرہ اپنے معاملات کے لحاظ سے معیاری نہیں رہتا کیونکہ دوسری قوموں کی عادات و اطوار بھی اس میں شامل ہونے لگتے ہیں اور ایسی صورت میں ان کے لئے اپنے معاشرے کو معیاری رکھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح برطانیہ میں جب باہر کے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد آ کر آباد ہو گئی تو ان کے لئے معاشرتی رسوم و روایات کے معیار کو برقرار رکھنا مشکل ہو گیا اور اس مشکل کو حل کرنے کے لئے اب انہوں نے آہستہ آہستہ اپنا دستور تحریری طور پر مرتب کرنا شروع کر دیا ہے لیکن اس کے باوجود ابھی تک برطانیہ کا بنیادی دستور غیر تحریری شکل میں ہے۔ اس غیر تحریری دستور کے حوالہ سے کبھی کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ چونکہ یہ تحریر شدہ نہیں، لہذا قابل قبول نہیں۔ بلکہ غیر تحریری ہونے کے باوجود اسے دستور کی حیثیت حاصل رہی ہے!!

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر بالفرض آنحضرت ﷺ یا صحابہ کے دور میں احادیث تحریر شدہ نہ تھیں تو اس کے باوجود وہ حجت و معتبر تھیں کیونکہ عملی طور پر وہ مسلمان معاشرے کا حصہ بن چکی تھیں اور یہ بات بھی یاد رہے کہ فی الواقع شروع شروع میں آنحضرت ﷺ کی مکمل زندگی تحریری صورت میں نہیں ملتی لیکن اللہ کے رسول کی زندگی (سنت) کے جن حصوں (احکامات) کے ضائع ہونے کا خدشہ تھا، وہ فوری طور پر حضور کی موجودگی میں لکھ لی گئی تھیں اور پھر تبع تابعین کے دور کے اختتام تک اسے خیر القرون کے معاشرتی تعامل سے تحریری شکل میں بھی مدون کر کے محفوظ کر لیا گیا۔<sup>④</sup> [مرتب: حافظ مبشر حسین لاہوری]

④ علاوہ ازیں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اگر یہ شرط لگا دی جائے کہ صرف وہی چیز حجت و معتبر ہوتی ہے جو لکھی ہوئی ہو تو پھر بذات خود قرآن مجید بھی اس شرط پر پورا نہیں اترے گا۔ اس لئے کہ قرآن مجید غیر مکتوب شکل میں وقفہ در وقفہ تیس ۲۳ سالوں میں اللہ کے رسول کے دل پر نازل ہوتا رہا اور آپ سے بڑھتے تو صحابہ کرام آپ سے سن کر اسے یاد کر لیتے۔ لہذا قرآن مجید کی موجودہ کتابی صورت آنحضرت ﷺ کے دور میں ہرگز ایسی نہ تھی بلکہ اسے آپ کی وفات کے بعد سب سے پہلے ابو بکر اور پھر حضرت عثمان نے کتابی صورت میں جمع کیا۔ (مرتب)

## انکار حدیث..... حق یا باطل؟

[ایک منکر حدیث کے شبہات کے جوابات]

### کیا قرآن میں سب کچھ ہے اور حدیث کی ضرورت نہیں؟

انکار حدیث کے لئے سب سے اہم اور بنیادی نکتہ یہ تلاش کیا گیا ہے کہ قرآن مجید میں ہر مسئلہ کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے، اس لئے حدیث کی ضرورت نہیں۔ اس کے ثبوت میں قرآن مجید کے متعلق تبینانا لکل شیعہ اور تفصیلاً لکل شیعہ والی آیات پیش کی جاتی ہیں۔ جن کا مطلب توڑ مروڑ کر اور غلط ملط بیان کر کے یہ یقین دلا یا جاتا ہے کہ قرآن میں ہر مسئلہ کی تفصیل موجود ہے۔

① منکرین حدیث اب ہمارا سوال سنیں؛ قرآن میں مردہ، خون، سور کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور حرام قرار دیا گیا ہے اور بھیمۃ الأنعام حلال کیا گیا ہے۔ بھیمۃ الأنعام کی تفسیر قرآن میں ان جانوروں سے کی گئی ہے: اونٹنی، اونٹ، گائے، بیل، بکری، بکرا، بھیڑ اور مینڈھا۔ لغت میں بھی بھیمۃ الأنعام کی فہرست میں یہی جانور بتائے گئے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ان کے علاوہ دنیا کے بقیہ جانور حلال ہیں یا حرام؟ مثلاً کتا، بلی، گڈر، بھیڑیا، چیتا، شیر، تیندوا، بندر، رچھ، ہرن، چھتیل، سانپ، بارہ سنگھا، بھینسا، خرگوش، کوا، جیل، باز، شکرہ، کبوتر، مینا، فاختہ وغیرہ وغیرہ؛ یہ سارے جانور حلال ہیں یا حرام؟ یا ان میں سے کچھ حلال ہیں اور کچھ حرام؟ آپ جو جواب بھی دیں، اس کا ثبوت قرآن سے پیش کریں۔ آپ کی عقلی تک بندیاں نہیں مانی جائیں گی، یعنی آپ چونکہ دعویٰ دہا رہے ہیں کہ ہر مسئلہ قرآن میں موجود ہے اس لئے ان جانوروں میں سے جس کو حلال مانیں، اس کے حلال ہونے کا ثبوت قرآن سے دیں اور جس کو حرام مانیں، اس کے حرام ہونے کا ثبوت قرآن سے دیں اور اگر آپ قرآن سے نہ دے سکیں (اور یقیناً نہیں دے سکیں گے) تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن میں ہر مسئلہ بیان نہیں کیا گیا ہے اور حدیث کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ان جانوروں کے حلال و حرام ہونے کا قاعدہ حدیث میں بیان کر دیا گیا ہے جس سے فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ کون سا جانور حلال ہے اور کون سا حرام.....!

② دوسرا سوال یہ ہے کہ قرآن میں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نماز کی حالت میں کھڑے ہونے، رکوع کرنے اور سجدہ کرنے کا ذکر بھی قرآن میں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ نماز میں پہلے کھڑے ہوں یا پہلے رکوع کریں یا پہلے سجدہ کریں؟ پھر کھڑے ہوں تو ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوں یا لٹکا کر؟ ایک پاؤں پر کھڑے ہوں یا دونوں پر؟

لغت میں 'رکوع' کا معنی ہے جھکنا، سوال یہ ہے کہ آگے جھکیں، یا دائیں جھکیں یا بائیں جھکیں؟ پھر جھکنے کی مقدار کیا ہو؟ ذرا سا سر نیچا کریں یا کمر کے برابر نیچا کریں یا اس سے بھی زیادہ نیچا کریں؟ پھر رکوع کی حالت میں ہاتھ کہاں ہوں؟ گھٹنوں پر ٹیکیں؟ یا دونوں رانوں کے بیچ میں رکھ کر بازوؤں کو ران پر ٹیکیں؟ یا ڈنڈے کی طرح لٹکنے دیں؟

اسی طرح سجدہ کیسے کریں؟ یعنی زمین پر سر کا کون سا حصہ ٹیکیں، پیشانی کا ٹھیک پچھلا حصہ یا دایاں کنارہ یا بائیں کنارہ؟ سجدہ کی حالت میں ہاتھ کہاں رکھیں؟ رانوں میں گھسالیں؟ یا زمین پر ٹیکیں؟ اور اگر زمین پر ٹیکیں تو صرف ہتھیلی زمین پر ٹیکیں یا پوری کہنی زمین پر ٹیکیں؟ سجدہ ایک کریں یا دو کریں؟ ان سوالات کا آپ جو بھی جواب دیں، اس کا ثبوت قرآن سے دیں۔ ان مسائل کے بارے میں آپ کی عقلی تک بندیاں نہیں مانی جائیں گی اور اگر قرآن سے ان سوالات کا جواب نہ دے سکیں (اور یقیناً نہیں دے سکتے) تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث کے بغیر قرآن کے حکم پر بھی عمل نہیں ہو سکتا۔

③ تیسرا سوال یہ ہے کہ قرآن میں زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نہ دینے والوں کو سخت عذاب کی دھمکی بھی دی گئی ہے۔ جس جس قسم کے لوگوں پر زکوٰۃ خرچ کرنی ہے، انہیں بھی بتا دیا گیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ زکوٰۃ کب وصول کی جائے؟ یعنی زکوٰۃ روز روز دی جائے؟ یا سال بھر میں ایک مرتبہ دی جائے؟ یا پانچ سال یا دس سال یا بیس سال میں ایک مرتبہ دی جائے؟ یا عمر بھر میں ایک مرتبہ دی جائے؟ پھر یہ زکوٰۃ کس حساب سے دی جائے اور کتنی کتنی دی جائے؟ یعنی غلہ کتنا ہو تو اس میں زکوٰۃ دی جائے؟ اور کتنے غلہ پر کتنی زکوٰۃ دی جائے؟ سونا چاندی کتنی ہو تو زکوٰۃ دی جائے؟ اور کس حساب سے دی جائے؟

یہ سارے مسئلے قرآن سے ثابت کیجئے۔ اگر آپ قرآن میں یہ مسائل نہ دکھلا سکیں (اور ہرگز نہیں دکھلا سکتے) تو ثابت ہوگا کہ حدیث کو مانے بغیر قرآن کے حکم پر بھی عمل ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ان سارے مسائل کا بیان حدیث ہی میں آیا ہے۔

④ چوتھا سوال: قرآن میں حکم ہے کہ مسلمان جنگ میں کفار کا جو مال غنیمت حاصل کریں، اس کے



پانچ حصے کر کے ایک حصہ اللہ اور اس کے رسول کے نام پر الگ نکال دیا جائے جو تینوں، مسکینوں اور حاجت مندوں وغیرہ میں بانٹ دیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ باقی چار حصے کیا کئے جائیں؟ تمام مجاہدین پر برابر برابر بانٹ دیئے جائیں یا فرق کیا جائے؟ کیونکہ بعض لوگ اپنا ہتھیار، گھوڑا، تیر، کمان، نیزہ، بھالا، زرہ، خود، سواری کا جانور اور کھانے کا سامان خود لے کر جاتے تھے اور بعض کو اسلامی حکومت کی طرف سے یہ سامان فراہم کیا جاتا تھا۔

اسی طرح بعض لوگ بڑی بہادری اور بے جگری سے لڑتے تھے، بعض دیکے رہتے تھے، کچھ اگلی صف میں رہتے تھے، جن پر براہ راست دشمن کا وار ہوتا تھا۔ کچھ پیچھے رہتے تھے جو خطرہ سے دور رہتے تھے۔ اب اگر ان سب کو برابر دیں تو کیوں دیں؟ اور اس کا ثبوت قرآن میں کہاں ہے؟ اور اگر فرق کریں تو کس حساب سے فرق کریں؟ قرآن سے اس کا حساب بتائیے۔ اور اگر کمانڈر کی رائے پر چھوڑ دیں تو قرآن میں کہاں لکھا ہے کہ کمانڈر کی رائے پر چھوڑ دیں؟ اس کی دلیل دیجئے۔ اگر قرآن میں ان مسئلوں کا کوئی حل نہیں ہے تو کیسے کہا جاتا ہے کہ قرآن میں سارے مسئلے بیان کر دیئے گئے ہیں.....!!

⑤ پانچواں سوال: قرآن میں حکم ہے کہ چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھوں کو کاٹ دو۔ اب سوال یہ ہے کہ دونوں ہاتھ کاٹیں یا ایک ہاتھ؟ اور اگر ایک ہاتھ کاٹیں تو داہنا کاٹیں یا بائیں؟ پھر اسے کاٹیں تو کہاں سے کاٹیں؟ بغل سے یا کہنی سے یا کلائی سے؟ یا ان کے بیچ میں کسی جگہ سے؟ آپ جو جواب بھی دیں، اس کا ثبوت قرآن سے دیں اور اگر قرآن سے اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتے تو کیسے کہتے ہیں کہ قرآن میں ہر مسئلہ بیان کر دیا گیا ہے۔

⑥ چھٹا سوال: قرآن میں یہ ارشاد ہے کہ جب جمعہ کی نماز کے لئے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ سوال یہ ہے کہ جمعہ کے دن کب پکارا جائے؟ کس نماز کے لئے پکارا جائے؟ کن الفاظ کے ساتھ پکارا جائے؟ جس نماز کے لئے پکارا جائے، وہ نماز کیسے پڑھی جائے؟ ان ساری باتوں کا ثبوت قرآن سے دیجئے۔ ورنہ تسلیم کیجئے کہ قرآن میں ہر مسئلہ بیان نہیں کیا گیا ہے۔

صاف بات یہ ہے کہ قرآن میں رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور جو باتیں ہم نے پوچھی ہیں، ان باتوں میں اور اسی طرح زندگی کے بہت سارے مسئلے میں تنہا قرآن سے کسی طرح بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ کیا تھا۔ یہ طریقہ صرف حدیث سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اس لئے جب تک حدیث کو نہ مانیں، خود قرآن پر بھی عمل نہیں کر سکتے۔ فی الحال یہی سوال پیش کر کے ہم آگے بڑھتے ہیں۔

## انکارِ حدیث کے اصولی دلائل

اس ایک اصولی دلیل کا حال جان لینے کے بعد آئیے اب مدھوپوری محقق صاحبؒ کی زبانی چند اور اصولی دلیلیں سنئے۔ اس کے بعد ہمارا جواب ملاحظہ فرمائیے۔ موصوف نے خود ہی سوال قائم کیا ہے اور خود ہی جواب بھی دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

”سوال: دین میں مصطلح ’حدیث‘ کا کیا مقام ہے؟ جواب: کچھ نہیں، کیونکہ.....

(۱) دین حق ہے اور اس کی بنا علم و یقین پر ہے۔ جس کی شہادت خود اللہ اور اس کے سچے فرشتے دیتے ہیں: ﴿لَٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَا اُنزِلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شٰهِدًا﴾ (النساء: ۱۶۶)

(ب) دین عملاً محمد رسول اللہ ﷺ والذین معہ کے ذریعہ بطریق احسن مکمل ہو چکا: ﴿الْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدہ: ۳)

(ج) دین لوحِ قرآن پر لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً بدرجہ اکمل محفوظ ہو گیا ہے:

﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِىْ لَوْحٍ مَّحْفُوْطٍ﴾ (البروج: ۲۱، ۲۲)

برعکس اس کے ہماری حدیثیں سب کی سب یکسر ظنی، غیر یقینی اور روایت بالمعنی ہیں۔ دین سے اس کا کیا تعلق؟: ﴿اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ (النجم: ۲۸) یعنی حق کے مقابلے میں ’ظن‘ کا کوئی مقام نہیں ہے: ﴿اِنَّ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوٰى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدٰى﴾ (النجم: ۲۳) یعنی ’یہ لوگ محض ’ظن‘ کے پیچھے دوڑتے ہیں، دراصل وہ اپنی من مانی کرتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کو ہدایت پہنچ چکی ہے۔‘ اور ایک مقام پر تو خاص کرمونوں کو خطاب کر کے زیادہ ظن و گمان سے کوسوں دور رہنے کا حکم صادر کر دیا گیا ہے۔

بلکہ یہاں تک متنبہ کر دیا گیا ہے کہ بعض قیاس آرائیاں ’صریح‘ گناہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہیں۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ (الحجرات: ۱۲)

وفاتِ نبویؐ کے سینکڑوں سال بعد بعض ایرانیوں نے ادھر ادھر کی محض سنی سنائی اٹکل بچو باتوں (جنہیں اقوالِ رسولؐ و اصحابِ رسولؐ سے منسوب کیا جاتا تھا) کا ذخیرہ جمع کر کے انہیں متفرق و متضاد روایتوں کو ’صحیح‘ حدیث‘ کا نام دے دیا اور بعد والوں نے بعض دینی اور سیاسی مصالح کی بنا پر اس کو (برعم خویش) جزو دین سمجھ لیا، اور اس طرح تنقہ فی الدین اور تدبر فی القرآن کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لیا۔ اس سے قبل یہی روایتیں جب تک زید، عمرو و بکر کی زبانوں پر بے روک ٹوک گشت کرتی رہیں، ان کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی، لیکن قید کتابت میں آنے اور ان پر ’صحیح‘ کا لیبل

☆ مدھوپور، بہار، ہندوستان کے ایک نام نہاد محقق، جنہوں نے مقالہ نگار کو احادیث پر اعتراضات پر مبنی خطوط ارسال کئے۔

☆ ظن کے نام پر مغالطے کی وضاحت کے لئے پڑھیں: ’حدیث کے ظنی ہونے کا مفہوم‘ محدث، اگست ۲۰۰۱ء صفحہ ۱۱ تا ۲۳

چکانے کے بعد انہیں فلاں نے فلاں سے کہا، اور فلاں نے فلاں سے سنا.....  
روایتوں کو بدقسمتی سے دین کی اصل و اساس سمجھ لیا گیا، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ مجموعہ ہائے روایات زیادہ سے زیادہ ایک طرح کے نیم تاریخی مواد کی حیثیت رکھتے ہیں اور بس۔ نیم تاریخی ہم نے اس لئے کہا کہ اولاً یہ فن تاریخ کے معیار پر پورے نہیں اُترتے، اور دوسرے یہ کہ ان کتب احادیث کی اکثر روایات قصہ گو یوں، واعظوں اور داستان سراؤں کی خود ساختہ روایات اور من گھڑت کہانیاں ہیں۔ نیز ان جھوٹی روایات اور فرضی واقعات کا عوام میں خوب خوب پرچار کرنے کے ذمہ دار بھی یہی وعاظ و قصاص کا گروہ رہا ہے۔

ہماری حدیث کا ایک دوسرا تاریک پہلو بھی ہے جو پہلے سے زیادہ افسوس ناک ہے۔ اور جسے 'اسلامی تاریخ' کا 'المیہ' کہنا چاہئے۔ مثلاً حدیث کے مجموعوں میں ایسی روایتیں بھی بکثرت ملتی ہیں جو الزام تراشی، دروغ بانی اور تحش نگاری کا مرقع ہیں۔ اس پرستم ظریفی یہ کہ ان حزب اخلاق اور حیا سوز حدیثوں کو منسوب کیا جاتا ہے قرآن کی برگزیدہ شخصیتوں کی طرف (جیسے خود آنحضرت ﷺ، آپ کی ازواج مطہرات، خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ اور اصحاب رسول علی الخصوص حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان)۔ یا پھر سب و شتم کے تیر چلائے جاتے ہیں تو اگلی آسانی کتابوں کی مثالی ہستیاں پر جیسے حضرت ابراہیم، یوسف، داؤد، سلیمان، اور مریم وغیرہم۔ غرض صف اولیٰ کی منتخب شخصیتیں ہوں یا صحیفہ آخر کی پسندیدہ ہستیاں، کسی کی بھی عزت و آبرو روایان حدیث کی مشق ستم کا نشانہ بننے سے نہ بچ سکی: ﴿وَلَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ﴾ (المزملات: 19)  
واضح رہے کہ یہ روایتیں میلہ کذاب یا ملامعین واعظ کا شفی جیسے مشہور دروغ گو یوں کی نہیں ہیں بلکہ عام مسلمانوں کے نامے ناز اور فخر روزگار اماموں کے ثقہ راویوں کی ہیں جو آج تقریباً ہزار سال سے ان کتابوں کی زینت بنی ہوئی ہیں جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ اور مثلاً معہ صحیح جاتی رہی ہیں..... وائے گروہوں! امروز بود فروائے!

ان تحقیقات عالیہ اور فرمودات طیبہ کے بعد مدھو پوری 'محقق' صاحب ایک ٹھوس حقیقت کا عنوان لگا کر مزید ارشاد فرماتے ہیں:

”ہم مکلف ہیں ایمان لانے کے اللہ اور اس کے رسول پر۔ اور اللہ و رسول پر ایمان لانے کے معنی ہیں اللہ کو حق جاننا اور محمد (رسول اللہ) پر نازل شدہ کتاب (قرآن) کو ماننا۔ بخلاف اس کے محض سنی سنائی باتیں جو صد ہا سال تک ہر کہ و مہ کی زبان پر بے روک ٹوک گشت کرتی رہی ہوں اور بالآخر انہیں محدثین نے بالکل غیر ذمہ دارانہ ذرائع سے معلوم کر کے اپنے بیاض میں نقل کیا ہو، ایسی غیر مستند اور غیر یقینی روایتوں کو اس صادق و مصدوق کی طرف منسوب کر کے انہیں 'سنت' کا نام دینا اور ان پر ایمان لانے کے لئے مسلمانوں کو مجبور کرنا سراسر بے انصافی اور انتہائی زیادتی ہے۔

مرتبہ انجیل کا نسخہ جسے خود حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے قلم بند کیا تھا (جو سفر و حضر ہر حال میں

آپ کے رفیق وہم جلیس رہ چکے تھے) اگر محض اس لئے قابل اعتنا نہیں سمجھا جاسکتا کہ یہ کام حضرت مسیح کی موجودگی میں نہیں بلکہ واقعہ رفع کے چالیس سال بعد انجام پایا تھا تو یہ روایتیں جنہیں نہ خود حضورؐ نے قلمبند کروایا نہ ہی آپ کے اصحاب میں سے کسی نے اس کی ضرورت سمجھی۔ بلکہ حضور کے سینکڑوں سال بعد بعض عجمیوں نے زید، عمر و بکر سے پوچھ پوچھ کر لکھ لیا ہو، انہیں منزل من اللہ ماننے اور جزو دین قرار دینے کے لئے وجہ جواز کیا ہو سکتی ہے؟ اور یہ تدوین و ترتیب کے دوران تقویٰ و طہارت کا اہتمام یعنی ایک ایک روایت کو قلم بند کرنے سے پہلے تازہ غسل و وضو اور دو رکعت نفل ادا کرنے کا شائبہ نفسیاتی اعتبار سے ذہنوں میں روایتوں کی تقدیس و تکریم کا جذبہ خواہ کتنا ہی پیدا کرے لیکن نفس روایات کا جہاں تک تعلق ہے، یہ حقیقت ہے کہ اگر انہیں آپ زمزم سے بھی غسل و وضو کر کے لکھا گیا ہوتا تو بھی اس عمل سے ان کی صحت و سقم میں کوئی فرق نہیں آتا۔“ قرآن اللہ کا کلام ہے، اس کا یقین کرنے کے لئے ہمیں رسولؐ کی رسالت پر ایمان لانا ہوگا، بغیر آپ پر ایمان لائے قرآن کے کلام اللہ ہونے پر ہمارا ایمان لانا کسی درجہ میں معتبر نہ ہوگا۔ یعنی اسی طرح روایتوں کو حدیث رسولؐ ماننے کے لئے ایک ایک روایت کے راوی پر ایمان لانا ہمارے لئے ناگزیر ہوگا بلکہ ہر روایت کے ہر سلسلہ اسناد میں جتنے راوی ہوں گے ہر ایک پر بلا استثنا ایمان لانا ہوگا۔ کیا ہمیں اللہ و رسولؐ کی طرف سے ان ان گنت اصحاب اسماء الرجال پر ایمان لانے کی تکلیف دی گئی ہے۔ اناللہ ...“

## جواب

مدھو پوری محقق صاحب کا سرمایہ تحقیقات ختم ہوا۔ اب آئیے اس پر ہمارا تبصرہ اور جائزہ ملاحظہ فرمائیے۔ ہم نے اس کے جواب میں انہیں لکھا تھا کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ دین میں حدیث کا کوئی مقام نہیں اور اس دعویٰ کی آپ نے اپنے خیال میں دو دلیلیں لکھی ہیں۔ دوسری دلیل پر تو ہم آگے گفتگو کریں گے۔ پہلی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ دین کی بنا علم و یقین پر ہے، احادیث ظنی ہیں۔ اس ضمن میں آپ نے وہ آیات نقل کی ہیں جن میں ظن کی مذمت کی گئی ہے۔ اور ظن سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ کی یہ حرکت دیکھ کر بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ آپ حضرات نہ تو قرآن کو مانتے ہیں اور نہ اس کو سمجھنے کا سلیقہ ہی رکھتے ہیں!!

## شریعت میں ظن اور ظنیات کی حیثیت

جناب عالی! قرآن مجید میں صرف ظن کی مذمت ہی نہیں کی گئی ہے بلکہ اس کی تعریف بھی کی گئی ہے۔ اسے اختیار کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے اور اسے مدار نجات بھی قرار دیا گیا ہے۔ سنئے، فرمایا گیا ہے:

﴿لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ

﴿مَبِئْنٌ﴾ (النور: ۱۲)

”جب تم لوگوں نے حضرت عائشہؓ پر الزام کے واقعہ کو سنا تو مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں نے اپنے نفوس کے ساتھ اچھا ظن کیوں نہ قائم کیا؟ اور کیوں نہ کہا کہ یہ کھلی ہوئی جھوٹی تہمت ہے۔“  
غور فرمائیے! اس میں صرف ’ظن‘ کو اختیار ہی کرنے کا مطالبہ نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد پر ایک معاملہ کے بارے میں فیصلہ کن رائے قائم کرنے کا بھی مطالبہ ہے۔ ایک جگہ فرمایا گیا:

﴿وَأَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَأِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَشَعِينَ الَّذِينَ يَلْمُونَ  
أَنَّهُمْ مُلْقَوُا رَبَّهُمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ (البقرة: ۲۵، ۲۶)

”صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو اور بے شک یہ بھاری ہے مگر ان ڈرنے والوں پر جو یہ ’ظن‘ رکھتے ہیں کہ انہیں اپنے رب سے ملنا ہے اور یہ کہ وہ اسی کی طرف پلٹ کر جائیں گے۔“  
گویا قیامت کے وقوع اور اللہ سے ملاقات کا ’ظن‘ رکھنا ایمان کی علامت ہے۔ ایک اور مقام

پر ارشاد ہے:

﴿الَّا يَظُنُّ أَوْلِيَاكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ، لِيَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ (الطائفین: ۴، ۵)

”کیا وہ لوگ ظن نہیں رکھتے کہ وہ ایک بڑے دن کے لئے اٹھائے جائیں گے؟“

گویا بعث کا ظن نہ رکھنا عدم ایمان کی علامت ہے اور ڈنڈی مارنے جیسی برائیوں کا سبب ہے۔  
ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَذَا مَا أقرُّهُ وَأَكْتَبْتَنِي إِيَّيْ ظَنَنْتُ أَنِّي مُلْقٍ  
حَسَابِيَةً..... الخ﴾ (الحاقة: ۲۲ تا ۱۹)

”قیامت کے دن جس شخص کی کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں دی جائے گی، وہ کہے گا: آؤ میری کتاب پڑھو۔ میں ظن رکھتا تھا کہ میں اپنے حساب سے ملوں گا۔ پھر وہ پسندیدہ زندگی یعنی بلند وبالاجنت میں ہوگا۔“

لیجئے جناب! یہاں ایک ’ظنی‘ عقیدے پر جنت مل رہی ہے اور آپ ظن اور ظنیا کو جہنم میں دھکیلنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ظن کی بنیاد پر توبہ و استغفار کیا تو ان کے اس عمل کو مدح و تعریف کے سیاق میں ذکر کیا گیا ہے، ارشاد ہے:

﴿وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّهٗ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ﴾ (ص: ۲۴)

”داؤد نے یہ ظن کیا کہ ہم نے اسے آزمائش میں ڈال دیا ہے پس انہوں نے اپنے رب سے مغفرت مانگی اور رکوع کرتے ہوئے گر پڑے اور اللہ کی طرف جھک گئے۔“

آپ ظنی چیز کا دین سے کوئی تعلق ہی نہیں سمجھتے اور قرآن ظن پر دین کے ایک حکم کا دار و مدار رکھتا

ہے، ارشاد ہے: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ﴾  
یعنی ”مطلقہ ثلاثہ کا دوسرا شوہر اگر طلاق دے دے تو (پہلے شوہر اور اس کی مطلقہ) ان دونوں پر  
کوئی حرج نہیں کہ آپس میں تراجم کر لیں (یعنی پھر بذریعہ نکاح اکٹھے ہو جائیں) اگر یہ ظن کریں  
کہ وہ دونوں اللہ کے حدود قائم کر سکیں گے۔“ (البقرہ: ۲۳۰)

غزوہ تبوک میں جو تین مؤمنین خالصین بلا عذر شریک نہ ہوئے تھے، ان کی توبہ بھی جس مرحلے  
کے بعد قبول کی گئی، اس کا ذکر قرآن میں ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے:

﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ  
وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا  
إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ (التوبة: ۱۱۸)

”اور اللہ نے ان تین افراد کی توبہ بھی قبول کی جنہیں پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب ان  
پر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہو گئی اور ان کی جان پر بن آئی اور انہوں نے یہ ظن قائم کر لیا  
کہ اللہ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں۔ پھر اللہ نے ان پر رجوع کیا تا کہ وہ توبہ کریں۔ بیشک اللہ توبہ  
قبول کرنے والا رحیم ہے۔“

لیجئے جناب! کتنی صاف بات ہے کہ جب ان پیچھے رہ جانے والوں نے حالات کی سختی کا مزا چکھ لیا  
اور یہ ”ظن“ قائم کر لیا کہ اللہ کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں تو اللہ نے ان کی توجہ قبول کر لی۔ یعنی انہیں اللہ کی  
رحمت و مغفرت ان کے اسی ظن کے نتیجہ میں حاصل ہوئی۔

یہ تو یہ؛ اسلام نے اسلامی عدالت کے تمام فیصلوں کی بنیاد صرف دو عادل گواہوں پر رکھی ہے، اس  
سے صرف زنا کا کیس مستثنیٰ ہے۔ لیکن ان دو عادل گواہوں کی عدالت و ثقاہت کس درجہ کی ہوگی، اس کا  
اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر وہ نماز کے بعد اللہ کی قسم اور اپنے اخلاص کا واسطہ دے کر گواہی دے  
رہے ہوں، تب بھی قرآن نے ان کے بارے میں اس احتمال کو قبول کیا ہے کہ وہ جان بوجھ کر غلط بیانی  
سے کام لے سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو سورہ مائدہ: ۱۰۶ تا ۱۰۸

بلکہ گواہی کے سلسلے میں مزید ایک قانونی شق یہ رکھی ہے کہ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں  
کی گواہی کافی ہوگی (البقرہ: ۲۸۳)..... اور خود ہی یہ بھی بتلا دیا ہے کہ عورتوں کی تعداد ایک کے بجائے دو  
اس لئے رکھی جا رہی ہے کہ ﴿أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى﴾ (البقرہ: ۲۸۲)  
”اگر ایک عورت معاملہ کو بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔“ یعنی ایسی گواہی بھی قبول کی جائے گی  
جو خود گواہی دینے والے کو یاد نہیں ہے۔ بلکہ گواہی دینے والا انسان دوسرے کی یاد دہانی کی بنیاد پر گواہی  
دے رہا ہے۔

کہتے جناب عالی! اس قسم کی گواہی 'یقیناً' کے کس درجہ سے تعلق رکھتی ہے؟ اور یہ ڈھیل تو رہی نظام عدالت کے سلسلے میں، باقی رہیں خبریں تو ان کے سلسلے میں اس سے بھی زیادہ وسعت اور گنجائش رکھی گئی ہے۔ حکم دیا گیا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ (الحجرات: ۶) "اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق آدمی کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لو..... الخ"، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی صاحب تقویٰ اور صالح آدمی خبر لائے تو تحقیق بھی کرنے کی ضرورت نہیں۔

جناب محترم! جب قرآن میں نہ صرف ظن کی تعریف کی گئی ہو بلکہ اس پر دین کے بعض احکامات کا دارومدار رکھا گیا ہو، اسی پر پورے نظام عدالت کی بنیاد رکھی گئی ہو، اسی ظن کی بنیاد پر فیصلہ کن رائے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہو، اسی ظن کے تحت توبہ و استغفار کرنے والوں کی بخشش کی گئی ہو حتیٰ کہ اسے آخرت میں نجات کا سبب قرار دیا گیا ہو تو آپ کو یہ بات کہاں تک زیب دیتی ہے کہ آپ احادیث پر 'ظنی' ہونے کی چھٹی چست کریں۔ آپ دوسروں کو تفقہ فی الدین اور تدبر فی القرآن سے محروم قرار دیتے ہیں، دراصل

حالے کہ اس محرومی کے شکار درحقیقت آپ خود ہیں۔ محترم کہنا پڑتا ہے کہ ایاز قدر خود بشناسنا شاید آپ اس موقع پر لغت کھول کر بیٹھ جائیں اور چیخنا چلانا شروع کر دیں کہ دیکھو یہ شخص 'ظن' کے مختلف معانی کو ایک دوسرے کے ساتھ گڈ کر رہا ہے۔ اس لئے میں آپ کی اس چیخ پکار سے پہلے ہی یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ کارخیز میں نہیں، آپ انجام دے رہے ہیں۔ آخر اس سے بڑھ کر دھاندلی اور زبردستی کیا ہو سکتی ہے کہ آپ قرآن کی ان تمام آیات اور اسلام کے اس سارے نظام کو پس پشت ڈال دیں جن میں 'ظن' کو دین اسلام کا جزو لاینفک قرار دیا گیا ہے اور قرآن کی دو تین آیتوں کو پیش کر کے لفظ 'ظن' کے مفہوم کو غلط رنگ دیتے ہوئے یہ فیصلہ ٹھونک دیں کہ 'ظن' کے لئے دین میں کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے ذخیرہ احادیث جو یکسر ظنی اور غیر یقینی ہے، اس کا دین میں کوئی مقام نہیں۔ بتائیے! ہم نے جو آیات پیش کی ہیں، ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کے اس فیصلے پر اس کے سوا کیا کہا جائے کہ۔

درجہل مرکب ابدالہر بماند

آں کس کہ نداند و بدانند کہ بدانند

## دین کے مکمل ہونے کا مطلب

حدیث کے بے حیثیت اور بے مقام ہونے کے سلسلے میں آپ کی دوسری دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ دین عملاً محمد رسول اللہ والذین معہ کے ذریعہ مکمل ہو چکا ہے۔ اور قولاً لوح قرآن میں محفوظ ہو گیا ہے۔

غالباً آپ کے اس فنکارانہ استدلال کا منشا یہ ہے کہ اگر آپ سے یہ سوال کر دیا جائے کہ محمد رسول اللہ والذین معہ کے ذریعہ عملاً جو دین مکمل ہو چکا ہے، اس کی تفصیلات کہاں دستیاب ہوں گی

تو آپ جھٹ کہہ دیں گے کہ قرآن میں - ممکن ہے آپ نہ کہیں لیکن آپ کے دوسرے ہم خیال حضرات یہی کہتے ہیں۔ اس لئے میں آپ کی توجہ اپنے ان سوالات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو اسی مضمون کے شروع میں درج ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ

- قرآن میں جن جانوروں کو حرام اور جن کو حلال قرار دیا گیا ہے، انکے علاوہ بقیہ جانور حلال ہیں یا حرام؟
- نماز کے متعلق قرآن میں جو چند چیزیں مذکور ہیں، ان کے علاوہ نماز کے بقیہ حصوں کی ترکیب کیا ہے؟
- زکوٰۃ کم از کم کتنے مال پر فرض ہے؟ کتنے فیصد فرض ہے؟ اور کب کب فرض ہے؟
- مالِ غنیمت کی تقسیم مجاہدین پر کس تناسب سے کی جائے؟
- چور کے دونوں ہاتھ کاٹے جائیں یا ایک؟
- جمعہ کی نماز کے لئے کب اور کن الفاظ میں پکارا جائے؟ اور وہ نماز کیسے پڑھی جائے؟

ان سوالات کو ایک بار غور سے پڑھ لیجئے اور بتائیے کہ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ والذین معہ کا عمل کیا تھا؟ اور اس عمل کی تفصیلات کہاں سے ملیں گی؟ اگر قرآن میں ملیں گی تو کس سورہ، کس پارے، کس رکوع اور کن آیات میں؟ اور اگر قرآن میں یہ تفصیلات نہیں ہیں۔ اور یقیناً نہیں ہیں تو قرآن کے بعد وہ کون سی کتابیں ہیں جو آپ کے معیار پر صحیح ہیں اور ان میں یہ تفصیلات بھی درج ہیں؟

قرآن تو بڑے زور شور سے کہتا ہے کہ جو اللہ سے اُمید رکھتا ہے اور آخرت میں کامیاب ہونا چاہتا ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے نمونے پر چلے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾ (الاحزاب: ۲۱) اور یہاں یہ حال ہے کہ جو مسائل پیش آتے ہیں، ان میں رسول اللہ ﷺ کا اُسوہ ملتا ہی نہیں۔ اور اگر کہیں ملتا بھی ہے تو آپ اسے 'ایرانی سازش' کے تحت گھڑا گھڑا افسانہ قرار دیتے ہیں جن پر تقدس کا خول چڑھا کر لوگوں کو بیوقوف بنا لیا گیا ہے، ورنہ دین میں ان کی کوئی حیثیت اور کوئی مقام نہیں۔ اب آپ ہی بتائیے کہ اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی چاہنے والے بے چارے کریں تو کیا کریں؟ ۴ خداوند! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں.....؟

اس سلسلے میں سوالات اس کثرت سے ہیں کہ انہیں درج کرتے ہوئے آپ کے مولولِ خاطر کا اندیشہ ہے، اس لئے اتنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

اند کے باتو بگفتم و بدل ترسیدم کہ آرزوہ دل نہ شوی ورنہ سخن بسیار است

میری ان گذارشات سے یہ حقیقت دو ٹوک طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ساری دشواریاں اور پیچیدگیاں اس لئے پیش آرہی ہیں کہ سورہ مائدہ کی آیت ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ ..... الخ﴾ اور سورہ بروج کی آیت ﴿بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ..... الخ﴾ کا مفہوم سمجھنے میں آپ کے تدبر فی



القرآن اور تفرقة في الدين کا طائر پندار حقائق کی دنیا سے بہت دور پرواز کر گیا ہے۔

## روایت بالمعنی

اب آئیے! آپ کے چند اور فرموداتِ عالیہ پر گفتگو ہو جائے، آپ نے حدیثوں کی بابت لکھا ہے کہ ”یہ سب کی سب یکسر ظنی، غیر یقینی اور روایت بالمعنی ہیں۔“ یہ معلوم ہی ہے کہ ”غیر یقینی“ کا لفظ ”ظنی“ کی تفسیر ہے اور ظن کے سلسلے میں اپنی گزارشات پیش کر چکا ہوں۔ رہا ”روایت بالمعنی“ کا معاملہ تو سن لیجئے کہ روایت بالمعنی اگر کوئی جرم ہے تو اس جرم کا سب سے بڑا مجرم (نعوذ باللہ) خود قرآن ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا مکالمہ، ہود اور ان کی قوم کا مکالمہ، صالح اور قومِ ثمود کا مکالمہ، ابراہیم اور لوط علیہما السلام اور ان کی قوم کا مکالمہ، حضرت شعیب اور اہل مدین و اصحاب الایکھام کا مکالمہ، حضرت موسیٰ کا فرعون سے، بلکہ جادو گروں سے اور بنی اسرائیل سے مکالمہ، اور حضرت عیسیٰ کے مواعظ و مکالمے، کیا یہ سب انہی الفاظ اور عبارتوں میں تھے، جن الفاظ اور عبارتوں کے ساتھ قرآن میں درج ہیں؟ کیا آپ اس تاریخی حقیقت کا انکار کر سکتے ہیں کہ ان پیغمبروں اور ان کی قوموں کی زبان عربی نہیں تھی.....!!؟

قرآن میں ایک ہی بات کہیں کچھ الفاظ و عبارت میں ادا کی گئی ہے تو کہیں دوسرے الفاظ و عبارت میں۔ کہیں مختصر ہے کہیں مطول، بلکہ کہیں ایک جز مذکور ہے تو کہیں دوسرا جز۔ پس اگر ایک بات کے بیان کرنے میں الفاظ و عبارت، اجمال و تفصیل اور اجزاء گفتگو کے ذکر و عدم ذکر کا اختلاف اور روایت بالمعنی کوئی عیب ہے تو سب سے پہلے قرآن مجید کو اس عیب سے (نعوذ باللہ) پاک کیجئے۔ اور اگر نہیں تو پھر حدیث کے روایت بالمعنی ہونے پر آپ کو اعتراض کیا ہے؟ آخر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ قرآن تو روایت بالمعنی سے بھرا ہوا ہے، پھر بھی یقینی کا یقینی اور احادیث کے متعلق جو ہی آپ کے کان میں یہ آواز پہنچے کہ اس میں کچھ احادیث روایت بالمعنی بھی ہیں، بس آپ شور مچانے لگیں کہ ہٹاؤ ان احادیث کو، یہ روایت بالمعنی کی گئی ہیں۔ ان کا کیا اعتبار، اور دین سے ان کا کیا تعلق.....؟

## ایرانی سازش کا بدبودار افسانہ

قرآنی آیات کو آپ نے اپنی مزعومہ خرافات کے گرد طواف کرنے کے بعد اس بڑے بول کا اظہار کیا جسے منکرین حدیث کے گرگانِ باران دیدہ اپنے سردو گرم چشیدہ یہودی صلیبی مستشرق اساتذہ کی تقلید میں بولتے آئے ہیں اور جس کے متعلق ہر صاحب بصیرت بے کھٹک کہہ سکتا ہے کہ ﴿كَذَّبَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنَّ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا﴾ (الکہف: ۵) ”بڑا بول ہے جو ان کے منہ سے نکل رہا ہے، وہ سر پاجھوٹ بک رہے ہیں۔“ ان کے اس بول کا خلاصہ یہ ہے کہ احادیث کا ذخیرہ درحقیقت

ایرانیوں کی سازش اور قصہ گو یوں، واعظوں اور داستان سراؤں کی من گھڑت حکایات کا مجموعہ ہے۔ آپ کے اس دعویٰ کا پردہ فاش کرنے سے پہلے میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ اس عجمی سازش اور داستان سراؤں کی گھڑنت کا پتہ آپ نے کس طرح لگایا؟ آپ کے ذرائع معلومات کیا ہیں؟ اور آپ کے پاس اس پر شور و دعویٰ کی کیا دلیل ہے؟ کیونکہ دعویٰ بلا دلیل قبول خرد نہیں!

آپ لوگوں پر حیرت ہوتی ہے کہ دعویٰ تو کرتے ہیں اس قدر زور و شور سے، اور ایسے اونچے آہنگ کے ساتھ اور دلیل کے نام پر ایک حرف نہیں۔ کیا اسی کا نام تدبر فی القرآن ہے؟ اور اسی کو تفقہ فی الدین کہتے ہیں.....؟

آپ فرماتے ہیں کہ ”وفات نبوی کے سینکڑوں برس بعد بعض ایرانیوں نے ادھر ادھر کی سنی سنائی اٹکل پچو باتوں کو جمع کر کے انہیں صحیح حدیث کا نام دے دیا۔“ ملخصاً

میں کہتا ہوں کہ آئیے، سب سے پہلے یہی دیکھ لیں کہ ان مجموعہ ہائے احادیث کو جمع کرنے والے ایرانی ہیں بھی یا نہیں؟ سن وار ترتیب کے لحاظ سے دور اول کے رواقہ حدیث میں سرفہرست ابن شہاب زہری، سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر اور عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کے نام نامی آتے ہیں۔ یہ سب کے سب، سب سے معزز عربی خاندان قریش سے تعلق رکھتے ہیں اور آخر الذکر تو اسلامی تاریخ کے پانچویں خلیفہ راشد کی حیثیت سے معلوم و معروف ہیں۔

اسی طرح دور اول کے مدونین حدیث میں سرفہرست امام مالک ہیں۔ پھر امام شافعی اور ان کے بعد امام احمد بن حنبل، ان تینوں ائمہ کے مجموعہ ہائے احادیث پوری اُمت میں متداول اور مقبول ہیں۔ یہ تینوں خالص عربی النسل ہیں۔ امام مالک قبیلہ ذی اصح سے، امام شافعی قریش کی سب سے معزز شاخ بنو ہاشم سے، اور امام احمد قبیلہ شیبان سے۔

یہ بنو شیبان وہی ہیں جن کی شمشیر خارا شکاف نے خورشید اسلام کے طلوع ہونے سے پہلے ہی خسرو پرویز کی ایرانی فوج کو ذی فار کی جنگ میں عبرتناک شکست دی تھی۔ اور جنہوں نے حضرت ابو بکرؓ کے دور میں ایرانی سازش کے تحت برپا کئے گئے ہنگامہ ارتداد کے دوران نہ صرف ثابت قدمی کا ثبوت دیا تھا بلکہ مشرقی عرب سے اس فتنے کو کچلنے میں فیصلہ کن رول ادا کر کے عربی اسلامی خلافت کو نمایاں استحکام عطا کیا تھا۔ اور پھر جس کے شہپر و شہباز نشی بن حارثہ شیبانی کی شمشیر خارا شکاف نے کاروان حجاز کے لئے فتح ایران کا دروازہ کھول دیا تھا۔

آخر آپ بتلا سکتے ہیں کہ یہ کیسی ایرانی سازش تھی جس کی باگ دوڑ عربوں کے ہاتھ میں تھی؟ جس کا

سرپرست عربی خلیفہ تھا اور جس کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے ایسی ایسی نمایاں ترین عربی شخصیتوں نے اپنی زندگیاں کھپا دیں۔ جن میں سے بعض بعض افراد کے قبیلوں کی ایران دشمنی چار داگ عالم میں معروف تھی؟ کیا کوئی انسان جس کا دماغی توازن صحیح ہو، ایک لمحہ کے لئے بھی ایسے بدبودار افسانہ کو ماننے کے لئے تیار ہو سکتا ہے؟

دورِ اول کے بعد آئیے دورِ ثانی کے جامعینِ حدیث پر نگاہ ڈالیں۔ ان میں سرفہرست امام بخاری ہیں جن کا مسکن بخارا تھا۔ بخارا ایران میں نہیں بلکہ ماوراء النہر (ترکستان) میں واقع ہے۔ دوسرے اور تیسرے بزرگ امام مسلم اور امام نسائی ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تعلق نیشاپور کے علاقے سے تھا اور نیشاپور ایران کا نہیں بلکہ خراسان کا جز تھا۔ اگر اس پر ایران کا اقتدار بھی ہے تو اجنبی اقتدار کی حیثیت سے۔ چوتھے اور پانچویں بزرگ امام ابو داؤد اور امام ترمذی تھے۔ اول الذکر کا تعلق بھجتان (خراسان) سے، ثانی الذکر کا تعلق ترمذ (ماوراء النہر، ترکستان) سے رہا ہے۔ چھٹے بزرگ کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک طبقہ ابن ماجہ کی سنن کو صحاح ستہ میں شمار کر کے انہیں استناد کا یہ مقام دیتا ہے، دوسرا طبقہ سنن دارمی یا مؤطا امام مالک کو صحاح ستہ میں شمار کرتا ہے۔ امام ابن ماجہ یقیناً ایرانی ہیں لیکن ان کی تصنیف سب سے نیچے درجے کی ہیں۔ حتیٰ کہ اکثر محدثین اسے لائق استناد ماننے کو تیار نہیں۔ آخر الذکر دونوں حضرات عربی ہیں۔ امام مسلم، ترمذی، ابو داؤد اور نسائی بھی عربی ہیں۔

## کیا محدثین عجمی تھے؟

یہ حقیقت اچھی طرح یاد رہے کہ جن محدثین نے احادیث کو کتابی شکل میں جمع کیا ہے، ان سب کو یا ان کی اکثریت کو عجمی قرار دینا محض فریب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج حدیث کی جو کتابیں اُمت میں رائج، مقبول اور متداول ہیں، چند ایک کے سوا، سب کے مصنفین [مؤلفین] عرب تھے۔ ہم ذیل میں اس طرح کے عرب محدثین کی فہرست دے رہے ہیں تاکہ واقعی حقیقت دو ٹوک طور پر واضح گف ہو جائے:

### قبیلہ

### عرب محدثین

۱۔ امام مالکؒ	۱۷۹ھ	ذی اصح
۲۔ امام شافعیؒ	۲۰۴ھ	قریش
۳۔ امام حمیدیؒ	۲۱۹ھ	قریش
۴۔ امام آلحق بن راہویہؒ	۲۳۸ھ	بنو تمیم
۵۔ امام احمد بن حنبلؒ	۲۴۱ھ	بنو شیبان

بنو تمیم	۲۵۵ھ	۶۔ امام دارمیؒ
بنو قشیر	۲۶۱ھ	۷۔ امام مسلمؒ
بنو آزد	۲۷۵ھ	۸۔ امام ابو داؤدؒ
بنو سلیم	۲۷۹ھ	۹۔ امام ترمذیؒ
بنو تمیم	۲۸۲ھ	۱۰۔ حارث بن ابی اسامہؒ
بنو آزد	۲۹۲ھ	۱۱۔ امام ابوبکر بزازؒ
.....	۳۰۳ھ	۱۲۔ امام نسائیؒ
بنو تمیم	۳۰۷ھ	۱۳۔ امام ابویعلیٰؒ
بنو آزد	۳۳۱ھ	۱۴۔ امام ابو جعفر طحاویؒ
بنو تمیم	۳۵۴ھ	۱۵۔ امام ابن حبانؒ
لحم	۳۶۰ھ	۱۶۔ امام طبرانیؒ
.....	۳۸۵ھ	۱۷۔ امام دارقطنیؒ
بنو ضہ	۴۰۵ھ	۱۸۔ امام حاکمؒ

**عجمی محدثین**

۱۔ امام ابن ابی شیبہؒ	۲۳۵ھ
۲۔ امام بخاریؒ	۲۵۶ھ
۳۔ امام ابن ماجہؒ	۲۷۳ھ
۴۔ امام ابن خزیمہؒ	۳۱۱ھ

اس فہرست سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جن محدثین کی کتابیں رائج اور مقبول ہیں ان میں ۱۸ عرب اور صرف ۴ عجمی ہیں۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی رفیق دارالمصنفین، اعظم گڑھ نے پہلی صدی ہجری میں پیدا ہونے والے محدثین سے لے کر آٹھویں صدی کے آخر تک وفات پانے والے مشہور اور صاحب تصنیف محدثین کا تفصیلی ذکر تذکرۃ الحدیث نامی کتاب کی دو جلدوں میں کیا ہے۔ ان محدثین کی کل تعداد ستر ہوتی ہے۔ جن میں سے صرف ۱۲ محدثین کے متعلق یہ صراحت ملتی ہے کہ وہ عجمی تھے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حدیث کو عجمی یا ایرانی سازش قرار دینے میں کتنا وزن ہے اور یہ نعرہ کس قدر پر فریب ہے۔

اسی کے ساتھ اگر یہ بات بھی مد نظر رہے کہ کتب احادیث کے لکھنے والوں میں پیشرو اور سر فہرست عرب محدثین ہیں۔ عجمی محدثین ان کے بعد ہیں۔ پھر ان عجمی محدثین نے اپنی کتابوں میں جو حدیثیں جمع کی ہیں، وہ وہی حدیثیں ہیں جنہیں ان کے پیشرو اور ہم عصر عربوں نے اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے تو مذکورہ بالا حقیقت مزید اچھی طرح بے نقاب ہو جاتی ہے۔

اب آپ بتائیے کہ آخر عربوں کے خلاف یہ کیسی سازش تھی جس کے دور اول کے تمام بڑے بڑے لیڈر عربی تھے اور عربوں کے بعد ترکستانی اور خراسانی تھے جو نسلاً عربی تھے۔ اور اگر عربی نہ بھی تسلیم

کریں تو پھر ایرانیوں سے کدور قابت رکھتے تھے اور انہوں نے سازش کا سارا مواد اپنے پیشو عرب لیڈروں سے حاصل کیا تھا۔ اگر بد قسمتی سے اس دور کے سازشی ٹولے میں ایک آدھ ایرانی نے شریک ہو کر ان کی کفش برداری اور خوشہ چینی کی بھی تو اس کو کوئی حیثیت حاصل نہ ہو سکی۔ یا تو اس کی تصنیف کو درجہ استناد ہی نہیں دیا گیا۔ یا دیا بھی گیا تو سب سے نچلے درجہ کا.....؟

یہ بھی بتلا دیجئے کہ آخر یہ کیسی 'ایرانی سازش' تھی کہ سازشی ٹولے اور ان کے سیاسی آقاؤں کے درمیان برا بھلا رہتی تھی؟ کسی کو شہر بدر کیا جا رہا ہے، کسی پر شہر کے دروازے بند کئے جا رہے ہیں، کسی کو حوالہ زنداں کیا جا رہا ہے، کسی پر کوڑے برس رہے ہیں، کسی کی زخمی پیٹھ پر زہریلے پھائے لگائے جا رہے ہیں، کسی پاؤں میں بیڑیاں پہنائی جا رہی ہیں، کسی کے کندھے اکھڑا کر گدھے پر بٹھایا جا رہا ہے اور شہر میں گشت کرایا جا رہا ہے اور کسی کے ساتھ کچھ اور ہو رہا ہے!!

پھر سازشی ٹولہ بھی کیسا ہے کہ اپنے آقاؤں سے ذرا دبتا نہیں؟ ان کے مقابل میں اکڑا ہوا ہے۔ ان کے بچوں کے لئے سیشل کلاس لگانے پر آمادہ نہیں۔ عام درس میں نمایاں اور مخصوص جگہ دینے کو تیار نہیں۔ ان کے ہدایا اور تحائف کو پوری بے نیازی کے ساتھ ٹھکرا دیتا ہے اور ان کے دربار میں بھول کر بھی حاضر نہیں ہوتا۔ اگر کبھی حاضری کے لئے مجبور بھی کیا جاتا ہے تو وہ کھری کھری سناتا ہے کہ بلائیں ٹوٹ پڑتی ہیں۔ کیا یہی 'لچھن' ہوتے ہیں سازشیوں کے.....؟

آخر یہ کیسا نادان سازشی ٹولہ تھا کہ جن سیاسی مصالح کے حصول کے لئے اس نے اتنی خطرناک سازش رچائی تھی، انہی سیاسی مصالح کے خلاف برسرِ پیکار رہا اور اس رستے میں جو جو مصیبتیں جھیلنی پڑیں نہایت ہی استقلال کے ساتھ جھیلتا رہا۔

اس 'ایرانی سازش' کا ایک اور پہلو بھی خاصا دلچسپ ہے۔ اس سازشی ٹولے کی جمع کی ہوئی کتب احادیث میں ایسی احادیث بھی ہیں جن میں قبیلوں، قوموں اور ملکوں کے فضائل و مناقب یا خرابیاں اور کمزوریاں بھی بیان کی گئیں ہیں۔ اس قسم کی احادیث میں حجاز کو 'دین کی پناہ گاہ' کہا گیا ہے۔ (بخاری و مسلم وغیرہ)۔ بین کو 'ایمان و حکمت کا مرکز' قرار دیا گیا ہے (ایضاً)..... شام کو اسلام کی چوٹی کی شخصیتوں کا مرکز، اللہ کی منتخب کی ہوئی زمین اور اسلام کا مستحکم قلعہ کہا گیا ہے اور اس کے لئے دعائیں کی گئی ہیں۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، مسند احمد)

آپ کو معلوم ہے کہ مشرق کو عموماً اور ایرانیوں کے مرکز اقتدار (عراق) کو خصوصاً، احادیث میں کیا مقام عطا ہوا ہے؟ اسے فتنہ و فساد کا مرکز اور اُجڈوں اور اکھڑوں کا مسکن قرار دیا گیا ہے۔ اس پر قدرتی

آفات اور تباہیوں کی آمد کی پیشین گوئی کی گئی ہے اور اسے ابلیس کی قطعائے حاجت کا مقام بتلایا گیا ہے۔ (بخاری، طبرانی وغیرہ)۔ اگر ایک آدھ حدیث میں اہل ایران سے متعلق کوئی فضیلت آ بھی گئی ہے تو صرف چند افراد کے لئے رجال من ہولاء

بتائیے! آخر یہ کیسے بڑھو، قسم کے 'سازشی' لوگ تھے کہ سارے فضائل و کمالات تو عطا کر دیے اپنے عرب دشمنوں کو؟ اور ساری پستی اور خرابی منتخب کر لی، اپنے لئے اور اپنے آقاؤں کے لئے؟ کیا سازش اسی طرح کی جاتی ہے؟ اور کیا ایسی ہی اُلٹی سیدھی تدبیروں سے سیاسی بالادستی حاصل ہوتی ہے؟

بریں عقل و دانش بیا بد گریست

آئیے آپ کو ایک اور حقیقت کی طرف متوجہ کروں۔ جسے مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم، گوجرانوالہ نے لکھا ہے، لکھتے ہیں:

”پھر آپ نے کبھی اس پر بھی غور فرمایا کہ اسلامی حکومت سر زمین حجاز سے شروع ہو کر اقطار عالم تک لاکھوں مربع میل زمین پر پھیلی ہوئی تھی۔ آپ یہ سوچیں آپ کو صلح سے کوئی ملک ملا۔ خود سر زمین حجاز میں قدم قدم پر لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ مکہ پر فوج کشی کی ضرورت ہوئی۔ نجد لڑائی سے ملا۔ شام، عراق، حبش، یمن کے بعض علاقوں پر لڑنا پڑا۔ سمندر کے ساحلی علاقوں پر جنگیں ہوئیں۔ آنحضرت ﷺ کو اپنی زندگی میں کم و بیش بیسی جنگیں لڑنا پڑیں۔ پھر یہ جنگوں کا سلسلہ خلیفہ ثالث کی حکومت کے درمیانی ایام تک جاری رہا۔ پھر خلیفہ ثالث کے آخری دور سے شروع ہو کر حضرت علیؓ کا پورا زمانہ قریب قریب باہمی آویزش کی نذر رہا۔ ۴۱ھ کے بعد جوں ہی ملک میں امن قائم ہوا، خلفائے بنی امیہ نے شخصی کمزوریوں کے باوجود جہاد فی سبیل اللہ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ہندوستان، اندلس، بربر، الجزائر، تمام علاقے جنگ ہی سے اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے۔

پھر آپ کے قلم اور دماغ نے سازش کا نزلہ صرف 'فارس' پر کیوں گرایا؟ محض ملک گیری اور فتوحات کی بنا پر بغاوتیں، سازشیں تصنیف کی جاسکتی ہیں تو حجازی سازش، ہندوستانی سازش، بربری اور اندلسی سازش کیوں نہیں بنائی گئی؟ کیا شام کے یہودی معصوم، عراق اور روم کے مشرک اور عیسائی فارسیوں سے زیادہ پاک باز تھے؟ ان کی حکومتیں مسلمانوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ نہیں اتریں؟ مصر میں اسلامی فتوحات سے قبضی اور مصری قوموں کا وقار پامال نہیں ہوا۔ پھر آپ مصری سازش کے متعلق کیوں نہیں سوچتے؟

اگر عقل کا دیوالیہ نہیں دے دیا گیا تو اپنی فتوحات کی پوری تاریخ پر غور فرمائیے۔ چین کے سوا شاید ہی کوئی ملک ہے جہاں مسلمانوں کے خون نے زمین کو لالہ زار نہ کیا ہو۔ مغربی سمندر کے سوال پر آپ کی فوجیں برسوں لنگر انداز رہیں۔ ان لوگوں پر آپ کو سازش کا شبہ کیوں نہیں؟ آپ اُلٹا خود ہی ان کی سازش کا شکار ہو گئے.....!!

غزالی، ابن کرم، ابن عربی، ابن العربی، شاطبی، ابن حزم، یحییٰ بن یحییٰ مسمودی وغیرہم، قرطبہ اور اندلس کے علما کو سازشی نہیں کہا جاتا۔ اگر خراسان، بخارا، قزوین، ترمذ، نساء کے علما پر حدیث سازی کی تہمت اس لئے لگائی گئی ہے کہ ان بزرگوں نے سنت کے پرانے تذکروں، صحابہ اور تابعین کی بیاضوں اور سلف اُمت کے مسودات سے تدوین حدیث کے لئے راہیں ہموار کیں تو علمائے اندلس نے بھی سنت کی کچھ کم خدمت نہیں کی کہ شروح حدیث، فقہ الحدیث اور علوم سنت کی خدمت میں ان بزرگوں نے لاکھوں صفحات لکھ ڈالے۔ ان خدمات کو کیوں سازش نہیں کہا گیا۔ منکرین سنت کے پورے خاندان میں کوئی عقلمند نہیں جو ان حقائق پر سنجیدگی سے غور کرے، کیا علوم دینی اور فنون نبوت کی ساری داستان میں آپ کو صرف علمائے فارس ہی مجرم نظر آئے!!

من كان هذا القدر مبلغ علمه فليستتر بالصمت والكتمان“

(حدیث کی تشریحی اہمیت از مولانا محمد اسماعیل سلمیٰ: ص ۶۹ تا ۷۱)

آئیے اس ایرانی سازش کے متعلق مولانا موصوف کے بعض اور تبصرے ملاحظہ فرماتے چلئے۔ مولانا موصوف لکھتے ہیں:

”آج سے تقریباً ایک صدی پہلے حکومت نہ انتخابی تھی؛ نہ جمہوری نمائندگی کی سند ان کو حاصل تھی۔ نہ وہ حکومتیں عوام کے سامنے جواب دہ ہوتی تھیں بلکہ اس وقت کی حکومتیں شخصی ہوتی تھیں یا زیادہ سے زیادہ کوئی قوم حاکم ہو جاتی، باقی لوگ محکوم ہوتے تھے۔ اقتدار میں عوام کی جو بدی قطعاً ملحوظ نہیں رکھی جاتی تھی۔ نہ حکومت کسی آئین کی پابند ہوتی تھی۔ بادشاہ کی رائے اور بادشاہ کا قلم پورا آئین ہوتا تھا۔ یا وہ لوگ جو بادشاہ کی ہاں میں ہاں ملا کر حکومت کے منظور نظر ہو جاتے۔ ایسی حکومتوں کے ساتھ ہمدردی ذاتی ضرورتوں کی وجہ سے ہوتی تھی۔ یا بادشاہ کے ذاتی اخلاق اور کریکٹری کی وجہ سے۔ اگر کوئی انقلاب ہو جائے تو انقلاب سے ملک متاثر تو ہوتا تھا لیکن اس کی وجہ بادشاہ یا اس کے خاندان کے ساتھ ہمدردی نہیں ہوتی تھی، بلکہ یہ تاثر آنے جانے والی حکومتوں کے مقاصد کی وجہ سے ہوتا۔

فارسی حکومت شخصی تھی۔ یزدگرد کی موت پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔ یزدگرد کا خاندان یقیناً اس انقلاب میں پامال ہوا ہوگا۔ لیکن تاریخ اس وقت کسی ایسی سازش کا پتہ نہیں دیتی جو اس خاندان کے ساتھ ہمدردی کے طور پر کی گئی ہو۔ نوشیرواں کے بعد ویسے بھی کسریٰ کی حکومت رو بہ انحطاط تھی، ان کے کردار میں عدل و انصاف کے بجائے استبداد روز بروز بڑھ رہا تھا۔ عوام کو حکومت کے ساتھ کوئی دلچسپی اور محبت نہیں تھی۔ پھر سازش کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

مذہباً فارسی حکومت آتش پرست تھی۔ اسلام نے توحید کے عقیدہ کی سادگی سے یہودیت اور عیسائیت تک کو متاثر کیا۔ بت پرستی ان کے سامنے نہ ٹھہر سکی، آتش پرستی کی وہاں کیا مجال تھی۔ اسلام کی تعلیمات اس مسئلہ میں نہایت مدلل اور واضح تھیں، ان میں کوئی چیز ڈھکی چھپی نہ تھی۔

اسلام کا موقف عقیدہ توحید کے معاملے میں کھلی کتاب تھا۔ وہ دوسروں کے شبہات اور اعتراضات بڑی کشادہ دلی سے سنتا تھا۔ مخالفین کے شبہات کی تردید اور اصلاح میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا تھا۔ نہ ہی اپنے نظریہ کو کسی پر جبراً ٹھونستا تھا، پھر اس کے خلاف کیوں سازش کی جائے..... کون کرے؟ اور کس طرح کرے؟

فارسی حکومت کا چراغ خلیفہ ثانی کی حکومت میں گل ہوا۔ بزدگرد کو خود اس کی رعایا نے قتل کیا اور اس کے خاتمہ میں مسلم عساکر کی مدد کی۔ پھر سازش کی ضرورت کیسے ہوئی؟ فارس کی فتح کے بعد ہزاروں فارسی اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ جزیہ دیتے رہے، انہیں کسی نے بھی کچھ نہیں کہا۔ ان کے معبد (آتش کدے) مدتوں قائم رہے۔ جو لوگ ان سے اسلام کی طرف راغب ہوئے انہیں اسلام نے پوری ہمدردی کے ساتھ اپنی آغوش میں عزت کی جگہ دی۔

جہاں مذہب یوں آزاد ہو اور سیاست اس طرح بے اثر، ملک کے عوام مسلمانوں کی فتوحات پر خوشیاں مناتے ہوں، جب وہ جنگی مصالحوں کی بنا پر کسی مقام سے پیچھے ہٹنا پسند کریں تو اس علاقہ میں صف ماتم بچھ جائے۔ تعجب ہوتا ہے کہ ادارہ طلوع اسلام اور جناب اسلم جیراچپوری نے سازش کے جرائم کو کون سی عینک سے دیکھ لیا!!

تاریخ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی عدل گستری اور انصاف پسندی کی وجہ سے فارسی بالکل مطمئن ہو گئے تھے۔ فاتحین کی علم دوستی کے اثرات سے فارس کے تمام ذہین لوگ سیاست چھوڑ کر فوراً علم کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس راہ میں انہوں نے آخرت کی سر بلندیوں کے علاوہ علمی دنیا میں بہت بڑا نام پیدا کیا، اور حکومت کے خلاف سازش کا ان کی زبان پر کبھی نام تک نہیں آیا۔ یہ سازش کا پورا کیس مولانا جیراچپوری کے کا شانہ اور ادارہ طلوع اسلام کے دفتر میں تیار ہوا ہے۔ واقعات کی روشنی میں اسے ثابت کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

سازش کی یہ عجیب قسم ہے کہ سازشیوں نے فاتحین کا مذہب قبول کیا۔ پھر ان کے علوم کی اس قدر خدمت کی کہ فاتحین اپنے علوم کی حفاظت سے بے فکر اور کلی طور پر مطمئن ہو گئے۔ پھر فاتحین نے ان میں سے اکثر علوم اور علما کی سرپرستی کی۔ (مقدمہ ابن خلدون: ۵۸)

معلوم ہے کہ اموی خلفاء کے وقت شاہی درباروں میں جمعیوں کو وہ اقتدار حاصل نہ تھا جو عباسی درباروں میں برآمد کو حاصل ہوا۔ لیکن ان کا دامن دین کی خدمات سے بالکل خالی تھا۔ قرآن و سنت اور دینی علوم تو بڑی بات ہے، برا مکہ سے تو عربی زبان کی بھی کوئی خدمت نہ ہو سکی۔

ہارون الرشید نے امام مالک اور ان کے درس کی سرپرستی کی کوشش کی، لیکن امام مالک نے اسے بے اعتنائی سے مسترد کر دیا، روپیہ دینے کی کوشش کی تو پورے استغنا سے واپس کر دیا۔

سازش کا آخری مقصد ہو سکتا تھا کہ شاہی دربار تک رسائی ہو، مال و دولت اور حکومت میں حصہ ملے، اب دربار خود در دولت پر حاضر ہوتا ہے، اپنی ساری بلندیاں چھوڑ کر پورے انکسار، انتہائی



احترام سے خزانوں کے دروازے کھلتے ہیں۔ تھیلیاں باادب پیش ہوتی ہیں، اور سازشی ہیں کہ نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔

بادشاہِ عرض کرتے ہیں تشریف لے چلئے، آنکھیں فرشِ راہ ہوں گی، فارسی سازش کے سرغنہ یا فنِ حدیث کے سالارِ قافلہ فرماتے ہیں: ”والمدينة خیر لهم لو كانوا یعلمون“ مطلب یہ کہ اس بڑے دربار سے علیحدگی میرے لئے ناممکن ہے۔

پھر سازشیوں کا یہ پورا گروہ مختلف عجمی ممالک سے ہزاروں میل سفر طے کر کے مدینہ منورہ پہنچ کر امام کی خدمت میں تحصیلِ علم کے لئے پیش ہوتا ہے اور کوئی سوچتا نہیں کہ شیخِ عرب ہے، یہ عجمی النسل کہیں پوری سازش کا راز فاش نہ کر دے۔

عرب استاد کے عجمی شاگرد مدتوں استفادہ کرتے ہیں اور انہیں علوم کا درس ہوتا ہے۔ ساتھی ساتھی بوجہ کرتا ہے۔ ایک دوسرے کی کمزوریوں کے کھلے بندوں تذکرے ہوتے ہیں۔ عرب محدثین عجمی علما پر تنقید کرتے ہیں، عجمی اہل عرب کے نقائص کی نشاندہی کرتے ہیں۔ لیکن اس سازش کا سراغ جس کے اختراع کا سہرا ’طلوعِ اسلام‘ کے دفتر پر ہے، نہ کسی عرب کو لگا، نہ کسی عجمی کو۔ نہ استاد نے اسے محسوس کیا نہ شاگرد نے نہ ساتھی نے!!

پھر تعجب یہ ہے کہ فارس کی فتح پہلی صدی کے اوائل میں ہوئی اور اس سازش کا منصوبہ تیسری صدی میں بنایا گیا۔ تقریباً پورے دو سو سال فارسی بے وقوف آرام کی نیند سوتے رہے۔ یعنی جب شکست کا درد اور کوفت تازہ تھی، اس وقت تو فارسیوں کو کوئی احساس نہ ہوا۔ لیکن تین سو سال کے بعد درد کی بے قراریاں انگڑائیاں لینے لگیں اور فارسی سازشیوں نے بخاریِ مسلم اور کتب صحاح کی

صورت اختیار کر لی۔ فیذا للمقول و اربابہا

پھر اتنی بڑی سازش جس نے اسلامی اور تعلیمی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، دنیا کے مسلم اور غیر مسلم مؤرخوں کی آنکھیں بے کار ہو گئیں، قلم ٹوٹ گئے اور زبانیں گنگ؟..... ان کی ضخیم کتابیں اس عظیم الشان سازش کے تذکرے سے یکسر خالی ہیں۔ یہ راز سب سے پہلے یورپ کے لٹریٹرز نے کھلا اور اس کے بعد دفترِ طلوعِ اسلام کے در یوزہ گروہ نے کچھ ہڈیاں مستعار لے لیں۔ ﴿قَوْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ آيَاتُهُمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ﴾

(حدیث کی تشریحی اہمیت: ص ۴۲ تا ۴۹)

ہماری ان گذارشات سے واضح ہو گیا کہ ایرانی سازش کا جو شانہ آپ کے رہنماؤں نے چھوڑا ہے وہ کوئی ’مٹوس حقیقت‘ نہیں بلکہ ایک ’بدبودار افسانہ‘ ہے۔ جس نے اسلام کے دانا دشمن یہودی مستشرق گولڈ زہیر اور اس کے رفقا کی لکھ سے جنم لیا ہے اور حافظِ سلم، مسٹر پرویز اور پاکستان کے کچھ بے علم یا محدود العلم کلرکوں کی گود میں پل کر جوان ہوا ہے۔ اور اب آپ جیسے ’محقق‘ حضرات اسے عام مسلمانوں

کے حلق میں ٹھونسنے کے لئے اپنے 'سرمایہ تحقیقات' کی حیثیت سے اس کی نمائش کرتے پھر رہے ہیں۔  
خیر جناب! 'سازشی ٹولے' نے پہلی صدی میں اپنی 'سازش' کا آغاز کیا اور تیسری صدی کے اخیر تک مکمل کر لیا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ اب ہزار برس بعد یعنی اب سے کوئی اسی برس پہلے آپ حضرات کے ہوش و حواس نے انگڑائی لی اور یہودی و صلیبی مستشرقین کی خرد بین لگا کر آپ حضرات نے یہ انکشاف کیا کہ یہ امت تو اپنے آغاز سے اب تک 'ایرانی سازش' کا شکار ہے۔ یہ انکشاف بڑی دیر سے ہو سکا۔ اب یہ آؤٹ آف ڈیٹ ہو چکا ہے۔ اس کی حیثیت مشابہت بعد از جنگ کی ہے۔ اس لئے اسے شیخ سعدی کے مشورہ کے مطابق آپ اپنے ہی کلمے پر مار لیجئے۔ اتنی دیر کے بعد ایسے فوجداری مقدمات کی تفتیش نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی دانشمند اس موضوع پر سوچنے کی کوشش کر سکتا ہے!!

### روایتوں کے متفرق اور متضاد ہونے کی حقیقت

آپ نے روایتوں کو متفرق اور متضاد دکھا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی غیر مسلم آپ سے یہ سوال کر بیٹھے کہ آپ کا قرآن ابتداءً متفرق تھا یا مجتمع؟ اور اگر مجتمع تھا تو کس لوح پر، وہ لوح کہاں ہے؟ اسے کس نے دیکھا ہے؟ اور اس بات کی شہادت کیا ہے کہ انہوں نے دیکھا ہے؟ پھر یہ شاہدین قابل اعتبار تھے بھی یا نہیں؟ انہوں نے اپنی شہادت کن کن لوگوں کے سامنے ادا کی؟ پھر ان لوگوں کی حیثیت کیا تھی؟ وہلم جبراً، اگر آپ کے سامنے ایسے سوالات پیش کر دیئے جائیں تو آپ کیا جواب دیں گے؟ حدیث تو خیر فلاں نے فلاں سے اور فلاں نے فلاں سے، کے واسطے سے حضور ﷺ تک پہنچ بھی جاتی ہے۔ مگر آپ لوح قرآن کے لئے تو اتنا بھی ثبوت فراہم نہیں کر سکتے۔

باقی رہا تضاد کا معاملہ تو یہ محض ایک 'ہوا' ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں۔ صحیح احادیث میں کوئی تضاد نہیں۔ ظاہر بینی کے لحاظ سے اگر آپ حضرات نے کچھ مثالیں فراہم کر لی ہیں تو ایسی مثالیں قرآن کے نہ ماننے والوں نے خود قرآن سے فراہم کی ہیں تو کیا آپ تسلیم کر لیں گے کہ (نعوذ باللہ) قرآن میں بھی تضاد ہے؟ پھر آپ حضرات اپنی تدبر فی القرآن کی مخصوص صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے قرآنی آیات کا جیسا کچھ مفہوم سمجھتے ہیں، ان کے لحاظ سے تو قرآن مجید تضاد سے بھر انظر آئے گا۔ مثال دیکھنی ہو تو پچھلے اوراق پلٹ لیجئے (اور اگلے صفحات میں بھی ملاحظہ فرمائیے گا) ظن کی بحث میں آپ کی پیش کردہ جن قرآنی آیات پر ہم نے بحث کی ہے، وہ سب کی سب آپ کے بتلائے ہوئے مفہوم کے اعتبار سے خود قرآن ہی کی دوسری آیات سے تکرار ہی ہیں۔

## روایات کی کتابت میں تاخیر

آپ کو اس کا بھی ادعا ہے کہ روایتیں کتابت میں آنے سے پہلے زید، عمرو، بکر کی زبانوں پر بے روک ٹوک گشت کر رہی تھیں، اور قید کتابت میں آنے کے بعد اس پر 'صحیح' کا لیبیل چسپاں کر دیا گیا۔ ان کی حیثیت نیم تاریخی مواد کی ہے..... وغیرہ

مجھے آپ لوگوں کی جرأت پر حیرت ہے۔ جن حوالوں کی بنیاد پر آپ قید کتابت کی تاریخ متعین کرتے یا کر سکتے ہیں، انہی حوالوں کی رو سے یہ بات بالکل صاف اور قطعی طور پر عیاں ہے کہ احادیث کے قید کتابت میں آنے سے پہلے صرف دو طبقے پائے جاتے ہیں: ایک صحابہ کرام کا طبقہ اور دوسرا تابعین عظام کا۔ پہلا طبقہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے 'والذین معہ' سے تعبیر کیا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جن کی عملی معیت کو شامل کر کے آپ دین کو مکمل مان رہے ہیں اور دوسرا طبقہ ان کے تربیت یافتگان کا ہے جسے قرآن نے ﴿وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ﴾ (التوبہ: ۱۰۰) سے تعبیر کیا ہے۔ کیا قرآن کے یہ دونوں مقدس طبقے آپ کی نگاہ میں ایسے ہی ایرے غیرے، نھو خیرے قسم کے ہیں کہ آپ انہیں زید عمرو بکر جیسی اہانت آمیز تعبیر کا نشانہ بنائیں، اور اقوال و افعال رسول کے متعلق ان کی روایت اور بیان کو ایک کافر کی بے سند تاریخی روایت کے برابر بھی نہ سمجھیں؟ تفوہرتو اے چرخ گرداں تفلو!

یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ جن کتابوں اور حوالوں کی بنیاد پر آپ حضرات نے یہ شگوفہ چھوڑا ہے کہ جن حدیثوں پر 'صحیح' کا لیبیل چسپاں کیا گیا ہے، وہ حدیثیں قید کتابت میں آنے سے پہلے زید، عمرو، بکر کی زبانوں پر بے روک ٹوک گشت کرتی تھیں اور قصہ گو یوں، داستان سراؤں اور واعظوں کی گھڑی ہوئی ہیں ان کتابوں اور حوالوں سے آپ حضرات اپنا دعویٰ قطعاً ثابت نہیں کر سکتے۔ ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا

ان کتابوں اور حوالوں سے جو کچھ سمجھا جاسکتا ہے، وہ یہی ہے کہ اُسوہ رسول، صحابہ کرام کے درمیان عملاً بھی محفوظ تھا اور قولاً بھی۔ اور اس کے بعد والے طبقوں تک منتقل ہوا۔ پھر تدوین حدیث کے زمانے میں کچھ لوگوں نے اپنے مختلف النوع اغراض کے لئے حدیثیں گھڑیں اور کوشش کی کہ اپنی گھڑی ہوئی احادیث کو اُسوہ رسول یعنی صحیح احادیث کے ساتھ گڈ گڈ کر کے اپنے دیرینہ مقاصد کو حاصل کر لیں۔ مگر وہ اس میں بری طرح ناکام ہوئے۔ شیعوں نے اہل بیت کے سیاسی تفوق کے لئے حدیثیں گھڑیں۔ اہلیت پسندوں نے اپنی راہ ہموار کرنے کے لئے اور عقلیت پسندوں نے اپنی عقلیت کو وجہ جواز فراہم کرنے کے لئے گھڑنے والوں نے اپنی جعلی احادیث کی ترویج کا طریقہ یہ سوچا کہ کچھ مشہور اصحاب حدیث کی صحیح اور قوی سندوں سے ان جعلی احادیث کو روایت کریں تاکہ کسی کو ان کی صحت میں شک نہ ہو۔ لیکن جوں ہی

یہ روایتیں اہل علم کے سامنے آئیں، گھڑنے والے پکڑے گئے۔ کیونکہ کسی بھی بڑے محدث کے ہزاروں شاگرد ہوا کرتے تھے۔ اب ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص اس محدث سے ایسی حدیث روایت کرے جو ان ہزاروں شاگردوں میں سے کسی کو بھی معلوم نہ ہو اور وہ اس پر بھی اس کا اعتبار کر لیں۔ ایسے راوی پر فوراً جرح شروع ہوتی تھی۔ پچیسویں تنقیحات ایسی تھیں کہ کسی مجلساز کے لئے نکل بھاگنے کی کوئی راہ باقی نہ بچتی۔ تھوڑی سی زد و خورد کے بعد اسے ہتھیار ڈال دینے پڑتے اور اپنی مجلسازی کا اقرار کر لینا پڑتا۔

محدثین نے حدیث کی صحت پر کھنے کے لئے ایسے سخت اصول و ضوابط بنائے اور ایسا کڑا معیار مقرر کیا کہ دنیا آج تک اس کی نظیر نہ لاسکی۔ کوئی دس لاکھ افراد کی زندگیاں کھگال کر رکھ دیں۔ پھر جملہ افراد کو اس کسوٹی پر پرکھ کر کھرا کھونا الگ کر دکھایا۔

تدوین حدیث کے تیسرے اور چوتھے دور میں ان جعلی احادیث کا ذخیرہ بھی تالیفی شکل میں باقاعدہ علیحدہ کر دیا گیا، تاکہ راہِ حق کے راہرو کے لئے کسی بھی مرحلہ میں مشکل پیش نہ آسکے!!

یہ ہے کہ واقعہ کی اصل صورت جو ان کتابوں اور حوالوں سے مستفاد ہوتی ہے جن کی بنیاد پر آپ حضرات نے 'ایرانی سازش' کا بدبودار افسانہ تیار کیا ہے۔ اگر آپ کا ایمان بالقرآن آپ کو صدق و دیانت کی اجازت دیتا ہے تو واقعہ کو اس کی حقیقی صورت میں پیش کیجئے اور قبول کیجئے، ورنہ اپنے دعویٰ کی دلیل لائیے.....!!

آپ کے استدلال کی نوعیت بالکل وہی ہے کہ کسی گھر میں چور گھس جائے تو آپ گھر والے ہی کو چور کہنے لگیں اور جب آپ سے ثبوت مانگا جائے تو آپ فرمائیں کہ ثبوت یہ ہے کہ اس کے گھر میں چور گھسے تھے، یا کوئی پولیس پارٹی ڈاکوؤں کو گرفتار کر لائے تو آپ پولیس پارٹی ہی کو ڈاکو کہیں اور ثبوت یہ پیش کریں کہ انہوں نے ڈاکوؤں کو گرفتار کیا ہے۔

جناب والا! محدثین نے جعل سازوں سے کوئی حدیث روایت نہیں کی ہے اور نہ اپنے ذخیرے میں ان کی روایات کو درآنے دیا ہے؛ بلکہ ان کی جعل سازی پکڑ کر لوگوں کو بتلایا ہے کہ فلاں نے فلاں سے روایتیں گھڑی ہیں۔ اس فرض شناسی پر خود محدثین اور ان کی روایتیں آخر مورد الزام کیسے ٹھہر گئیں۔ بسوخت عقل زحیرت کہ اس چہ بواجبی ست

آپ نے ذرا آگے چل کر اسی سلسلے میں اناجیل اربعہ کی استنادی حیثیت کی کمزوری بھی بطور شہادت پیش کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ذہن پر یہ ضابطہ کا بوس بن کر مسلط ہو چکا ہے کہ کوئی بھی واقعہ اسی وقت قابل قبول ہو سکتا ہے جب کہ وہ علی الفور قید کتابت میں آچکا ہو۔ صرف چند برسوں کی تاخیر بھی اسے مشکوک بلکہ ناقابل قبول بنا دینے کے لئے کافی ہے، اگرچہ درمیان کے ناقلین اور

رواۃ کتنے ہی زیادہ مستند اور قابل اعتماد کیوں نہ ہوں، بلکہ خود واقعہ کے معنی شاہد ہی نے اسے کیوں نہ قلم بند کیا ہو۔

میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ اگر آپ کا یہ ضابطہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر قرآن مجید کی استنادی حیثیت سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ قرآن مجید میں گذشتہ اقوام (قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم مدین و اصحاب الایکہ، قوم ابراہیم، قوم لوط، قوم سبا وغیرہ وغیرہ) کے واقعات ان کے وقوع کے ہزار ہا ہزار برس کے بعد قلم بند کئے گئے ہیں۔ پھر آپ کے مذکورہ بالا اصول کی رو سے انہیں کیونکر مستند تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ ایک دشمن اسلام بالکل آپ ہی کے لب و لہجہ اور انداز گفتگو میں کہہ سکتا ہے کہ یہ سارے واقعات عرب قصہ گو اور داستان سرا اپنی شبانہ محفلوں، قومی میلوں اور بازاری اجتماعات میں دارا و اسکندر اور رستم و اسفندیار کے قصوں کی طرح گرمی محفل کے لئے بیان کیا کرتے تھے۔ یہ محض عرب کی دیو مالائی کہانیوں کا حصہ تھے، ان کی کوئی حیثیت و اہمیت نہ تھی۔ بلکہ یہ زید، عمرو، بکر کی زبان پر بے روک ٹوک گشت کیا کرتے تھے، لیکن ہزاروں برس بعد جب قرآن نے انہی قصوں کو قانون قدرت کے تاریخی تسلسل کی شہادت کی حیثیت سے پیش کیا تو کلام الہی بن گیا جس پر ایمان لانا واجب قرار پا گیا اور جس کا انکار کرنا کفر ٹھہر گیا۔ بھلا ان قصوں کا کیوں کر اعتبار کیا جائے جو ہزار ہا برس تک قصہ گو یوں اور داستان سراؤں کا موضوع سخن بنے رہے، ہر کہ و مہ کی زبان پر بے روک ٹوک گشت کرتے رہے اور جنہیں ان کے وقوع کے ہزار ہا برس بعد ایک نبوت کے دعویدار نے قید کتابت میں لا کر وحی الہی اور دین و ایمان کا جزو قرار دے دیا۔

بتائیے! اگر آپ کے سامنے دشمن اسلام یہ سوال پیش کر دے تو آپ اپنے مذکورہ بالا اصول پر قائم رہتے ہوئے کیا جواب دے سکتے ہیں؟ اور اگر قرآن کی استنادی حیثیت ماننے اور منوانے کے سلسلے میں آپ اس اصول کے پابند نہیں تو حدیث کی استنادی حیثیت کے معاملے میں اس اصول کی پابندی پر آپ کو اصرار کیوں ہے.....؟

اصل حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کو محفوظ، مستند اور قابل اعتماد قرار دینے کے لئے اس کا قید کتابت میں آیا ہوا ہونا ضروری نہیں ہے۔ یعنی یہ اصول اور معیار ہی سرے سے غلط ہے کہ اگر کوئی بات اپنے وقوع کے وقت قید کتابت میں آگئی تو قابل اعتماد ہوگی، ورنہ نہیں۔ اس لئے یہ خیال صحیح نہیں کہ قرآن اس لئے قابل اعتماد و استناد ہے کہ وہ لکھوا لیا گیا تھا۔ اور احادیث اس لئے قابل اعتماد و استناد نہیں کہ وہ عہد رسالت اور عہد خلافت میں لکھوائی نہیں گئی تھیں۔ بلکہ اس سلسلہ میں معاملہ کی جو صحیح نوعیت ہے، اسے ذیل کے الفاظ میں سنئے:

”اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن کو جس وجہ سے لکھوایا گیا، وہ یہ تھی کہ اس کے الفاظ اور معنی دونوں من جانب اللہ تھے۔ اس کے الفاظ کی ترتیب ہی نہیں، اس کی آیتوں کی ترتیب اور سورتوں کی ترتیب بھی اللہ کی طرف سے تھی۔ اس کے الفاظ کو دوسرے الفاظ سے بدلنا بھی جائز نہ تھا۔ اور وہ اس لئے نازل ہوا تھا کہ لوگ انہی الفاظ میں اسی ترتیب کے ساتھ اس کی تلاوت کریں۔ اس کے مقابل میں سنت کی نوعیت بالکل مختلف تھی، وہ محض لفظی نہ تھی بلکہ عملی بھی تھی، اور جو لفظی تھی، اس کے الفاظ قرآن کے الفاظ کی طرح بذریعہ وحی نازل نہیں ہوئے تھے بلکہ حضور نے اس کو اپنی زبان میں ادا کیا تھا۔ پھر اس کا ایک بڑا حصہ ایسا تھا جسے حضور کے معصروں نے اپنے الفاظ میں بیان کیا تھا۔ مثلاً یہ کہ حضور کے اخلاق ایسے تھے، حضور کی زندگی ایسی تھی، اور فلاں موقع پر حضور نے یوں عمل کیا۔

حضور کے اقوال و تقریریں نقل کرنے کے بارے میں بھی یہ پابندی نہ تھی کہ سننے والے انہیں لفظ بلفظ نقل کریں۔ بلکہ اہل زبان سامعین کے لئے یہ جائز تھا اور وہ اس پر قادر بھی تھے کہ آپ سے ایک بات سن کر معنی و مفہوم بدلے بغیر اسے اپنے الفاظ میں بیان کر دیں۔ حضور کے الفاظ کی تلاوت مقصود نہ تھی بلکہ اس تعلیم کی پیروی مقصود تھی جو آپ نے دی ہو۔ احادیث میں قرآن کی آیتوں اور سورتوں کی طرح یہ ترتیب محفوظ کرنا بھی ضروری نہ تھا کہ فلاں حدیث پہلے ہو اور فلاں اس کے بعد۔ اس بنا پر احادیث کے معاملے میں یہ بالکل کافی تھا کہ لوگ اسے یاد رکھیں اور دیانت کے ساتھ انہیں لوگوں تک پہنچائیں۔ ان کے معاملے میں کتابت کی وہ اہمیت نہ تھی جو قرآن کے معاملے میں تھی۔

دوسری بات جسے خوب سمجھ لینا چاہئے، یہ ہے کہ کسی چیز کے سند اور حجت ہونے کے لئے اس کا لکھا ہوا ہونا قطعاً ضروری نہیں ہے۔ اعتماد کی اصل بنیاد اس شخص یا ان اشخاص کا بھروسے کے قابل ہونا ہے جس کے یا جن کے ذریعہ سے کوئی بات دوسرے تک پہنچے، خواہ وہ مکتوب ہو یا غیر مکتوب۔ خود قرآن کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے لکھوا کر نہیں بھیجا بلکہ نبی کی زبان سے اس کو بندوں تک پہنچایا۔ اللہ نے پورا انحصار اس بات پر کیا کہ جو لوگ نبی کو سچا مانیں گے، وہ نبی کے اعتماد پر قرآن کو ہمارا کلام مان لیں گے۔ نبی ﷺ نے بھی قرآن کی جتنی تبلیغ و اشاعت کی، زبانی ہی کی۔ آپ کے جو صحابہ مختلف علاقوں میں جا کر تبلیغ کرتے تھے، وہ قرآن کی سورتیں لکھی ہوئی نہ لے جاتے تھے۔ لکھی ہوئی آیات اور سورتیں تو اس تھیلے میں پڑی رہتی تھیں جس کے اندر آپ ﷺ انہیں کتابتاً وحی سے لکھوا کر ڈال دیا کرتے تھے۔ باقی ساری تبلیغ و اشاعت زبان سے ہوتی تھی اور ایمان لانے والے اس ایک صحابی کے اعتماد پر یہ بات تسلیم کرتے تھے کہ جو کچھ وہ سنا رہا ہے، وہ اللہ کا کلام ہے یا رسول اللہ ﷺ کا جو کلمہ وہ پہنچا رہا ہے، وہ حضور ہی کا کلمہ ہے۔

تیسرا اہم نکتہ اس سلسلے میں یہ ہے کہ لکھی ہوئی چیز بجائے خود کبھی قابل اعتماد نہیں ہوتی، جب تک

کہ زندہ اور قابل اعتماد انسانوں کی شہادت اس کی توثیق نہ کرے۔ محض لکھی ہوئی کوئی چیز اگر ہمیں ملے اور ہم اصل لکھنے والے کا خط نہ پہچانتے ہوں، یا لکھنے والا خود نہ بتائے کہ یہ اسی کی تحریر ہے، یا ایسے شواہد موجود نہ ہوں جو اس امر کی تصدیق کر دیں کہ یہ تحریر اسی کی ہے جس کی طرف منسوب کی گئی ہے تو ہمارے لئے محض وہ تحریر یقینی کیا معنی، ظنی حجت بھی نہیں ہو سکتی..... یہ ایک اصولی حقیقت ہے جسے موجودہ زمانے کا قانون شہادت بھی تسلیم کرتا ہے اور فاضل حج خود اپنی عدالت میں اس پر عمل فرماتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ قرآن مجید کے محفوظ ہونے پر ہم جو یقین رکھتے ہیں، کیا اس کی بنیاد یہی ہے کہ وہ لکھا گیا تھا؟ کا تبین وحی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے صحیفے جو حضورؐ نے املا کرائے تھے، آج دنیا میں کہیں موجود نہیں۔ اگر موجود ہوتے تو بھی آج کون یہ تصدیق کرتا کہ یہ وہی صحیفے ہیں جو حضورؐ نے لکھوائے تھے۔ خود یہ بات بھی کہ حضورؐ اس قرآن کو نزول وحی کے ساتھ ہی لکھوا لیا کرتے تھے، زبانی روایات ہی سے معلوم ہوئی ہے، ورنہ اس کے جاننے کا کوئی دوسرا ذریعہ نہ تھا۔ پس قرآن کے محفوظ ہونے پر ہمارے یقین کی اصل وجہ اس کا لکھا ہوا ہونا نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ زندہ انسان زندہ انسانوں سے مسلسل اس کو سنتے اور آگے زندہ انسانوں تک اسے پہنچاتے چلے آ رہے ہیں۔ لہذا یہ خیال ذہن سے نکال دینا چاہئے کہ کسی چیز کے محفوظ ہونے کی واحد سبب اس کا لکھا ہوا ہونا ہے۔ ان امور پر اگر فاضل حج اور ان کی طرح سوچنے والے حضرات غور فرمائیں تو انہیں یہ تسلیم کرنے میں ان شاء اللہ کوئی زحمت پیش نہ آئے گی کہ اگر معتبر ذرائع سے کوئی چیز پہنچے تو وہ سند بننے کی پوری قابلیت رکھتی ہے خواہ وہ لکھی نہ گئی ہو۔

تمام منکرین حدیث بار بار قرآن کے لکھے جانے اور حدیث کے نہ لکھے جانے پر اپنے دلائل کا دارومدار رکھتے ہیں۔ لیکن یہ بات کہ حضورؐ اپنے زمانے میں کا تبان وحی سے نازل شدہ وحی لکھوا لیتے تھے۔ اور اس تحریر سے نقل کر کے حضرات ابوبکرؓ کے زمانے میں قرآن کو صحف کی شکل میں لکھا گیا، اور بعد میں اسی کی نقلیں حضرت عثمانؓ نے شائع کیں، یہ سب کچھ محض حدیث کی روایات ہی سے دنیا کو معلوم ہوا ہے، قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ نہ حدیث کی روایات کے سوا اس کی کوئی دوسری شہادت دنیا میں کہیں موجود ہے۔ اب اگر حدیث کی روایات سرے سے قابل اعتماد ہی نہیں تو پھر کس دلیل سے دنیا کو آپ یقین دلائیں گے کہ فی الواقع قرآن حضورؐ کے زمانے میں لکھا گیا تھا؟

کسی کا یہ کہنا کہ عہد نبوی کے رواجات، روایات، نظائر، فیصلوں، احکام اور ہدایات کا پورا ریکارڈ ہم کو ایک کتاب کی شکل میں مرتب شدہ مانا چاہئے تھا، درحقیقت ایک خالص غیر عملی طرز فکر ہے اور وہی شخص یہ بات کہہ سکتا ہے جو خیالی دنیا میں رہتا ہو۔ آپ قدیم زمانے کے عرب کی حالت چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لئے آج اس زمانے کی حالت کو لے لیجئے جب کہ احوال و واقعات کو ریکارڈ کرنے کے لئے ذرائع بے حد ترقی کر چکے ہیں۔ فرض کر لیجئے کہ اس زمانے میں کوئی لیڈر ایسا

موجود ہے جو ۲۳ سال تک شب و روز کی مصروف زندگی میں ایک عظیم الشان تحریک برپا کرتا ہے۔ ہزاروں افراد کو اپنی تعلیم و تربیت سے تیار کرتا ہے۔ ان سے کام لے کر ایک پورے ملک کی فطری، اخلاقی، تمدنی اور معاشی زندگی میں انقلاب پیدا کرتا ہے۔ اپنی قیادت و رہنمائی میں ایک نیا معاشرہ اور ایک نئی ریاست وجود میں لاتا ہے۔ اس معاشرے میں اس کی ذات ہر وقت ایک مستقل نمونہ ہدایت بنی رہتی ہے۔ ہر حالت میں لوگ اس کو دیکھ دیکھ کر یہ سبق لیتے ہیں کہ کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے۔ ہر طرح کے لوگ شب و روز اُس سے ملنے رہتے ہیں اور وہ ان کو عقائد و افکار، سیرت و اخلاق، عبادات و معاملات، غرض ہر شعبہ زندگی کے متعلق اصولی ہدایات بھی دیتا ہے اور جزئی احکام بھی۔ پھر اپنی قائم کردہ ریاست کا فرمانروا، قاضی، شارح، مدیر اور سپہ سالار بھی تبہا وہی ہے۔ اور دس سال تک اس مملکت کے تمام شعبوں کو وہ خود اپنے اصولوں پر قائم کرتا اور اپنی رہنمائی میں چلاتا ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آج اس زمانے میں یہ سارا کام کسی ایک ملک میں ہو تو اس کا ریکارڈ ایک کتاب کی شکل میں مرتب ہو سکتا ہے؟

کیا ہر وقت اس لیڈر کے ساتھ ٹیپ ریکارڈ لگا رہ سکتا ہے؟ کیا ہر آن فلم کی مشین اس کی شبانہ روز نقل و حرکت ثبت کرنے میں لگی رہ سکتی ہے؟ اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کیا آپ کہیں گے کہ وہ ٹھپا جو اس لیڈر نے ہزاروں لاکھوں افراد کی زندگی پر، پورے معاشرے کی ہیئت اور پوری ریاست کے نظام پر چھوڑا ہے، سر سے کوئی شہادت ہی نہیں ہے جس کا اعتبار کیا جاسکے؟ کیا آپ یہ دعویٰ کریں گے کہ اس لیڈر کی تقریر سننے والے، اس کی زندگی دیکھنے والے، اس سے ربط و تعلق رکھنے والے بے شمار افراد کی رپورٹیں سب کی سب ناقابل اعتماد ہیں، کیونکہ خود اس لیڈر کے سامنے وہ 'ایک کتاب' کی شکل میں مرتب نہیں کی گئیں اور لیڈر نے ان پر اپنے ہاتھ سے مہر تصدیق ثبت نہیں کی؟ کیا آپ فرمائیں گے کہ اس کے عدالتی فیصلے اور اس کے انتظامی احکام، اس کے قانونی فرامین، اس کے صلح و جنگ کے معاملات کے متعلق جتنا مواد بھی بہت سی مختلف صورتوں میں موجود ہے، اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ایک 'جامع و مانع کتاب' کی شکل میں تو ہے ہی نہیں؟" (ترجمان القرآن: منصب رسالت نمبر، ص ۳۳، ۳۴، ۱۶۳، ۳۳۶، ۳۳۸ تا ۳۳۹)

اس وضاحت کے بعد یہ بھی عرض ہے کہ آپ ذخیرہ حدیث کو فن تاریخ کے معیار پر پورا اُترتا ہوا تسلیم نہیں کرتے، اس لئے آپ کو چیلنج ہے کہ آپ دنیا کے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ معیار تاریخ کو معیار حدیث کے ہم پلہ ہی ثابت کر دیجئے، صرف بڑا بول بول دینا کوئی کمال نہیں !!

## الزام تراشی اور نگاری کلامی کے الزام کی حقیقت

آپ نے منکرین حدیث کا اندازِ اِدّعا بلکہ اندازِ افترا اختیار کرتے ہوئے حدیث کے ایک اور 'تاریک پہلو' کی نشاندہی کی ہے جسے آپ کے بقول 'اسلامی تاریخ' کا 'المیہ' کہنا چاہئے کہ حدیث کے



مجموعوں میں ایسی روایات بکثرت ملتی ہیں جو 'الزام تراشی'، 'دروغ بانی' اور 'فحش نگاری' کا مرتع ہیں۔ اور اس 'بکثرت' کی مقدار خود آپ لوگوں کی نشاندہی کے مطابق ایک فیصدی بھی نہیں۔ کیا اسی کو 'بکثرت' کہا جاتا ہے؟ پھر جہاں تک 'دروغ بانی' کا سوال ہے تو حقیقت کھل چکی ہے۔ جب تک آپ یہودی مستشرقین کی خرد بین لگا کر دیکھیں گے، یرقان کے مریض کی طرح آپ کو ہر طرف دروغ ہی دروغ نظر آئے گا کیونکہ یہ مرض آپ کے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے۔ اس کا واحد علاج یہ ہے کہ آپ حقیقت پسندی اختیار کریں۔ اور معاملہ کو اس کی صحیح اور اصل شکل میں ملاحظہ فرمائیں۔ ورنہ جب تک آپ گھر کے مالک اور محافظ کو چور اور پولیس پارٹی کو ڈاکو سمجھیں گے، آپ کو اس بیماری سے نجات نہیں مل سکتی۔

باقی رہا 'الزام تراشی' اور 'فحش نگاری' کا دعویٰ تو یہ بھی سراسر زبردستی ہی ہے۔ آپ کے اشارے یا تو ان روایات کی طرف ہیں جن کے جھوٹ ہونے کی قلعی خود محدثین نے کھول دی ہے۔ لیکن آپ کمال ڈھٹائی سے ان چوری پکڑنے والوں ہی کو چور کہہ رہے ہیں یا پھر آپ نے ایسی باتوں کو 'الزام تراشی' اور 'فحش نگاری' قرار دے دیا ہے جن کی نظیریں خود قرآن میں موجود ہیں۔ تو کیا (نعوذ باللہ) آپ قرآن میں 'الزام تراشی' اور 'فحش نگاری' تسلیم کریں گے؟ اگر نہیں تو پھر حدیث اور روایات کی ویسی ہی باتوں کو آپ 'الزام تراشی' اور 'فحش نگاری' قرار دینے پر کیوں تلے بیٹھے ہیں؟ آپ نے جن روایات کی طرف اشارہ کیا ہے، آئیے انہیں میں سے ایک آدھ سے اس کی توضیح کرتے ہیں:

آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام لیا ہے۔ ان کی بابت صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں تین کذبات کا ارتکاب کیا ہے۔ کذب، جھوٹ، غلط اور خلاف واقعہ بات کو کہتے ہیں۔ صحیح بخاری کی یہ روایت سنتے ہی آپ حضرات بھی، اور قائلین حدیث میں سے بعض عقلیت پسند بھی سیخ پا ہو جاتے ہیں۔ لیکن آئیے ذرا سنجیدگی سے اس روایت پر غور کریں!!

اس روایت میں جن تین کذبات کا انتساب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کیا گیا ہے، ان میں سے دو کی تفصیلات خود قرآن میں مذکور ہیں۔ قرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم سے باتیں کر رہے تھے۔ اچانک انہوں نے تاروں پر ایک نظر ڈالی اور کہا کہ میں بیمار ہوں۔ قوم چلی گئی اور حضرت ابراہیم نے جھٹ اٹھ کر ان کے بتوں کو توڑ پھوڑ ڈالا۔ قوم نے واپس آ کر معاملے کی تفتیش کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ تمہاری حرکت ہے؟ انہوں نے کہا: بلکہ اس بڑے بت نے یہ حرکت کی ہے، اگر تمہارے یہ معبود بولتے ہیں تو ان سے پوچھ لو..... الخ

اس میں دو باتیں قابل غور ہیں: (i) ایک یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیماری کا عذر جس

سیاق و سباق میں کیا تھا، اس کا منشا یا تو یہ تھا کہ میں تمہارے ساتھ چلنے کے لائق نہیں۔ یا یہ کہ بیماری کے سبب میرے لئے بات چیت کرنی مشکل ہے۔ لیکن جوں ہی قوم ہنسی، وہ جھٹ اٹھے اور بتوں پر پل پڑے۔ اگر واقعاً وہ ایسے ہی بیمار تھے جیسی بیماری کا اظہار فرمایا تھا تو کیا وہ بت خانے تک پہنچ سکتے تھے؟ اور بتوں کو توڑ سکتے تھے؟ (۲) دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے بت شکنی کا الزام بڑے بت پر عائد کیا۔ کیا واقعاً اسی نے باقی بتوں کو توڑا تھا؟ یقیناً نہیں۔ ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دونوں باتیں خلاف واقعہ کہی تھیں، جسے عربی زبان میں 'کذب' کہتے ہیں۔

تیسرے واقعہ کی تفصیل صحیح بخاری میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ

ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی سارہ کے ہمراہ ایک جاہر حکمران کے علاقے سے گزرے۔ وہ حکمران خوبصورت عورتیں چھین لیتا تھا۔ اگر ساتھ میں شوہر ہوتا تو قتل کر دیا جاتا تھا۔ حضرت سارہ کو بھی اس حکمران نے طلب کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ تم مجھے اپنا بھائی ظاہر کرنا۔

متعدد آخذ میں اس کی وضاحت بھی ہے کہ حضرت سارہ کچھ دور کے تعلق سے حضرت ابراہیم کی بہن ہوتی تھی؛ یوں بھی وہ دینی بہن تھیں۔ لیکن جس سیاق میں وہ اپنے آپ کو بہن کہتیں، اس سے سننے والا یہ سمجھتا کہ وہ حقیقی بہن ہیں۔ اس لئے یہ بات خلاف واقعہ ہوئی۔

یہ تینوں معاملے ایک اور پہلو سے بھی قابل غور ہیں۔ پہلے اور دوسرے موقع پر خلاف واقعہ بولے بغیر بھی مقصد حاصل ہو سکتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہہ سکتے تھے کہ آج مجھے معاف رکھیں، میں آپ حضرات کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اسی طرح وہ بڑے بت کا نام لئے بغیر کہہ سکتے تھے کہ مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ اپنے ان معبودوں سے پوچھ لو، اگر بولتے ہوں۔ لیکن تیسرا موقع بڑا نازک تھا۔ بیوی اور جان دونوں خطرے میں تھے۔ ایسی صورت میں قرآن نے ارتکابِ کفر کی اجازت دی ہے: ﴿الَّا مِّنْ اٰكْرِهٖ وَ قَلْبُهٗ مُّطْمَئِنٌّ بِالْاٰيْمَانِ﴾ اس لئے یہ تیسرا واقعہ بھی قرآن کی نگاہ میں معیوب نہیں۔

یہ ہے ان تین کذبات کا خلاصہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں۔ ان میں سے پہلے دو کی نسبت خود قرآن نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کی ہے۔ صحیح بخاری میں ان کا صرف حوالہ دیا گیا ہے۔ البتہ تیسرا واقعہ صرف صحیح بخاری میں ہے۔ اب ظاہر ہے کہ آپ اس نسبت کو الزام تراشی اور 'دروغ بانی' کا مرقع قرار دے رہے ہیں تو آپ کے اس الزام کا صرف ۳۱ حصہ صحیح بخاری پر عائد ہوتا ہے جس کے جواز کا فتویٰ دینے میں خود قرآن بھی شریک ہے اور اس الزام کا باقی ۳۲ حصہ قرآن پر عائد ہوتا ہے۔ غور فرمائیے کہ آپ نے کس جسارت اور دلیری کے ساتھ حدیث دشمنی کے جوش میں قرآن مجید ہی کو 'الزام تراشی' اور 'دروغ بانی' کا مرقع قرار دے دیا۔ فنعوذ باللہ من شرور أنفسنا

○ آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا نام بھی لیا ہے۔ حالانکہ صحیح احادیث میں تو ان پر کوئی الزام نہیں۔ بلکہ انہیں کریم ابن کریم ابن کریم کہا گیا ہے اور قید خانے میں ان کی ثابت قدمی پر ان کی مدح و توصیف کی گئی ہے۔

البتہ قرآن میں یہ بتلایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے حقیقی بھائی سے ساز باز کر کے ان کے غلے میں شاہی برتن رکھ دیا۔ پھر اپنے بھائیوں کے قافلے پر چوری کا الزام عائد کرا کر ان کی تلاشی لی اور حقیقت چھپانے کے لئے پہلے دوسرے بھائیوں کی تلاشی لی، پھر اپنے حقیقی بھائی کے غلے سے برتن نکال کر دوسرے بھائیوں سے لئے گئے اقرار کے مطابق اپنے حقیقی بھائی کو اپنے پاس روک لیا۔

غالباً آپ کے ذہن میں یہی واقعہ تھا۔ لیکن آپ کو یہ یاد نہیں رہا کہ اس کا ذکر بھی قرآن میں ہے۔ اسلئے آپ نے اسے شانِ انبیاء کے خلاف سمجھ کر احادیث اور روایتوں پر الزام تراشی کا الزام تراشنے میں اپنی چابک دستی کا مظاہرہ فرما دیا۔ لیکن آپ کی اس چابک دستی کی زد حدیث کے بجائے قرآن پر آ پڑی۔ قریب قریب یہی معاملہ ان بقیہ شخصیتوں کا ہے جن کے اسماء گرامی آپ نے ذکر کئے ہیں، اگر تفصیل میں آپ جانا چاہتے ہیں تو چلئے ہم بھی تیار ہیں ۴

سمجھ کے رکھو قدم دشتِ خار میں مجھوں کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے!

ہماری اس توضیح سے یہ حقیقت بھی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ آیا امام بخاریؒ کا نام سن کر جماعت اہلحدیث پر ہسٹم کا دورہ پڑ جاتا ہے، یا آپ حضرات پر جوشِ مخالفت میں سرسामी کیفیت طاری ہو جاتی ہے، جس کے بعد آپ حضرات کو ہوش ہی نہیں رہتا کہ آپ کیا بک رہے ہیں اور کس کے خلاف بک رہے ہیں۔

آپ نے حدیث پر 'مثلاً معہ' کی پھلتی بھی چست فرمائی ہے۔ مگر بتائیے کہ جب قرآن مجید نے اُسوۂ رسولؐ کو مدارِ نجات قرار دے کر اپنے بنیادی احکام تک کی تفصیلات اسی پر چھوڑ دی ہیں، اور اس اُسوۂ کو اس حد تک وسعت دی ہے کہ پیغمبروں کے خواب تک کو وحی الہی اور حکم الہی کا درجہ دے رکھا ہے اور جگہ جگہ ایسی وحی کے حوالے دیئے ہیں جن کا قرآن میں کہیں نام و نشان تک نہیں تو خود اس قرآن کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا؟ حدیث سے پہلے آپ کی اس پھلتی کی زد تو خود قرآن ہی پر پڑ رہی ہے۔ اگر آپ اسے ماننے کے لئے تیار نہیں تو آئندہ ہم اس اجمال کی تفصیل بھی پیش کر سکتے ہیں۔

## آن گنت راویوں پر ایمان لانے کا معاملہ

آپ نے یہ بھی سوال اٹھایا ہے کہ قرآن پر ایمان لانے کے لئے رسولؐ کی رسالت پر ایمان لانا

ضروری ہے۔ پس اسی طرح روایتوں کو حدیثِ رسولؐ ماننے کے لئے تمام راویوں پر ایمان لانا ضروری ہوگا۔ تو کیا ہمیں اللہ اور رسولؐ کی طرف سے اُن گنت راویوں پر ایمان لانے کی تکلیف دی گئی ہے؟

**اولاً:** میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ نے حضورؐ کو خود دیکھا ہے؟ اور حضورؐ پر قرآن کے نزول کا بذاتِ خود مشاہدہ کیا ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔ بلکہ آپ تو چودھویں صدی میں پیدا ہوئے ہیں۔ اب آپ بتائیے کہ آپ کو اس بات کا علم کیسے ہوا کہ حضورؐ پیغمبر تھے؟ اور آپ پر یہی قرآن نازل ہوا تھا جو اس وقت ہمارے ہاں متداول ہے؟ آپ یہی کہیں گے کہ اس امت کے اجتماعی نقل و تواتر سے یہ قرآن ہم تک پہنچا ہے، اس لئے ہم اس کی صحت کا یقین رکھتے ہیں۔

اب مجھے عرض کرنے دیجئے کہ آپ کے مقرر کئے ہوئے اصول کے مطابق قرآن پر ایمان لانے کے لئے صرف حضورؐ کی رسالت پر ایمان لانا کارآمد نہ ہو سکے گا، بلکہ اس چودہ سو برس کے دوران پیدا ہونے والے تمام مسلمان مردوں اور عورتوں پر (خواہ زاہد و متقی ہوں، خواہ فاسق و فاجر) ایمان لانا ہوگا تو کیا ہمیں اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اس امت کے اُن گنت نیک و بد انسانوں پر ایمان لانے کی تکلیف دی گئی ہے؟ **ثانیاً:** ذی اللہ

**ثانیاً:** قرآن نے جو یہ حکم دیا ہے کہ اگر کوئی فاسق خبر لائے تو تحقیق کر لو، جس کا صاف تقاضا یہ ہے کہ اگر متقی خبر لائے تو تحقیق کی بھی حاجت نہیں، یوں ہی مان لو۔ اب آپ ہی بتائیے کہ اگر اسوہ رسولؐ کے متعلق کوئی شخص کوئی خبر دے تو قرآن کے اس اصول اور حکم پر عمل کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ اگر قرآن کے اس حکم پر عمل کیا گیا، اور اس کی بتائی ہوئی خبر قابل قبول ثابت ہوئی تو کیا اس خبر کو ماننے کیلئے اس شخص پر ایمان لانا پڑے گا؟ اگر ایمان لانا پڑے گا تو پھر ایسے جتنے بھی افراد پر ایمان لانا پڑے، لائیے؛ یہ تو عین حکم قرآنی کا اتباع ہوگا۔ اور اگر نہیں لانا پڑے گا تو پھر آپ کے اس چیخ و پکار کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے کہ روایتوں کو قبول کرنے کا مطالبہ کر کے درحقیقت ہم سے اُن گنت راویوں پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے؟

اللہ کے بندے! اپنے تفقہ فی الدین اور تدبر فی القرآن کی کچھ تو لاج رکھنی تھی۔ ہماری بچھلی گذرشات سے واضح ہو چکا ہے کہ آپ جس چیز کو ایک 'ٹھوس حقیقت' سمجھ بیٹھے ہیں وہ درحقیقت ایک پھسپھسا تخیل ہے جس کی حیثیت ﴿كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ﴾ (ابراہیم: ۲۶) سے زیادہ نہیں ہے۔

اگر کوئی ٹھوس حقیقت ہے تو صرف یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب پر ایمان لانا فرض ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا، آپ کی اطاعت کرنا، آپ کے فیصلوں کو دل کی

تنگی و ناگواری کے بغیر تسلیم کرنا اور ان فیصلوں کے مقابل میں اپنے آپ کو خود مختار نہ سمجھنا، آپ کے اُسوے اور طریق عمل کی پیروی کو رضائے الہی اور نجاتِ آخرت کا مدار سمجھنا اور آپ کے اوامر و نواہی کی پابندی کرنا فرض ہے۔ یہ سارا فرض خود قرآن نے عائد کیا ہے، اس فرض کو عائد کرنے کے بعد اس نے دین کے بڑے اہم اور بنیادی قسم کے مسائل میں خاموشی اختیار کر لی ہے۔ نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم سیکڑوں جگہ دیا ہے مگر ان کی تفصیلات سے خاموشی ہے۔ اسی طرح اس نے زندگی کے بے شمار مسائل میں صرف بعض بنیادی امور کی طرف اشارہ کر کے خاموشی اختیار کر لی ہے۔ کیونکہ اس نے باقی تفصیلات کا دار و مدار اُسوۂ رسول پر رکھ دیا ہے۔

اب جو لوگ یہ کہتے پھر رہے ہیں کہ قرآن سے باہر اُسوۂ رسول کہیں بھی محفوظ نہیں رہ گیا ہے، اور احادیث کے نام سے جو ذخائر اُمت کے ہاتھ میں متداول ہیں، ان کی کوئی حیثیت اور کوئی مقام نہیں، وہ درحقیقت قرآن کو ناقابل عمل اور اس کی رہنمائی کو سراپا لغو سمجھ رہے ہیں، اور انکار حدیث کا لبادہ اوڑھ کر قرآنی تعلیمات کو روندنے اور کچلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو عاجز و درماندہ اور مجبور و بے بس سمجھ رہے ہیں کہ اس نے اُسوۂ رسول کی پیروی کا حکم تو دے دیا اور اسے مدارِ نجات تو ٹھہرا دیا، لیکن چند ہی برس بعد جب چند ایرانی سازشیوں نے اس اُسوۂ رسول کے خلاف 'سازش' کی تو اپنی تمام تر قوت و طاقت، ملک و جروت اور حکمت و قہرمانی کے باوجود ان کی 'سازش' کو ناکام نہ بنا سکا، اُمتِ مرحومہ کی دستگیری نہ کر سکا اور ہمیشہ کے لئے گمراہی میں بھگلتا ہوا چھوڑ دیا۔

وہ لوگ اپنے یہودی مستشرقین کی پلائی ہوئی شراب 'حقیقت پسندی' کے نشے میں بدمست ہو کر ساری اُمت کو بیوقوف سمجھ بیٹھے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی شاہراہ ہدایت سے کٹ کر اور لوگوں کو کاٹ کر اپنی عقلی تک بند یوں کے خارزار پر دوڑانا چاہتے ہیں، جو سراسر بے انصافی اور انتہائی زیادتی ہے اور جس کے بارے میں ارشادِ الہی ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (النساء: ۱۱۵)

”جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ کی مخالفت اختیار کرے گا، اور مؤمنین کی راہ سے الگ تھلک اپنی راہ بنائے گا، ہم اسے اسی راہ پر ڈال دیں گے جسے اس نے اختیار کیا ہے، اور اسے جہنم میں جلائیں گے اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے۔“



## حجیت حدیث پر بعض شبہات کا جائزہ

ذیل میں جسٹس ایس اے رحمن کے ایک خط پر مولانا کا تبصرہ شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ خط اس مراسلت کا ایک حصہ ہے جو ’ترجمان القرآن‘ کے صفحات میں موصوف اور پروفیسر عبدالحمید صدیقی کے درمیان ہوئی تھی۔ ادا

جسٹس ایس اے رحمن اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں:

’جہاں تک قرآن حکیم کا تعلق ہے، تفسیر و تعبیر کا حق برقرار رکھتے ہوئے ہر شخص اس سے اتفاق کرے گا لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں..... سنت کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔‘

ان الفاظ سے یہ لگتا ہوتا ہے کہ موصوف کے نزدیک قرآن تو اسلامی احکام معلوم کرنے کے لئے ضرور مرجع و سند ہے مگر وہ سنت کو یہ حیثیت دینے میں اس بنا پر متامل ہیں کہ اس کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

اب یہ بات ان کے بیان سے واضح نہیں ہوتی کہ اس مسئلہ میں کیا چیز مختلف فیہ ہے؟

**کیا سنت کا ماخذ قانون ہونا مسلمانوں میں اختلافی مسئلہ ہے؟**

اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ بجائے خود سنت (یعنی رسول اللہ ﷺ کے قول و عمل اور امر و نہی) کا ماخذ قانون اور مرجع احکام ہونا ہی مختلف فیہ ہے تو میں عرض کروں گا کہ یہ ایک خلاف واقعہ بات ہے۔ جس روز سے امت مسلمہ وجود میں آئی ہے، اس وقت سے آج تک یہ بات اہل اسلام میں کبھی مختلف فیہ نہیں رہی ہے۔ تمام امت نے ہمیشہ اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ مؤمنوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطاع اور متموع ہیں، ان کے حکم کی اطاعت اور ان کے امر و نہی کا اتباع ہر مسلمان پر واجب ہے۔ جس طریقے پر چلنے کی انہوں نے اپنے قول و عمل اور تقریر سے تعلیم دی ہے، اس کی پیروی پر ہم مامور ہیں اور زندگی کے جس معاملے کا بھی انہوں نے فیصلہ کر دیا ہے، اس میں کوئی دوسرا فیصلہ کر لینے کے ہم مجاز نہیں ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ تاریخ اسلام کی گذشتہ ۱۴ صدیوں میں کس نے اور کب اس سے اختلاف کیا ہے۔ نرالی اچھ نکالنے والے کچھ منفرد اور شاذ قسم کے خبطی تو دنیا میں ہمیشہ ہر گز وہ میں پائے جاتے رہے ہیں۔ اس طرح کے افراد نے کبھی مسلمات قوم کے خلاف کوئی بات کر دی ہو تو اس کی بنا پر یہ کہہ دینا صحیح نہیں ہے کہ ایک عالم گیر مسلمہ مختلف فیہ ہو گیا ہے، اس لئے وہ مسلمہ نہیں رہا۔ اس طرح تو خبطوں کی تاخت سے قرآن بھی نہیں بچا ہے۔ کہنے والے تحریف قرآن تک کا دعویٰ کر بیٹھے ہیں۔ اب کیا

ان کی وجہ سے ہم کلام الہی کے مرجع و سند ہونے کو بھی مختلف فیہ مان لیں گے.....؟

## کیا اختلاف کی گنجائش ہونا سنت کے ماخذِ قانون ہونے میں مانع ہے؟

لیکن اگر سنت کا بجائے خود مرجع و سند ہونا مختلف فیہ نہیں ہے بلکہ اختلاف جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے اور ہوا ہے، وہ اس امر میں ہے کہ کسی خاص مسئلے میں جس چیز کے سنت ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہو وہ فی الواقع سنت ثابتہ ہے یا نہیں؟ تو ایسا ہی اختلاف قرآن کی آیات کے مفہوم و منشا میں بھی واقع ہوتا ہے۔ ہر صاحبِ علم یہ بحث اٹھا سکتا ہے کہ جو حکم کسی مسئلے میں قرآن سے نکالا جا رہا ہے، وہ درحقیقت اس سے نکلتا ہے یا نہیں؟ فاضل مکتوب نگار نے خود قرآن مجید میں اختلاف تفسیر و تعبیر کا ذکر کیا ہے اور اس اختلاف کی گنجائش ہونے کے باوجود وہ بجائے خود قرآن کو مرجع و سند مانتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اسی طرح الگ الگ مسائل کے متعلق سنتوں کے ثبوت و تحقیق میں اختلاف کی گنجائش ہونے کے باوجود فی نفسہ ’سنت‘ کو مرجع و سند تسلیم کرنے میں انہیں کیوں تامل ہے؟

یہ بات ایک ایسے فاضل قانون دان سے جیسے کہ محترم مکتوب نگار ہیں، مخفی نہیں رہ سکتی کہ قرآن کے کسی حکم کی مختلف ممکن تعبیرات میں سے جس شخص، ادارے یا عدالت نے تفسیر و تعبیر کے معروف علمی طریقے استعمال کرنے کے بعد بالآخر جس تعبیر کو حکم کا اصل منشا قرار دیا ہو، اس کے علم اور دائرہ کار کی حد تک وہی حکم خدا ہے، اگرچہ یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ حقیقت میں بھی وہی حکم خدا ہے۔ بالکل اسی طرح سنت کی تحقیق کے علمی ذرائع استعمال کر کے کسی مسئلہ میں جو سنت بھی ایک فقیہ، یا لیبلیچر (قانون ساز مجلس) یا عدالت کے نزدیک ثابت ہو جائے، وہی اس کے لئے حکم رسول ہے، اگرچہ قطعی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حقیقت میں رسول کا حکم وہی ہے۔

ان دونوں صورتوں میں یہ امر تو ضرور مختلف فیہ رہتا ہے کہ میرے نزدیک خدا یا رسول کا حکم کیا ہے اور آپ کے نزدیک کیا؟ لیکن جب تک میں اور آپ خدا اور اس کے رسول کو آخری سند (Final Authority) مان رہے ہیں، ہمارے درمیان یہ امر مختلف فیہ نہیں ہو سکتا کہ خدا اور اس کے رسول کا حکم بجائے خود ہمارے لئے قانون واجب الاتباع ہے۔ لہذا میں جناب ایس اے رحمن صاحب کی یہ بات سمجھنے سے معذور ہوں کہ احکام فقہ کی تحقیق میں وہ قرآن کو تو ان اختلافات کے باوجود مرجع و سند مانتے ہیں جو اس کے منشا کی تعیین میں واقع ہو سکتے ہیں اور ہوئے ہیں، مگر سنت کو یہ حیثیت دینے میں اس بنا پر تامل کرتے ہیں کہ جزئیات مسائل کے متعلق سنتوں کی تشخیص کرنے میں اختلافات واقع ہوئے ہیں اور ہو سکتے ہیں۔

## کیا احادیثِ موضوعہ کی موجودگی واقعی بے اطمینانی کی موجب ہے؟

آگے چل کر صاحبِ موصوف سنت کو سند قرار نہ دینے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ”متعدد احادیثِ موضوعہ، متداولہ مجموعوں میں شامل ہو گئی ہیں۔“ اور اس کے ساتھ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ”اس موضوع پر ضخیم کتابیں بھی لکھی گئی ہیں۔“

بظاہر اس ارشاد سے ان کا مدعا یہ متصور ہوتا ہے کہ سنت ایک مشکوک چیز ہے۔ ممکن ہے کہ یہ شبہ اختصار بیان کی وجہ سے پیدا ہوتا ہو اور فی الواقع ان کا مدعا یہ نہ ہو۔ لیکن اگر ان کا مدعا یہی ہے تو میں عرض کروں گا کہ وہ اس مسئلے پر مزید غور فرمائیں۔ ان شاء اللہ انہیں خود محسوس ہوگا کہ جس چیز کو وہ سنت کے مشکوک ہونے کی دلیل سمجھ رہے ہیں، وہی دراصل اس کے محفوظ ہونے کا اطمینان دلاتی ہے۔ میں تھوڑی دیر کے لئے اس سوال کو چھوڑ دیتا ہوں کہ وہ کون سے متداول مجموعے ہیں جن میں احادیثِ موضوعہ شامل ہو گئی ہیں۔ اگرچہ مختلف محدثین نے جو مجموعے بھی مرتب کئے ہیں، ان میں اپنی حد تک پوری چھان بین کر کے انہوں نے یہی کوشش کی ہے کہ قابل اعتماد روایات جمع کریں۔ مگر اس معاملے میں صحاح ستہ اور موطأ کا پایہ کس قدر ہے، وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ تاہم تھوڑی دیر کے لئے ہم یہ سن بھی لیں کہ سب مجموعوں میں موضوعات نے کچھ نہ کچھ راہ پالی ہے تو غور طلب بات یہ ہے کہ وہ ’ضخیم کتابیں‘ جن کا ذکر فاضل مکتوب نگار کر رہے ہیں، آخر ہیں کس موضوع پر؟ ان کا موضوع یہی تو ہے کہ کون کون سی حدیثیں وضعی ہیں، کون کون سے راوی کذاب اور وضاع حدیث ہیں، کہاں کہاں موضوع احادیث نے راہ پائی ہے، کس کتاب کی کون کون سی روایات ساقط الاعتبار ہیں، کن راویوں پر ہم اعتماد کر سکتے ہیں اور کن پر نہیں کر سکتے، ’موضوع‘ کو صحیح سے جدا کرنے کے طریقے کیا ہیں اور روایات کی صحت، ضعف، علت وغیرہ کی تحقیق کن کن طریقوں سے کی جاسکتی ہے؟

ان ضخیم کتابوں کی اطلاع پا کر تو ہمیں امن کا ویسا ہی اطمینان حاصل ہوتا ہے جیسا کسی کو یہ سن کر ہو کہ بکثرت چور پکڑ لئے گئے ہیں، بڑے بڑے جیل خانے ان سے بھر گئے ہیں، بہت سے اموال مسروقہ برآمد کر لئے گئے ہیں اور سراغِ رسانی کا ایک باقاعدہ انتظام موجود ہے جس سے آئندہ بھی چور پکڑے جاسکتے ہیں۔ لیکن تعجب کی بات ہوگی اگر کسی کے لئے یہی اطلاع اُلٹی بے اطمینانی کا موجب ثابت ہو اور وہ اسے بدامنی کے ثبوت میں پیش کرنے لگے۔ بے شک بڑی مثالی حالت امن ہوتی، اگر چوری کا سرے سے کبھی وقوع ہی نہ ہوتا۔ بلاشبہ اس طرح کی واردات ہو جانے سے کچھ نہ کچھ بے اطمینانی تو پیدا ہو ہی جاتی ہے، لیکن مکمل حالتِ امنِ زندگی کے اور کس معاملے میں ہم کو نصیب ہے جو یہاں ہم اسے طلب



کریں۔ جس حالت پر ہم دنیا میں بالعموم مطمئن رہتے ہیں، اس کے لئے اتنا امن کافی ہے کہ چوروں کی اکثریت پکڑ کر بند کر دی جائے اور جو قلیل تعداد بھی آزاد پھر رہی ہو، اس کے پکڑے جانے کا معقول انتظام موجود ہو۔ کیا ہمارے سپریم کورٹ کے فاضل جج سنت کے معاملے میں اتنے امن پر قانع نہیں ہو سکتے؟ کیا وہ اس مکمل امن سے کم کسی چیز پر راضی نہیں ہیں جس میں سرے سے چوری کے وقوع ہی کا نام و نشان نہ پایا جائے.....؟

## روایات کی صحت جانچنے کے اصول

آخر میں فاضل محترم تحریر فرماتے ہیں:

”میں اس معاملے میں بھی افراط و تفریط کا قائل نہیں۔ سنن متواتر جن کا تعلق طریق عبادات مثلاً نماز یا مناسک حج وغیرہ سے ہے، ان کی حیثیت مصنون و مامون ہے۔ لیکن باقی ماندہ مواد احادیث، روایت کے ساتھ درایت کے اصولوں پر پرکھا جانا چاہئے پیشتر اس کے کہ اس کی حجیت قبول کی جائے، میں تاریخی تنقید کا قائل ہوں۔“

یہ ایک حد تک صحیح نقطہ نظر ہے لیکن اس میں چند امور ایسے ہیں جن پر میں آں محترم کو مزید غور و فکر کی دعوت دوں گا۔ جس تاریخی تنقید کے وہ قائل ہیں، فن حدیث اسی تنقید ہی کا تو دوسرا نام ہے۔ پہلی صدی سے آج تک اس فن میں یہی تنقید ہوتی رہی ہے اور کوئی فقیہ یا محدث اس بات کا قائل نہیں رہا ہے کہ عبادات ہوں یا معاملات، کسی مسئلے کے متعلق بھی رسول اللہ ﷺ سے نسبت دی جانے والی کسی روایت کو تاریخی تنقید کے بغیر حجت کے طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ یہ فن حقیقت میں اس تنقید کا بہترین نمونہ ہے اور جدید زمانے کی بہتر سے بہتر تاریخی تنقید کو بھی مشکل ہی سے اس پر کوئی اضافہ و ترقی (Improvement) کہا جاسکتا ہے۔ بلکہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ محدثین کی تنقید کے اصول اپنے اندر ایسی نزاکتیں اور باریکیاں رکھتے ہیں جن تک موجودہ دور کے ناقدین تاریخ کا ذہن بھی ابھی تک نہیں پہنچا ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر میں بلاخوف تردید یہ کہوں گا کہ دنیا میں صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت و سیرت اور ان کے دور کی تاریخ کا ریکارڈ ہی ایسا ہے جو اس کڑی تنقید کے معیاروں پر کسا جانا برداشت کر سکتا تھا جو محدثین نے اختیاری کی ہے، ورنہ آج تک دنیا کے کسی انسان اور کسی دور کی تاریخ بھی ایسے ذرائع سے محفوظ نہیں رہی ہے کہ ان سخت معیاروں کے آگے ٹھہر سکے اور اس کو قابل تسلیم تاریخی ریکارڈ مانا جاسکے۔ مجھے افسوس ہے کہ ہمارے جدید زمانے کے اہل علم اس فن کا تحقیقی مطالعہ نہیں کرتے اور قدیم طرز کے اہل علم جو اس میں بصیرت رکھتے ہیں، وہ اس کو عصر حاضر کی زبان اور اسالیب بیان میں پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اسی

وجہ سے باہر والے تو درکنار خود ہمارے اپنے گھر کے لوگ آج اس کی قدر نہیں پہچان رہے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ علوم حدیث میں سے اگر صرف ایک علل حدیث ہی کے فن کی تفصیلات سامنے رکھ دی جائیں تو دنیا کو معلوم ہو کہ تاریخی تنقید کس چیز کا نام ہے؟ تاہم میں یہ کہوں گا کہ مزید اصلاح و ترقی کا دروازہ بند نہیں ہے۔ کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ روایات کو جانچنے اور پرکھنے کے جو اصول محدثین نے اختیار کئے ہیں، وہ حرف آخر ہیں۔ آج اگر کوئی ان کے اصولوں سے اچھی طرح واقفیت پیدا کرنے کے بعد ان میں کسی کمی یا خامی کی نشاندہی کرے اور زیادہ اطمینان بخش تنقید کے لئے کچھ اصول معقول دلائل کے ساتھ سامنے لائے تو یقیناً اس کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ ہم میں سے آخر کون یہ نہ چاہے گا کہ کسی چیز کو رسول اللہ ﷺ کی سنت قرار دینے سے پہلے اس کے سنت ثابتہ ہونے کا تین حاصل کر لیا جائے اور کوئی کچی پکی بات حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب نہ ہونے پائے۔

### درایت کی حقیقت

احادیث کے پرکھنے میں روایت کے ساتھ درایت کا استعمال بھی، جس کا ذکر محترم مکتوب نگار نے کیا ہے، ایک متفق علیہ چیز ہے۔ اگرچہ درایت کے مفہوم، اصول اور حدود میں فقہاء و محدثین کے مختلف گروہوں کے درمیان اختلاف رہے ہیں، لیکن بجائے خود اس کے استعمال پر تقریباً اتفاق ہے اور دور صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک اسے استعمال کیا جا رہا ہے البتہ اس سلسلے میں جو بات پیش نظر رہنی چاہئے اور مجھے امید ہے کہ فاضل مکتوب نگار کو بھی اس سے اختلاف نہ ہوگا، وہ یہ ہے کہ درایت صرف انہی لوگوں کی معتبر ہو سکتی ہے جو قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کے مطالعہ و تحقیق میں اپنی عمر کا کافی حصہ صرف کر چکے

☆ یہاں نشان زدہ جملہ خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ فن حدیث میں ترمیم اور اضافہ کی اجازت اسے ہی دی جاسکتی ہے جو پہلے فن حدیث میں مہارت حاصل کر کے 'اہل فن' بن جائے، وہ محدثین کی خدمات کا اعتراف کرنے کے ساتھ اس فن میں انہی کے انداز میں مزید بہتری کا خواہش مند ہو۔ مثلاً اس دور میں علامہ البانی کی فن حدیث میں حیثیت مسلمہ رہی ہے، ان جیسی امتیاز صحابہ نہ شان رکھنے والا اگر کوئی ترمیم و اضافہ کرنا چاہتا ہے تو وہی اضافہ فن حدیث میں اضافہ معتبر ہوگا۔ دیگر علوم میں بھی دنیا بھر میں یہی اصول چلتا ہے کہ ماہر فن ہی ترمیم و اضافہ کے مجاز ہوتے ہیں۔

اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں نکلتا کہ فن حدیث سے ناواقف شخص 'اصلاح' کے نام پر فن حدیث کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دے جیسا کہ اکثر منکرین حدیث کا اصل مقصد تو دین بیزاری اور عقل و فلسفہ پر اندھا اعتماد ہوتا ہے لیکن وہ اس کا اظہار احادیث کی تنقید کے نئے اصول پیش کر کے کرتے ہیں۔ بعض کو عربی لغت کا لیکا ہوتا ہے اور بعض کو اپنے خانہ ساز مفہوم کو شریعت بنانے کا چسکا اور اس مقصد کے لئے وہ اپنا سارا زور تحقیق احادیث پر نکالتے ہیں۔ یہ روکی کسی طور مناسب نہیں، بالخصوص اس کم علمی کے دور میں، ترمیم و اصلاح کی عمومی اجازت دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دے گی۔

ہوں، جن میں ایک مدت کی ممارست نے ایک تجربہ کار جوہری کی سی بصیرت پیدا کر دی ہو اور خاص طور پر یہ کہ جن کی عقل اسلامی نظام فکر و عمل کے حدود اربعہ سے باہر کے نظریات، اصول اور اقدار لے کر اسلامی روایات کو ان کے معیار سے پرکھنے کا رجحان نہ رکھتی ہو۔ بلاشبہ عقل کے استعمال پر ہم کوئی پابندی نہیں لگا سکے، نہ کسی کہنے والے کی زبان پکڑ سکتے ہیں لیکن بہر حال یہ امر یقینی ہے کہ اسلامی علوم سے کورے لوگ اگر انٹری پن کے ساتھ کسی حدیث کو خوش آئند پا کر قبول اور کسی کو اپنی مرضی کے خلاف پا کر رد کرنے لگیں یا اسلام سے مختلف کسی دوسرے نظام فکر و عمل میں پرورش پائے ہوئے حضرات یکا یک اٹھ کر اجنبی معیاروں کے لحاظ سے احادیث کے رد و قبول کا کاروبار پھیلا دیں تو مسلم ملت میں نہ ان کی درایت مقبول ہو سکتی ہے اور نہ اس ملت کا اجتماعی ضمیر ایسے بے سکتے عقلی فیصلوں پر کبھی مطمئن ہو سکتا ہے۔ اسلامی حدود میں تو اسلام ہی کی تربیت پائی ہوئی عقل اور اسلام کے مزاج سے ہم آہنگی رکھنے والی عقل ہی ٹھیک کام کر سکتی ہے۔ اجنبی رنگ و مزاج کی عقل یا غیر تربیت یافتہ عقل بجز اس کے کہ انتشار پھیلائے، کوئی تعمیری خدمات اس دائرے میں انجام نہیں دے سکتی۔

☆ مولانا کے ہاں درایت کے اسی کھلے مفہوم سے جو عقل، رائے اور ذوق کو بھی شامل ہو، علمائے اہل حدیث کو شدید اختلاف رہا ہے۔ مولانا کا یہ کہنا کہ ”جن میں ایک مدت کی ممارست نے ایک تجربہ کار جوہری کی سی بصیرت پیدا کر دی ہو.....“ دوسرے لفظوں میں یہ ایک ایسے میزان پر حدیث کے پورا اترنے کا تقاضا ہے جس کی ذاتی حیثیت خود مولانا کے نزدیک متمدد اور مستحکم نہیں۔ چنانچہ مولانا مودودیؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

”یہ چیز (مذکورہ سوئی) چونکہ سراسر ذوق ہے اور کسی ضابطہ کے تحت نہیں آتی، نہ آسکتی ہے۔ اس لئے اس میں اختلاف کی گنجائش پہلے بھی تھی، اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گی..... پھر یہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ ایک شخص کا ذوق لامحالہ دوسرے شخص کے ذوق سے کلیہً مطابق ہی ہو۔“ (تہبہات: ص ۳۲۴)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ”ذوق کسی ضابطہ کے تحت نہیں آتا اور نہ ہی آسکتا ہے بلکہ ہر ایک کا ذوق اپنا اپنا ہے۔ اس لئے اس میں اختلاف کی گنجائش پہلے بھی رہی، اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔“

اگر مولانا کے اس تصور درایت کو مان لیا جائے تو یہ رفع اختلاف نہیں بلکہ اختلافات کی ایک ابتدا ہوگی۔ اسی تصور درایت پر تنقید کرتے ہوئے حافظ عبداللہ محدث روپڑی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

”..... جب ذوق ایک قسم کا مزاج ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے گہرے مطالعہ سے پیدا ہوتا ہے تو وہ کون سی سنت ہے جس میں گہرے مطالعہ سے یہ مزاج پیدا ہوگا؟ اگر تو وہ سنت ایسی ہے جو سندا صحیح ہو اور آپ کے ذوق کی تعمیر کرے، ظاہر ہے کہ اس سنت کی صحت سندا ہی ہوگی کیونکہ وہ اس ذوق سے پہلے آپ کو پہنچ چکی ہوگی۔ تو برائے مہربانی اس ذوق کو پرے ہی رکھیں اور اسی صحت پر اکتفا کریں جو اس سے پہلے آپ کو حاصل تھی..... اسی طرح کتاب اللہ میں بھی گہرا مطالعہ بغیر سنت کے نہیں ہو سکتا کیونکہ سنت کتاب اللہ کی تفسیر ہے پس آپ کا ذوق بے وقت کی راگنی ہے۔“

## سنت کے معتبر ہونے کے دلائل

سنت کی جو تقسیم محترم مکتوب نگار نے ”سنن متواتر جن کا تعلق طریق عبادت سے ہے“ اور ”باقی ماندہ مواد احادیث“ میں کی ہے، اور ان میں سے مقدم الذکر کو مصنون و مامون اور مؤخر الذکر کو محتاج تنقید قرار دیا ہے، اس سے اتفاق کرنا بھی ہمارے لئے مشکل ہے۔ بظاہر اس تقسیم میں جو تصور کام کر رہا ہے، وہ یہ ہے کہ جو طریقے نبی اکرم ﷺ نے عبادات کے متعلق سکھائے تھے، وہ تو امت میں عملاً جاری ہو گئے اور نسل کے بعد نسل ان کی پیروی کرتی رہی، اس لئے یہ ’متواتر‘ سنن محفوظ رہ گئیں، باقی رہے دوسرے معاملات زندگی تو ان میں حضور اکرم ﷺ کی ہدایات نہ عملاً جاری ہوئیں، نہ ان پر کوئی نظام تمدن و معاشرت کام کرتا رہا، نہ وہ بازاروں اور منڈیوں میں رائج ہوئیں، نہ عدالتوں میں ان پر فیصلے ہوئے، اس لئے وہ بس متفرق لوگوں کی سینہ بسینہ روایات تک محدود رہ گئیں اور یہی مواد ایسا ہے کہ اب اس میں بڑی دیدہ ریزی کے بعد قابل اعتبار چیزیں تلاش کرنی ہوں گی۔ فاضل مکتوب نگار کا تصور اگر اس کے سوا کچھ اور ہے تو میں بہت شکر گزار ہوں گا کہ وہ میری غلط فہمی رفع کر دیں۔ لیکن اگر یہی ان کا تصور ہے تو میں عرض کروں گا کہ ..... یہ تاریخ سنت کی واقعی صورت حال سے مطابقت نہیں رکھتا!!

اصل حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے عہد نبوت میں مسلمانوں کے لئے محض ایک پیرومرشد اور واعظ نہیں تھے بلکہ عملاً ان کی جماعت کے قائد، رہنما، حاکم، قاضی، شارح، مربی، معلم سب کچھ تھے۔ اور عقائد و تصورات سے لے کر عملی زندگی کے تمام گوشوں تک مسلم سوسائٹی کی پوری تشکیل آپ ہی کے بتائے سکھائے اور مقرر کئے ہوئے طریقوں پر ہوئی تھی۔ اس لئے یہ کبھی نہیں ہوا کہ آپ نے نماز، روزے اور مناسک حج کی جو تعلیم دی ہو، بس وہی مسلمانوں میں رواج پا گئی ہو، اور باقی باتیں محض وعظ و ارشاد میں مسلمان سن کر رہ جاتے ہوں۔ بلکہ فی الواقع جو کچھ ہوا وہ یہ تھا کہ جس طرح آپ ﷺ کی سکھائی ہوئی نماز فوراً مسجدوں میں رائج ہوئی اور اسی وقت جماعتیں اس پر قائم ہونے لگیں، ٹھیک اسی طرح شادی بیاہ اور طلاق و وراثت کے متعلق جو قوانین آپ ﷺ نے مقرر کئے، انہی پر مسلم خاندانوں میں عمل شروع ہو گیا، لیکن دین کے جو ضابطے آپ ﷺ نے مقرر کئے، انہیں بازاروں میں چلن ہونے لگا، مقدمات کے جو فیصلے آپ ﷺ نے کئے، وہی ملک کا قانون قرار پائے، لڑائیوں میں جو معاملات آپ ﷺ نے دشمنوں کے ساتھ اور فتح پاکر مفتوح علاقوں کی آبادی کے ساتھ کئے، وہی مسلم مملکت کے ضابطے بن گئے اور فی الجملہ اسلامی معاشرہ اور اس کا نظام حیات اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ انہی سنتوں پر قائم ہوا جو آپ ﷺ نے یا تو خود رائج کیں یا جنہیں پہلے کے مروج طریقوں میں سے بعض کو برقرار رکھ کر آپ ﷺ

نے سنتِ اسلام کا جز بنا لیا۔ یہ وہ معلوم و متعارف سنتیں تھیں جن پر مسجد سے لے کر خاندان، منڈی، عدالت، ایوانِ حکومت اور بین الاقوامی سیاست تک مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے تمام ادارات نے حضورِ اکرم ﷺ کی زندگی ہی میں عملدرآمد شروع کر دیا تھا اور بعد میں خلفائے راشدین کے عہد سے لے کر دورِ حاضر تک ہمارے اجتماعی ادارات کا ڈھانچہ انہی پر قائم ہے۔

پچھلی صدی تک تو ان ادارات کے تسلسل میں ایک دن کا انقطاع بھی واقع نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد اگر کوئی انقطاع رونما ہوا ہے تو صرف حکومت و عدالت اور پبلک لاء کے ادارات عملاً درہم برہم ہو جانے کی وجہ سے ہوا ہے۔ اگر آپ 'متواتر' سنتوں کی محفوظیت کے قائل ہیں تو عبادات اور معاملات دونوں سے تعلق رکھنے والی یہ سب معلوم و متعارف سنتیں متواتر ہی ہیں۔ ان کے معاملے میں ایک طرف حدیث کی مستند روایات اور دوسری طرف امت کا متواتر عمل، دونوں ایک دوسروں سے مطابقت رکھتے ہیں۔ ان میں مسلمانوں کی بے راہ روی سے جو الحاقی چیز بھی کبھی داخل ہوئی ہے، علماءِ امت نے اپنے اپنے دور میں بروقت 'بدعت' کی حیثیت سے اس کی الگ نشاندہی کر دی ہے اور قریب قریب ہر ایسی بدعت کی تاریخ موجود ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد کس زمانے سے اس کا رواج شروع ہوا، مسلمانوں کے لئے ان بدعات کو سننِ متعارف سے تمیز کرنا کبھی مشکل نہیں رہا ہے۔

## اخبارِ احاد کی حیثیت

ان معلوم و متعارف سنتوں کے علاوہ ایک قسم سنتوں کی وہ تھی جنہیں حضورِ اکرم ﷺ کی زندگی میں شہرت اور رواج عام حاصل نہ ہوا تھا، جو مختلف اوقات میں حضورِ اکرم ﷺ کے کسی فیصلے، ارشاد، امر و نہی، تقریر و اجازت یا عمل کو دیکھ کر یا سن کر خاص خاص اشخاص کے علم میں آئی تھیں اور عام لوگ ان سے واقف نہ ہو سکے تھے۔ یہ سنتیں عبادات اور معاملات دونوں ہی طرح کے امور سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ ان کا تعلق صرف معاملات سے تھا۔ ان سنتوں کا علم جو متفرق افراد کے پاس بکھرا ہوا تھا، امت نے اس کو جمع کرنے کا سلسلہ حضورِ اکرم ﷺ کی وفات کے بعد فوراً ہی شروع کر دیا۔ کیونکہ خلفاء، حکام، قاضی، مفتی اور عوام سب اپنے اپنے دائرہ کار میں پیش آمدہ مسائل کے متعلق کوئی فیصلہ یا عمل اپنی رائے اور استنباط کی بنا پر کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری سمجھتے تھے کہ اس معاملے میں آنحضرت ﷺ کی کوئی ہدایت تو موجود نہیں ہے۔ اسی ضرورت کی خاطر ہر اس شخص کی تلاش شروع ہوئی جس کے پاس سنت کا کوئی علم تھا، اور ہر اس شخص نے جس کے پاس ایسا کوئی علم تھا خود بھی اس کو دوسروں تک پہنچانا اپنا فرض سمجھا۔ یہی روایت حدیث کا نقطہ آغاز ہے اور ۱۱ ہجری سے تیسری چوتھی صدی تک ان

متفرق سنتوں کو فراہم کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔

موضوعات گھڑنے والوں نے ان کے اندر آمیزش کرنے کی جتنی بھی کوششیں کیں وہ قریب قریب سب ناکام ہو گئیں، کیونکہ جن سنتوں سے کوئی حق ثابت یا ساقط ہوتا تھا، جن کی بنا پر کوئی چیز حرام یا حلال ہوتی تھی، جن سے کوئی شخص سزا پا سکتا تھا یا کوئی ملزم بری ہو سکتا تھا، غرض یہ کہ جن سنتوں پر احکام اور قوانین کا مدار تھا، ان کے بارے میں حکومتیں اور عدالتیں اور افتاء کی مسندیں اتنی بے پروا نہیں ہو سکتی تھیں کہ یوں ہی اٹھ کر کوئی شخص 'قال النبی ﷺ' کہہ دیتا اور ایک حاکم یا جج یا مفتی اسے مان کر کوئی حکم صادر کر ڈالتا۔ اسی لئے جو سنتیں احکام سے متعلق تھیں، ان کے بارے میں پوری چھان بین کی گئی، سخت تنقید کی چھلنیوں سے ان کو چھانا گیا، روایت کے اصولوں پر بھی انہیں پرکھا گیا اور درایت کے اصولوں پر بھی، اور وہ سارا مواد جمع کر دیا گیا جس کی بنا پر کوئی روایت مانی گئی ہے یا رد کر دی گئی ہے تاکہ بعد میں بھی ہر شخص اس کے رد و قبول کے متعلق تحقیقی رائے قائم کر سکے۔

ان سنتوں کا ایک معتد بہ حصہ فقہاء اور محدثین کے درمیان منفق علیہ ہے اور ایک حصے میں اختلافات ہیں۔ بعض لوگوں نے ایک چیز کو سنت مانا ہے اور بعض نے نہیں مانا۔ مگر اس طرح کے تمام اختلافات میں صدیوں اہل علم کے درمیان بحثیں جاری رہی ہیں اور نہایت تفصیل کے ساتھ ہر نقطہ نظر کا استدلال، اور وہ بنیادی مواد جس پر یہ استدلال مبنی ہے، فقہ اور حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ آج کسی صاحب علم کے لئے بھی مشکل نہیں ہے کہ کسی چیز کے سنت ہونے یا نہ ہونے کے متعلق تحقیق سے خود کوئی رائے قائم کر سکے۔ اس لئے میں نہیں سمجھتا کہ سنت کے نام سے متوحش ہونے کی کسی کے لئے بھی کوئی معقول وجہ ہو سکتی ہے۔ البتہ ان لوگوں کا معاملہ مختلف ہے جو اس شعبہ علم سے واقف نہیں ہیں اور جنہیں بس دور ہی سے حدیثوں میں اختلافات کا ذکر سن کر گھبراہٹ لاحق ہو گئی ہے!!

## احکامی احادیث کی امتیازی حیثیت

اس سلسلے میں یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ احادیث میں جو مواد احکام سے متعلق نہیں ہے بلکہ جس کی نوعیت محض تاریخی ہے، یا جو فتن، ملاحم، رفاق، مناقب، فضائل اور اسی طرح کے دوسرے امور سے تعلق رکھتا ہے، اس کی چھان بین میں وہ عرق ریزی نہیں کی گئی ہے جو احکامی سنتوں کے باب میں ہوئی ہے۔ اس لئے موضوعات نے اگر راہ پائی بھی ہے تو زیادہ تر انہی ابواب کی روایات میں پائی ہے۔ احکامی سنتیں بے اصل اور جھوٹی روایتوں سے تقریباً بالکل ہی پاک کر دی گئی ہیں۔ ان سے تعلق رکھنے والی روایتوں میں ضعیف خبریں تو ضرور موجود ہیں مگر موضوعات کی نشاندہی مشکل ہی سے کی جاسکتی

ہے اور اخبارِ ضعیفہ میں سے بھی جس کسی کو فقہ کے کسی سکول نے قبول کیا ہے، اس بنا پر کیا ہے کہ اس کے نزدیک وہ قرآن سے، سنن متعارفہ کے جانے پہچانے نظام سے، اور شریعت کے جامع اصولوں سے مناسبت رکھتی ہے۔

محترم مکتوب نگار کی چند سطروں پر یہ تفصیلی تبصرہ میں نے صرف اس لئے کیا ہے کہ یہ سطر میں کسی عام آدمی کے قلم سے نہیں نکلی ہیں بلکہ ایک ایسے بزرگ کے قلم سے نکلی ہیں جنہیں ہمارے سپریم کورٹ کے جج کی بلند پوزیشن حاصل ہے۔ سنت کی شرعی و قانونی حیثیت کے متعلق اس پوزیشن کے بزرگوں کی رائے میں ذرہ برابر بھی کوئی کمزور پہلو ہو تو وہ بڑے دور رس نتائج پیدا کر سکتا ہے۔

قریب کے زمانے میں سنت کے متعلق عدلیہ کی بعض دوسری بلند پایہ شخصیتوں کے ایسے ریمارکس بھی سامنے آئے ہیں جو صحیح نقطہ نظر سے مطابقت نہیں رکھتے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ جو باتیں میں نے اس تبصرے میں عرض کی ہیں، انہیں فاضل مکتوب نگار ہی نہیں، ہمارے دوسرے حکامِ عدالت بھی اسی بے لاگ نگاہ سے ملاحظہ فرمائیں جس کی ہم اپنی عدلیہ سے توقع رکھتے ہیں۔

(’ترجمان القرآن‘ بابت دسمبر ۱۹۵۸ء)

مولانا عبدالخالق محمد صادق  
مرکز دعوتہ الجالیات، کویت

حجیت حدیث

## مقام حدیث اور بزم طلوع اسلام، کویت

’اصول حدیث‘ کی رو سے حدیث اور سنت دو مترادف اصطلاحات ہیں جن سے مراد نبی اکرم ﷺ کے اقوال و افعال اور تقریرات ہیں، گویا حدیث یا سنت قرآن کریم کی عملی تفسیر اور بیان و تشریح کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو نازل کر کے اس کے احکامات کی عملی تطبیق کے لئے نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کو نمونہ قرار دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱)

”بے شک رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ میں آپ کے لئے بہترین نمونہ اور اسوہ ہے۔“

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قرآنی احکامات کی تفصیل اور عملی تفسیر لوگوں کے سامنے پیش کی تاکہ اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق قرآنی تعلیمات پر عمل کیا جاسکے۔

نبی اکرم ﷺ کو نسل انسانی ہی سے مبعوث کرنے کی غرض و غایت بھی یہی ہے کہ لوگوں کے لئے آپ کی اقتداء و اتباع ممکن ہو سکے۔ ارشاد باری ہے: ﴿قُلْ لَوْ كَانَتْ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْسُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا﴾ (نبی اسرائیل: ۹۵)

”اے پیغمبر! فرما دیجئے کہ اگر زمین پر فرشتے چلتے پھرتے اور رہتے بستے ہوتے تو ہم بھی ان کے پاس کسی آسمانی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔“

چنانچہ رسول یا نبی کا کام صرف لا کر کتاب تمہا دینا یا پڑھ کر سنا دینا ہی نہیں بلکہ اس کی تفہیم اور عملی تطبیق پیش کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل ہے اور اسوہ کا مفہوم بھی یہی ہے۔

### ’اسوہ‘ کا مفہوم

أسوة یا اسوة عربی زبان کا لفظ ہے اور آسا سے مصدر ہے جس کا مطلب القدوة یعنی قابل اقتداء چیز ہے۔ عرب کہتے ہیں: ”فلان یأتمسی بفلان ای یرضی لنفسه ما رضیه ویقتدی به وکان فی مثل حاله“ کہ ”فلاں نے فلاں کو اسوہ بنایا یعنی اس نے اپنے مقتدی اور آئیڈیل کی پسند کو اپنی پسند سمجھا اور ہر حال میں اس کی نقل کرنے کی کوشش کی“۔ اور ”ولی فی فلان أسوة ای قدوكم“ فلاں میرا اسوہ یعنی آئیڈیل ہے۔“ (لسان العرب: لفظ آسا ۳۲۱۴)



امام راغب فرماتے ہیں: ”ہی الحالۃ التی یکون الانسان علیہا فی اتباع غیرہ“  
 ”کسی کو اُسوہ بنانے سے مراد انسان کی وہ حالت ہے جس میں وہ اپنے مقتدی کی پیروی کے  
 وقت ہوتا ہے۔“ (المفردات فی غریب القرآن، ص ۶۸)

لہذا لغت عرب میں اُسوہ سے مراد کسی کے اقوال و افعال اور عملی زندگی ہے۔

طلوع اسلام کے سربراہ مسٹر پرویز اُسوہ حسنہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جو شخص رسول اللہ ﷺ کے ارشاد یا کسی عمل کی صداقت سے انکار کرتا ہے، میرے نزدیک وہ  
 مسلمان ہی نہیں کہلا سکتا۔ اس لئے کہ حضور ﷺ کے ارشادات و اعمال سے وہ ماڈل ترتیب پاتا ہے  
 جسے خدا نے اُسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔ اُسوہ حسنہ سے انکار نہ صرف انکار رسالت ہے بلکہ ارشادِ خداوندی  
 سے انکار ہے۔ اس انکار کے بعد کوئی شخص کیسے مسلمان رہ سکتا ہے۔“ (مضمون ’سوچا کرو‘: ص ۱۱)

قارئین ذرا غور فرمائیے، اُسوہ حسنہ کے مفہوم کی تعیین میں چنداں فرق نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا  
 پرویز صاحب نے یہ بیان سادہ لوح مسلمانوں کو فریب میں مبتلا کرنے کے لئے دیا ہے؟ جیسا کہ طلوع  
 اسلام کی روش ہے کہ ماہنامہ ’طلوع اسلام‘ کے ٹائٹل پر ’بخاری و مسلم‘ کی حدیث درج ہوتی ہے اور  
 مندرجات سب کے سب احادیث کے رد میں ..... یا پھر واقعتاً ان کا یہی عقیدہ ہے!!

اگر واقعتاً ان کا یہی ایمان ہے تو پھر ہم سوال کرنے کی جسارت کریں گے کہ چلو آپ کے بقول  
 آپ کے ارشادات تو ہوئے قرآن کریم کی شکل میں ہیں، لیکن آپ کے اعمال کون سے ہیں؟ ان کا پتہ  
 کیسے چلے گا؟ کیونکہ آپ کے بقول احادیث تو آپ ﷺ سے دو صدیاں بعد میں لکھی گئیں ہیں؟  
 احادیث کے بارے میں ایسا منفی رویہ رکھنے کے بعد جناب پرویز کے اس فرمان کا کیا بنے گا.....!!  
 ”جو شخص رسول اللہ ﷺ کے ارشاد یا کسی عمل کی صداقت سے انکار کرتا ہے میرے نزدیک وہ  
 مسلمان ہی نہیں کہلا سکتا۔“

## قرآن و حدیث میں باہمی ربط

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حدیث رسول مقبول ﷺ قرآن پاک کا بیان اور تفسیر ہے۔ دونوں  
 آپس میں لازم و ملزوم اور من جانب اللہ ہیں اور ان میں سے کسی ایک کا انکار دوسرے کے انکار کے  
 مترادف ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم کو نازل کرنے کا مقصد ہی یہی ہے کہ اس کے احکام پر عمل کیا جائے  
 اور جب تک اس دستورِ کامل کے جامع الفاظ کی تشریح نہیں کی جائے گی تب تک اللہ کی منشا کے مطابق اس  
 پر عمل کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ قرآن کی تشریح و توضیح کی چند ممکنہ صورتیں ہو سکتی ہیں:

پہلی صورت: ہر شخص کو یہ حق دے دیا جائے کہ وہ اپنی مرضی سے اس کی تشریح کرے، لیکن یہ نظریہ

کئی لحاظ سے ناقابلِ قبول ہے: ① اسے بعثتِ انبیاء و رسل علیہم السلام کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے.....  
 ② ایسا کرنے سے اُمت بے شمار گروہوں میں بٹ جائے گی جو کہ روحِ اسلام کے منافی ہے۔ جیسا کہ  
 مکرینِ حدیث نماز کے سلسلے میں باہم مخالف اور بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہیں، حالانکہ ارشادِ باری  
 تعالیٰ ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو  
 اور تفرقہ میں نہ پڑو۔..... ③ اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق اس کے احکام پر عمل نہیں ہو سکے گا اور گمراہی  
 پھیلے گی..... ④ ﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ﴾ کا وجود ہی ختم ہو جائے گا، ہر ایک اپنی راہ  
 کو مستقیم قرار دے گا اور اپنی عقل کو عقلِ کل سمجھ کر نیا طرزِ جنوں ایجاد کر لے گا۔

**دوسری صورت:** یہ ہے کہ قرآن کی توضیح و تشریح نبی اکرم ﷺ اپنے دور میں اپنی ذاتی مرضی سے  
 کریں اور آپ کے بعد جو بھی مسلمانوں کا امام یا سربراہ یا مرکزِ ملت ہو وہ اپنی مرضی سے کرے، لیکن یہ  
 نظریہ بھی کئی لحاظ سے گمراہ کن ہے:

(۱) خود قرآن کریم اس نظریے کو غلط قرار دیتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو قرآن کی من مانی تعبیر کا  
 اختیار ہو۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النجم: ۳)

”اور وہ (یعنی نبی اکرم ﷺ) اپنی مرضی سے کوئی بات نہیں کہتے۔ ان کی بات تو صرف وہی  
 ہوتی ہے جو اتاری جاتی ہے۔“

اسی طرح جب نبی اکرم ﷺ نے کسی وجہ سے شہد نہ کھانے کی قسم کھالی تو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ  
 کو یہ تشبیہ فرمائی: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاةَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ  
 غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (التحریم: ۱)

”اے نبی (ﷺ)! جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال کر دیا ہے، آپ اسے کیوں  
 حرام کرتے ہیں؟..... کیا (اس لئے کہ) آپ اپنی ازواجِ مطہرات کی رضا چاہتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ  
 معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“

(۲) اس نظریہ سے اطاعتِ رسول اللہ ﷺ کا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے اور پرویز کے اس نظریہ کے  
 مطابق تو واجبِ اطاعتِ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس نہیں بلکہ ’مرکزِ ملت‘ یعنی وقت کی حکومت  
 واجبِ اطاعت قرار پاتی ہے۔ بلکہ وہی اللہ اور رسول ﷺ دونوں کا درجہ رکھتی ہے۔ چنانچہ پرویز صاحب  
 لکھتے ہیں:

”یہ تصور قرآن کی بنیادی تعلیم کے منافی ہے کہ اطاعتِ اللہ کے سوا کسی اور کی بھی ہو سکتی ہے حتیٰ  
 کہ خود رسول کے متعلق واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بتلا دیا گیا کہ اسے بھی قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ

لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے۔ لہذا اللہ اور رسول سے مراد وہ مرکز نظامِ اسلامی ہے جہاں سے قرآنی احکام نافذ ہوں۔“ (معراج انسانیت: ص ۳۱۸)

اور اسی کتاب کے صفحہ ۳۲۳ پر لکھتے ہیں:

”اس لئے مرکزِ ملت کو قرآن کریم میں اللہ اور رسول کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔“

قارئین! خود اندازہ فرمائیے کہ جب انسان اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق قرآن کی تفسیر کرتا ہے تو باقی احکام تو اپنی جگہ، خود اطاعتِ الہی اور اطاعتِ رسول اللہ ﷺ کے تصور کو ہی بدل دیتا ہے اور مرکزِ ملت یعنی سربراہانِ اسلامی مملکت کو ہی اُلُوہیت اور رسالت کے مقام پر فائز کر دیتا ہے۔

یہ نظریہ سرے سے ہی غلط ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی رسالت عالمگیر ہے اور آپ قیامت تک کے لئے مطاع و مقتدیٰ ہیں اور آپ کا اُسوۂ حسنہ قیامت تک کے لئے واجب الاتباع ہے۔

**تیسری صورت:** تیسری اور صحیح صورت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی منشا اور حکم کے مطابق قرآن کریم کی تہمین و تفسیر فرمائیں اور اس کا عملی نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کریں۔ جیسا کہ امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

فكان السنة بمنزلة التفسير والشرح لمعاني أحكام الكتاب (الموافقات ۱۰۶۴)  
”گو یا کہ حدیث کتاب اللہ کے احکام کی شرح و تفسیر ہے۔“

ویسے بھی معمولی سی عقل کا حامل شخص بھی آسانی سے یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ صاحبِ کلام ہی مرادِ کلام سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔ اس کے منقضی، مفہوم اور اسرار و رموز اور مقصود و مطلوب وہ خود بیان کرے تو تب ہی اس کی منشا کے مطابق تعمیل احکام ممکن ہوگی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دستورِ ابدی (قرآن کریم) کو نازل کر کے اس کے قوانین کی تمام شقوں کی توضیح بھی نبی اکرم ﷺ کو سکھادی تھی تاکہ اُمت کے لئے قانونِ الہی کی کسی شق میں ابہام باقی نہ رہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (النحل: ۴۴)  
”اور ہم نے آپ ﷺ پر ذکر اس لئے نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کو اس کے مطالب و مفاہیم بیان کریں اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔“

آیتِ مبارکہ میں لفظ لِتُبَيِّنَ کی لُ غایت کے لئے ہے یعنی نبی اکرم ﷺ کی بعثت کی غرض و غایت قرآنی احکام کی تہمین اور وضاحت ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بیانِ قرآن سے الگ چیز کا نام ہے اور اسی کو حدیث کہا جاتا ہے۔

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا﴾ (الانعام ۱۱۴)  
”اللہ وہ ذات ہے جس نے آپ کی طرف ایسی کتاب نازل کی جس کی تفصیل بیان کردی گئی ہے۔“

اس آیت مبارکہ میں لفظ مُفَصَّلًا عربی گرامر کی رو سے اَلْكِتَابُ سے حال بن رہا ہے اور حال و ذوالحال میں مغایرت ہونے کے قاعدہ سے پتہ چلتا ہے کہ ’تفصیل‘ اور ’الکتاب‘ دو الگ چیزیں ہونی چاہئیں اور وہ دوسری شے حدیث ہے۔

نیز دونوں آیات کریمہ سے واضح اور ظاہر ہے کہ کتاب کی تمیین و تفصیل بھی اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ مزید برآں قرآن کریم میں اس کی صراحت بھی موجود ہے۔ سورۃ القیامہ میں ہے: ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيِّنَاتًا﴾ (القیامہ: ۱۹) ”پھر اس کی تشریح بھی ہمارے ذمہ ہے۔“

گرامر کی رو سے آیت میں لفظ ثَمَّ تراخی کے لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے قرآن اتارا اور پھر اس کا بیان اتارا یعنی حدیث بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ اور سورۃ ہود میں ہے:

﴿أَلَمْ نَكْتُبْ أَكْثَرُ آيَاتِهِ ثُمَّ فَضَّلْنَا مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾ (ہود: ۱)

”یہ کتاب جس کی آیات محکم کی گئی ہیں اور پھر حکیم خبیر (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔“

اس آیت مبارکہ سے چند چیزیں ثابت ہوتی ہیں:

① کتاب اللہ کی آیات دو طرح کی ہیں:

(i) محکمات: مثلاً اوامر و نواہی اور حلال و حرام وغیرہ سے متعلق آیات۔

(ii) متشابہات: مثلاً حروف مقطعات اور اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ سے متعلق آیات وغیرہ۔ چنانچہ فرمان الہی ہے: ﴿وَمِنْ آيَاتٍ مُحْكَمَاتٍ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخْرُ مُتَشَابِهَاتٍ﴾ (آل عمران: ۷) ”قرآن کریم کی کچھ آیات محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں..... اور کچھ متشابہ۔“

② آیات محکمات کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ”فُضِّلَتْ“ یعنی ان کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے اور آیات متشابہات کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ﴾ کہ ”ان کی حقیقت اللہ کو معلوم ہے۔“ ہم ان کی حقیقت جاننے کے مکلف نہیں، ہمارا فرض بس ان پر ایمان لانا ہے۔

لہذا یہ دعویٰ از خود دم توڑ گیا کہ قرآن کریم میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے اور حدیث کے ذریعے اس کی تفصیل معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔

اب رہی یہ بات کہ آیات محکمات کی تفصیل کہاں ہے؟ تو مذکورہ آیات اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ ان کی تفصیل خود اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ پر اتاری اور آپ نے صحابہ کو بیان فرمائی جو کہ آپ کے فرامین کی شکل میں محفوظ ہے۔

لیکن جو لوگ اس بات کو نہیں مانتے ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ پھر قرآن کریم کے اس دعویٰ: ﴿ثُمَّ

إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴿١٠٠﴾ ثُمَّ فَصَّلَتْ ﴿١٠١﴾ كَمَا كَيْفَ مَطْلَبُ؟ اس دعویٰ کے مطابق وہ بیان اور تفصیل کہاں ہے؟  
مثلاً ﴿أَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ کا ہر مسلمان کو حکم ہے۔ نماز کی ہیئت، رکعات اور جزئیات کی وضاحت

کہاں ہے کہ ہم کیسے، کتنی اور کب نماز ادا کریں؟

① اسی طرح ﴿آتُوا الزَّكَاةَ﴾ کا حکم ہے، اب زکوٰۃ کے نصاب، مقدار اور کس پر زکوٰۃ ہے کس

پر نہیں..... اس کی تفصیل قرآن کریم میں کہاں ہیں؟

② اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا

مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهْلًا لِّغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ (الانعام: ۱۴۵)

”کہو کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں، میں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے حرام نہیں

پاتا بجز اس کے کہ مردہ ہوا جانور ہو یا بہتا لہو یا سور کا گوشت کہ یہ سب ناپاک ہیں یا کوئی گناہ کی

چیز ہو کہ اس پر اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔“

اور انہی چیزوں کا ذکر سورۃ المائدہ کی آیت ۳ میں بھی کیا گیا ہے، اسی طرح سورۃ المائدہ میں ہے:

﴿أُحْلِلْتُ لَكُمْ بَهِيمَةَ الْأَنْعَامِ﴾ (المائدہ: ۱)

”تمہارے لئے چوپائے (چرنے والے جانور) حلال کر دیئے گئے ہیں۔“

لغت میں بہیمۃ الأنعام کا اطلاق اونٹنی، اونٹ، گائے، بیل، بکری، بکرا، بھیڑ اور مینڈھا پر ہوتا

ہے اور تفسیر قرآن میں بھی انہی چیزوں کا ذکر ہے۔

اگر احادیث حجیت نہیں ہیں تو مندرجہ ذیل سوالات کا جواب ہمیں کہاں سے ملے گا؟

① قرآن کریم نے مہیتہ یعنی از خود مر جانے والے جانور کو حرام قرار دیا ہے؟ اب منکرین حدیث

سے سوال ہے کہ مچھلی جب پانی سے باہر آتی ہے تو مر جاتی ہے، بالخصوص فریزر کی ہوئی مچھلیاں۔ تو اس کا

کیا حکم ہے۔ اگر حلال کہتے ہو تو پھر اس کو قرآن سے ثابت کیا جائے یا حرام ہونے کا فتویٰ دیا جائے۔

اگر اس کی حلت کو قرآن سے ثابت نہیں کر سکتے تو پھر نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کو مان لو:

أُحْلِلْتُ لَنَا مَيْتَتَانِ: السَّمَكُ وَالْجُرَادُ (مسند احمد: ۷۹۲، فتح الباری: ۲۳۱/۹)

”اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے دو مردار حلال قرار دیئے ہیں: مچھلی اور مکڑی“

② مردہ جانور، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور حرام قرار دیا گیا ہے

اور بہیمۃ الأنعام کو حلال۔

اب بتائے کہ کتا، بلی، گیدڑ، شیر، چیتا، ہاتھی، رینگھ، شکر اور چیل حلال ہیں یا حرام؟ قرآن کریم

میں ان کی وضاحت کہاں ہے؟ جبکہ قرآن کریم میں ہے کہ

﴿قُلْ لَا أُجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ﴾ (الانعام: ۱۴۵)

”میں مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کے علاوہ قرآن

میں کھانے والوں کے لئے کوئی چیز حرام نہیں پاتا“

③ لہذا اگر قرآن میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور احادیث پر آپ کو یقین نہیں ہے تو قرآن سے ان

جانوروں کو حرام ثابت کریں یا پھر ان کے حلال ہونے کا فتویٰ دیں؟ ورنہ اس حدیث کی حجیت کو تسلیم کر لیں:

كل ذي ناب من السباع وكل ذي مخلب من الطير (مسند احمد: ۳۳۲۱، ۴، ۱۹۳)

”ہر بھکی والا جانور اور ہر پنچے سے شکار کرنے والا پرندہ حرام ہے۔“

④ پرویز صاحب کا دعویٰ ہے کہ:

”جو احادیث قرآن کے خلاف نہیں، میں انہیں صحیح سمجھتا ہوں۔“ (شاہکار رسالت، ص ۴۹)

اس بنا پر پرویزی فکر کے حاملینے ہمارا سوال یہ ہے کہ جن احادیث مبارکہ میں نماز اور زکوٰۃ کی

تفصیل موجود ہیں، وہ قرآن کریم کی کس آیت مبارکہ کے خلاف ہیں؟ اگر وہ احادیث قرآن کے خلاف

نہیں تو پرویز نے ﴿وَيَقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ﴾ (البقرہ: ۳) کا درج ذیل مفہوم کہاں سے لیا ہے؟

”اس مقصد کے لئے یہ لوگ اس نظام کو قائم کرتے ہیں جس میں تمام افراد تو انین خداوندی کا

اتباع کرتے جائیں۔“ (مفہوم القرآن: ۳۱)

یعنی ’اقامتِ صلوٰۃ‘ سے مراد ایک نظام قائم کرنا ہے، رکوع و سجود اور قیام و قعود پر مشتمل نماز مراد نہیں

ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ

”قرآن کریم کی خاص اصطلاح ’اقامتِ صلوٰۃ‘ ہے جس کے عام معنی نماز قائم کرنا یا نماز پڑھنا

کئے جاتے ہیں۔ لفظ صلوٰۃ کا مادہ ’صل‘ ہے جس کے بنیادی معنی کسی کے پیچھے پیچھے چلنے کے ہیں

اس لئے صلوٰۃ میں تو انین خداوندی کے اتباع کا مفہوم شامل ہوگا۔ بنا بریں اقامتِ صلوٰۃ سے مفہوم

ہوگا ایسے نظام یا معاشرے کا قیام جس میں تو انین خداوندی کا اتباع کیا جائے۔“

(مفہوم القرآن: جلد اول، ص ۷)

جب ایک چیز کے مفہوم کا تعین خود صاحب قرآن نے کر دیا ہے تو پھر اپنی طرف سے اس مفہوم کے

خلاف ایک نیا نظریہ پیش کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اسی طرح ’زکوٰۃ‘ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”زکوٰۃ کا مراد مفہوم یہ ہے کہ اپنی دولت میں سے ایک خاص شرح کے مطابق روپیہ نکال کر

خیرات کے کاموں میں صرف کیا جائے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس میں بھی زکوٰۃ کے قرآنی مفہوم کی

ایک جھلک پائی جاتی ہے، لیکن قرآن کریم نے اسے ان خاص معانی میں استعمال نہیں کیا۔“

(مفہوم القرآن، جلد اول، ص ۷)

ان تصریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پرویز کا یہ دعویٰ کہ ”جو شخص رسول اللہ ﷺ کے ارشاد یا کسی

عمل کی صداقت سے انکار کرتا ہے میرے نزدیک وہ مسلمان ہی نہیں کہلا سکتا۔“ اسی طرح اس کا یہ کہنا کہ ”جو احادیث قرآن کے خلاف نہیں، میں انہیں صحیح سمجھتا ہوں۔“ محض دھوکہ دہی پر مبنی ہے۔ مذکورہ تمام دلائل یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ قرآن کی طرح حدیث بھی وحی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے آخری منتخب پیغمبر ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔

## قرآن کریم کی طرح حدیث بھی محفوظ ہے؟

بدیہی سی بات ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کا مقصد تب ہی پورا ہوگا کہ اس کی تشریح و توضیح بھی محفوظ ہو کیونکہ مقصود تو عمل کرنا ہے اور معروف قاعدہ ہے: وما لا یتیم الواجب إلا بہ فہو واجب ”جس کے بغیر واجب کی تکمیل نہ ہو، وہ خود بھی واجب ہوتا ہے۔“

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن و سنت (حدیث) دونوں کو قیامت تک کے لئے محفوظ کرنے کا انتظام فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (سج: ۹) ”بے شک ہم نے ذکر اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں“

یہاں اللہ تعالیٰ نے لفظ قرآن اور الكتاب کی بجائے لفظ ’الذکر‘ استعمال کیا ہے جو حدیث کو بھی شامل ہے کیونکہ قرآن مجید میں یہ لفظ نبی ﷺ کے لئے بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ سورۃ الطلاق کی آیت ﴿وَآنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ الذِّكْرَ، رَسُوْلًا يَنْتَلُوْا عَلَيْكُمْ.....﴾ میں رسول ’ذکر‘ سے بدل ہے۔

یہی سبب ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سوا کائنات میں کوئی فرد و بشر ایسا نہیں جس کی کامل سیرت اور سوانح حیات محفوظ ہوں۔ جو اس بات کی بین دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی سنت کی حفاظت کی ہے۔

## کیا موضوع روایات گھڑ لینا اس بات کو مستلزم ہے کہ حدیث غیر محفوظ ہے؟

اگر کسی کے بعض موضوع روایات کو گھڑ لینے سے پوری احادیث مبارکہ کو ترک کرنا لازم آتا ہے تو پھر تو قرآن کریم کی آیات بھی گھڑنا ثابت شدہ ہے، کیا اسے بھی غیر محفوظ سمجھا جائے۔ چنانچہ یہ امر تاریخی طور پر ثابت شدہ ہے کہ مسیلمہ کذاب نے اپنی طرف سے کچھ عبارات وضع کر کے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ قرآن ہے جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔ (الہدایہ والنہایہ: ۱۵/۵)

اسی طرح ۱۹۹۹ء میں انٹرنیٹ پر بعض لوگوں نے قرآن کے مشابہ عبارات بنا کر انہیں ’سورۃ المسلمون‘ اور ’سورۃ التمسد‘ کے نام سے شائع کیا تھا۔ (دیکھئے مجلہ الوعي عدد ۱۳۳، صفر ۱۴۱۹ھ)

تو کیا اس سے قرآن پاک کی صداقت پر کوئی حرف آیا ہے؟ ہرگز نہیں، کیونکہ قرآن کے ماہرین اور حفاظ نے فوراً اس کی تردید کی۔

اسی طرح اگر کسی نے موضوع روایات بنائی تھیں تو ان سے حدیث کی صداقت پر کوئی حرف نہیں آتا کیونکہ محدثین کرام نے لوگوں کو ان وضعی اور من گھڑت روایات سے متنبہ کر دیا ہے۔ اسی لئے جب حضرت عبداللہ بن مبارک کے سامنے اس خطرے کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا تھا:

”تعیش لها الجہابذة“ (الباعث الحثیث، تدریب الراوی)

کہ ”ماہرین حدیث موجود ہیں جو لوگوں کو موضوع روایات سے آگاہ کریں گے۔“

## کیا احادیث، نبی ﷺ کی وفات کے کافی عرصہ بعد لکھی گئیں؟

مسٹر پرویز لکھتے ہیں:

”یہ کوششیں رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بہت عرصہ بعد شروع ہوئیں۔ مثلاً ان مجموعوں میں سب سے زیادہ مستند مجموعہ امام بخاری کا سمجھا جاتا ہے، وہ حضورؐ کی وفات کے دو اڑھائی سو سال بعد مرتب ہوا تھا۔ یہ مجموعے کسی سابقہ تحریری ریکارڈ سے مرتب نہیں ہوئے تھے۔ زبانی روایات جمع کی گئی تھیں۔“ (اسباب زوالِ اُمت، ص ۶۳)

اس بیان سے چند چیزیں سامنے آتی ہیں:

- احادیث دیر سے مرتب ہوئیں۔
- سابقہ ریکارڈ نہیں تھا زبانی جمع کی گئیں۔
- سب سے پہلے امام بخاری نے احادیث جمع کیں۔

قارئین! پرویز صاحب نے سادہ لوح مسلمانوں کو بڑے پرکشش انداز میں فریب میں مبتلا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ذرا غور فرمائیے کہ کیا دیر سے کسی چیز کو مرتب کر کے پیش کرنا عیب ہے؟ اگر عیب ہے تو پھر فرمائیے کہ قرآن کریم میں کتنے ہزار سال بعد گذشتہ اُمت کے واقعات ہمارے سامنے بیان کئے گئے؟ اور دوسری بات کہ کیا کسی چیز کا تحریری ریکارڈ نہ ہونا اور صرف حفظ اور یاد ہونا اس چیز کی اہمیت کو ختم کر دیتا ہے؟

ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنے قائدین کی ہر ہر ادا کو حفظ کر لیتے ہیں تو کیا نبی اکرم ﷺ پہ جان فدا کرنے والے صحابہ کرامؓ جنہیں اپنے تو اپنے، گھوڑوں تک کے نسب نامے اور کارنامے بھی از بر تھے اور وہ عرب جنہیں اپنے حافظے پر نانا تھا، کیا وہ اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کے الفاظ کو یاد نہ رکھ سکے ہوں گے؟ اور پھر نبی ﷺ کی یہ ترغیب بھی تھی کہ ”نضر اللہ امرأ سمع مقالتي فوعاها“ (ترمذی ۲۶۵۸، مسند احمد ۸۰/۳) اور پھر نبی اکرم ﷺ بالا بہتمام صحابہؓ کو احادیث مبارکہ یاد کرواتے تھے اور صحابہ کرام اس اعتقاد کے ساتھ احادیث یاد کرتے کہ وہ قرآن کریم کی تفسیر ہیں اور ان کے بغیر قرآن پر عمل کرنا ناممکن



ہے۔ حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ

مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رات کو سوتے وقت یہ دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی: "اللهم أسلمت وجهي إليك وفوضت أمري إليك وألجأت ظهري إليك رغبة ورهبة إليك لا ملجأ ولا منجأ منك إلا إليك، آمنت بكتابك الذي أنزلت وبنبيك الذي أرسلت" فرماتے ہیں: میں نے چاہا کہ اس دعا کو آپ کے سامنے دہراؤں تاکہ اچھی طرح یاد ہو جائے تو میں نے ساری دعا آپ کو ہو بہو سنا دی، صرف "بنبيك" کی جگہ "برسولك" کہہ دیا تو آپ نے فرمایا: "لا وبنبيك الذي أرسلت" کہ ایسے نہیں بلکہ ویسے پڑھو جیسے میں نے آپ کو سکھایا یعنی "بنبيك" (صحیح البخاری مع الفتح: ۱۲: ۱۱، حدیث ۶۳۱۱)

اس روایت سے چند باتیں سامنے آتی ہیں:

نبی اکرم ﷺ اپنی احادیث مبارکہ کی مہمیت کا اہتمام کے ساتھ صحابہ کرامؓ کو سکھاتے تھے۔

صحابہ کرامؓ کا حافظہ اتنا مضبوط تھا کہ جو کچھ سنتے، فوراً حفظ ہو جاتا۔

صحابہ کرامؓ احادیث سننے کے آپ ﷺ سے تصحیح کروایا کرتے تھے۔

صحابہ کرامؓ نہایت اہتمام سے نبی اکرم ﷺ کے الفاظ کو از بر کرنے کی کوشش کرتے اور خود نبی اکرم ﷺ بھی صحابہ سے اس کا اہتمام کروایا کرتے۔ اگر بنییک کی جگہ رسولک کہہ بھی دیا جاتا

تو خلاف واقعہ نہ تھا، کیونکہ آپ ﷺ نبی بھی تھے اور رسول بھی۔ چونکہ اللہ کی طرف نازل شدہ الفاظ بنییک تھے، اس لئے آپ ﷺ نے وہی الفاظ سکھائے۔\*

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ

”ہم تقریباً ساٹھ آدمی نبی اکرم ﷺ کے پاس ہوتے اور آپ ﷺ ہمیں احادیث سکھاتے۔ پھر

جب آپ تشریف لے جاتے تو ہم آپس میں مذاکرہ کیا کرتے تھے اور جب ہم فارغ ہوتے تو وہ

احادیث پاک ہمارے دلوں پہ نقش ہو چکی ہوتی تھیں۔“ (الفقیہ والمتفقہ)

اور حضرت علیؓ اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے:

تذاکروا الحدیث فإنکم إن لم تفعلوا یبندرس (الفقیہ والمتفقہ)

”احادیث کا مذاکرہ کیا کرو (یعنی ایک دوسرے کو سنا کر یاد کیا کرو)۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو

حدیث آپ کو بھول جائے گی۔“

☆ اس حدیث کے پیش نظر روایت بالمعنی پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ روایت بالمعنی محدثین کے ہاں متفقہ طور پر جائز

ہے۔ البتہ بعض صورتوں میں حدیث نبوی کے الفاظ کو من و عن روایت کرنا ضروری ہوتا ہے جیسے ذکر وادکار، ورد ووظائف

اور حدیث قدسی وغیرہ، چونکہ اس حدیث میں بھی دعائیہ کلمات ہیں، اس لئے الفاظ کی پابندی ضروری ہے۔ (محدث)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ، اور ان کے شاگرد تابعین عظام بڑے اہتمام کے ساتھ احادیث مبارکہ کو یاد کرتے تھے اور پھر ان کے اور امام بخاریؒ کے درمیان فاصلہ ہی کتنا تھا؟ نبی اکرم ﷺ کے آخری صحابہ ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے اور امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ لیکن پرویز صاحب اس کو اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں، گویا درمیان میں صدیوں کا فاصلہ تھا اور پھر احادیث کو یاد کرنے کا اہتمام بھی نہیں تھا تاکہ لوگوں کو تاثر دیا جاسکے کہ محدثین نے اپنی طرف سے باتیں گھڑ کر نبی ﷺ کی طرف منسوب کی ہیں۔ اب رہا یہ دعویٰ کہ احادیث کا سابقہ تحریری ریکارڈ موجود نہیں تھا تو یہ سراسر باطل، لغو اور خلاف واقعہ ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ خود احادیث لکھوایا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے مروی ہے کہ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس احادیث لکھا کرتا تھا تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کبھی غصے میں ہوتے ہیں اور کبھی خوشی میں تو تم ہر بات لکھ لیتے ہو۔ چنانچہ میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور آپ ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

أکتب فو الذی نفسی ببیدہ ما یخرج منه إلا الحق (مسند احمد: ۱۶۲۲)

”احادیث لکھا کرو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس منہ سے حق کے سوا دوسری بات نہیں نکلتی۔“

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ احادیث لکھوایا کرتے تھے اور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ہی بہت سے صحابہ کرامؓ کے پاس تحریری شکل میں احادیث موجود تھیں۔ مثلاً

(۱) صحیفہ حضرت فاطمہ الزہراءؓ (۲) نسخہ حضرت ابو بکر صدیقؓ جس میں زکوٰۃ کے احکام درج تھے، (۳) نوشتہ ہائے سعد بن عبادہؓ، (۴) احادیث التفسیر لابی بن کعبؓ، (۵) نوشتہ عمر بن خطابؓ، (۶) صحیفہ عبداللہ بن مسعودؓ، (۷) نوشتہ ابی رافعؓ، (۸) صحیفہ صادقہ از حضرت علیؓ، (۹) کتاب الفرائض لیزید بن ثابتؓ، (۱۰) کتاب مغیرہ بن شعبہؓ، (۱۱) کتاب عمرو بن حزم انصاریؓ، (۱۲) صحیفہ سمرۃ بن جندبؓ، (۱۳) صحیفہ صادقہ از حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ، (۱۴) صحیفہ عبداللہ بن عباسؓ، (۱۵) صحیفہ رافع بن خدیجؓ، (۱۶) صحیفہ جابر بن عبداللہؓ، (۱۷) صحیفہ شمعون بن یزیدؓ، (۱۸) نوشتہ انس بن مالکؓ، (۱۹) صحیفہ ہمام بن منیہؓ جو انہوں نے اپنے استاد حضرت ابو ہریرہؓ سے لکھا تھا۔

نیز صحیح بخاری سے پہلے ان صحف کے علاوہ یعنی تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی کئی کتابیں لکھی جاسکتی تھیں۔ صحیفہ معمر، موطا امام مالک، موطا امام محمد، کتاب الآثار، کتاب الخراج، مسند الشافعی، کتاب الام، مسند احمد، مسند اسحاق بن راہویہ، مسند الحمیدی، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق وغیرہ۔ اسی طرح عبداللہ بن مبارک، حضرت کعب اور علی بن مدینی رحمہم اللہ کی کتب لکھی جاسکتی تھیں۔

## کیا جامعین حدیث سب ایرانی تھے؟

مسٹر پرویز شاہکار رسالت میں عنوان قائم کرتے ہیں

”جامعین حدیث سب ایرانی تھے۔“ (شاہکار رسالت: ص ۵۰۳)

جب مقصود ہی فرامین رسول ﷺ کی مخالفت ہو تو پھر آدمی لوگوں کو فریب دینے کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ فرض کیجئے! اگر ایران کا کوئی آدمی قرآن مجید حفظ کر لے تو کیا ہم اس لئے قرآن کا انکار کر دیں گے کہ اس کا حافظہ ایرانی ہے۔ یہ عجیب منطقی ہے؟ رہی یہ بات کہ کیا واقعی جامعین حدیث سب ایرانی تھے یا عجمی تھے تو یہ سراسر جھوٹ ہے جو پرویز کی مسند تحقیق سے بولا گیا ہے۔  
(مولانا صفی الرحمن مبارکپوری نے عرب اور عجم محدثین کی الگ الگ فہرست تیار کر دی ہے اور اس اعتراض پر طویل بحث کی ہے، دیکھئے صفحہ نمبر )

## فتنہ انکار حدیث کی تاریخ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

فجر اسلام ہی سے دینِ حقہ کے خلاف سازشوں کا آغاز ہوا اور چراغِ مصطفوی کو گل کرنے کی سرٹوڑ کوششیں ہوتی رہی ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دشمنانِ اسلام کے مکروہ عزائم اور ریشہ دوانیوں سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ (التوبہ: ۳۲)

دشمنانِ اسلام اس نورِ الہی کو بجھا دینا چاہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کی سازشوں کے علی الرغم اس نور (دینِ اسلام) کی حفاظت کرے گا \* پھونکوں سے یہ چراغِ بجھایا نہ جائے گا  
سب سے پہلے جس شخص نے رداۓ نبوت میں نقب زنی کی، وہ ملعونِ مسلمہ کذاب تھا جس نے ۱۰ ہجری میں نبی اکرم ﷺ کی طرف خط لکھا اور اپنی نبوت کا اعلان کیا۔ تو نبی اکرم ﷺ نے اس ملعون اور دجال کو یہ جواب لکھا تھا:

”من محمد رسول الله ﷺ إلى مسيلمة الكذاب، سلام على من اتبع الهدى أما بعد

فإن الأرض لله يورثها من يشاء من عباده والعاقبة للمتقين (الہدایہ و انتھایہ: ۵۱/۵)

”یہ زمین اللہ ہی کی ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور صرف اللہ سے ڈرنے

والوں کا ہی انجام بخیر ہوتا ہے۔“

نبی ﷺ کی وفات کے بعد کئی مدعی نبوت اٹھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان تمام کو کفر کر دار تک پہنچایا اور باقی فتنوں کی طرح یہ فتنہ بھی دب گیا۔ پھر شہادتِ فاروقِ اعظمؓ تک دوبارہ کسی فتنے کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہو سکی، لیکن ان کی شہادت کے بعد پھر فتنوں اور سازشوں نے سر نکالنا شروع کر دیا۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ پیشین گوئی فرما چکے تھے اور آپ کی ہر پیشین گوئی نصف النہار کے آفتاب کی طرح واضح اور برحق ثابت ہوئی جو کہ فرمانِ رسول کریم ﷺ کی صداقت اور حجیت حدیث کی بین دلیل ہے۔

## خوارج اور انکارِ حدیث

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد سر اٹھانے والے فتنوں میں سے ایک فتنہ خوارج کا تھا۔ انہوں نے اپنی مرضی سے قرآن کریم کی تفسیر کی اور صحابہ کرامؓ اجمعین کے اجتماعی عقیدے سے انحراف کیا اور واقعہ تحکیم میں ﴿إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ﴾ کی خود ساختہ تشریح کر کے حضرت علیؓ، حضرت معاویہ اور حکمّین پر کفر اور شرک کا فتویٰ لگایا اور ایسا ہی پر حضرت علی المرتضیٰؓ کے خلاف بغاوت کر دی۔ تو اس وقت حضرت علیؓ نے فرمایا تھا: ”کلمۃ حق اُرید بها الباطل کذ“ یہ فتنہ پرور لوگ اللہ تعالیٰ کے مقدس فرمان کی آڑ میں اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں۔“

چنانچہ امام شوکانیؒ نے اپنی کتاب ’فتح القدر‘ کے مقدمہ میں ایک روایت ذکر کی ہے کہ جب حضرت علیؓ نے ابن عباسؓ کو خوارج سے مناظرہ کے لئے بھیجا تو ان سے فرمایا:

”خوارج کے پاس جاؤ لیکن یاد رکھنا کہ ان سے قرآن کی بنیاد پر مناظرہ نہ کرنا کیونکہ قرآن کئی پہلوؤں کا حامل ہے، بلکہ سنت کی بنیاد پر ان سے گفتگو کرنا۔ ابن عباسؓ نے جواب دیا: میں کتاب اللہ کا ان سے زیادہ عالم ہوں۔ فرمایا: تمہاری بات بجا لیکن قرآن کئی پہلوؤں کا حامل اور کئی معانی کا حامل ہے۔“ (مقدمہ فتح القدر)

پھر ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ نے ان لوگوں کے سامنے آیت ﴿إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ﴾ کی وہ تفسیر بیان کی جو انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے سیکھی تھی اور ان پر واضح کیا کہ ان کا نظریہ غلط ہے تو یہ لوگ لا جواب ہو گئے۔ (سیر اعلام النبلاء)

امام ابن حزمؒ خوارج کے بارے میں ’الفصل فی الملل والنحل‘ میں فرماتے ہیں:

كانوا أعراباً قرءوا القرآن ولم يتفقهوا في السنن (۱۶۸/۳)  
”یہ دیہاتی لوگ تھے جنہوں نے قرآن تو پڑھا مگر سنت میں تفقہ حاصل نہ کیا۔“

**صحابہ کی طرف سے اس نظریہ کا رد:** یہ وہ نقطہ آغاز تھا جس میں حدیث و سنت سے استغنا کا ذہن دیا گیا۔ چونکہ صحابہ کا عقیدہ تھا کہ جس طرح قرآن مجید اللہ کی طرف سے نازل کر دیا ہے، اسی طرح اس کا

بیان اور تفصیل بھی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے، اس لئے انہوں نے اس نظریہ کی بھرپور تردید کی۔ چنانچہ حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمران بن حصینؓ اپنے شاگردوں کو حدیث پڑھا رہے تھے تو ایک شخص نے کہا: ”لا تحدثونا إلا بالقرآن کہ ہمیں صرف قرآن ہی کے متعلق بتائیے تو آپؐ نے اسے قریب بلایا اور اس سے کہا

”اگر آپ اور آپ کے ہم خیال لوگوں کو صرف قرآن پر چھوڑ دیا جائے تو کیا تم قرآن کریم سے ظہر کے چار فرض اور مغرب کے تین فرض، جن میں سے دو میں قراءت جبراً ہوگی، کو ثابت کر سکتے ہو؟ کیا تم قرآن کریم سے طواف بیت اللہ اور صفا و مروہ کی سعی کے سات چکروں کا ثبوت پیش کر سکتے ہو؟“ پھر تمام حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا:

”اے لوگو! ہم سے علم سیکھو۔ اللہ کی قسم! اگر اپنی مرضی کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔“

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس شخص نے صحابی رسول حضرت عمرانؓ کی بات سن کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور بطور شکر یہ کہنے لگا: ”أحییتنی أحياءك الله“ اللہ آپ کی عمر دراز کرے آپ نے میرے دل مردہ میں تازگی پیدا کر دی اور میری آنکھیں کھول دی ہیں“ (الکفایہ فی علم الروایہ، المستدرک للحاکم) خوارج چونکہ حضرت علیؓ کے خلاف ہو گئے تھے، اس لئے انہوں نے حضرت علیؓ کے فضائل میں واردہ تمام احادیث کا انکار کر دیا۔ پھر ان کے مقابلے میں ایک دوسرا گروہ پیدا ہوا، جس نے اہل بیتؑ کے علاوہ دیگر صحابہ کرامؓ کے فضائل میں وارد شدہ تمام احادیث کا انکار کر دیا۔

## معتزلہ اور انکار حدیث

اس فرقہ کا بانی واصل بن عطا (۱۳۱ھ) ہے۔ اس نے اہل سنت کے مد مقابل حدیث کی بجائے عقل کو بنیاد بنایا، اس وجہ سے یہ لوگ معتزلہ کے نام سے معروف ہوئے۔ چونکہ یہ لوگ صفات الہی کے منکر تھے، اس لئے انہوں نے ان احادیث کو ماننے سے انکار کر دیا جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات باکمال کا ذکر تھا۔

**مسٹر پرویز اور معتزلہ کا باہم اشتراک:** نظریہ انکار حدیث درحقیقت وہی فتنہ اعتزال ہے جو ایک نئے روپ میں ظاہر ہوا ہے، چنانچہ مسٹر پرویز معتزلہ کے ساتھ اپنی نسبت ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وحي متلو اور غیر متلو“ (مثلاً معہ) کا عقیدہ امام شافعیؒ نے وضع کیا تھا۔ (لیکن جن لوگوں کے ذہن میں دین کا صحیح تصور اور دل میں قرآن مجید کے لاشریک لہ ہونے کی عظمت تھی انہوں نے اس نئے عقیدے کی مخالفت کی اور کہا کہ دین میں سند اور حجت صرف قرآن ہے۔ جیسا کہ قدامت پرست طبقہ کا قاعدہ ہے، انہوں نے ان لوگوں پر معتزلہ کا لیبل لگایا اور پھر ان کے خلاف اس قدر پروپیگنڈہ کیا کہ آج جو شخص عقل و فکر کی بات کرے اور اس کے دلائل کا جواب ان سے نہ بن پڑے، اس کے متعلق اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ وہ معتزلہ ہے۔“ (شاہکار رسالت: صفحہ ۵۰۱)

مسٹر پرویز صاحب کا یہ بیان معتزلہ کے ساتھ ان کی نظریاتی ہم آہنگی کی واضح دلیل ہے اور ان کا یہ بیان ظاہر کرتا ہے کہ پرویزیت بھی اسی سلسلہ اعتزال کی ایک کڑی ہے۔ فتنہ اعتزال کا امام شافعیؒ نے مردانہ وار مقابلہ کیا۔ ان کے رد میں کتابیں لکھیں اور مناظروں کے ذریعہ انہیں لاجواب کیا۔

### جہمیہ اور انکار حدیث

اس فرقہ کا بانی جہم بن صفوان تھا۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات دونوں کے منکر تھے، لہذا انہوں نے ان تمام احادیث کو ماننے سے انکار کر دیا جن میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ جلیلہ کا ذکر تھا۔ یہ انکار حدیث یونانی فلسفہ سے مرعوب ہو کر رو بہ عمل آیا۔

### انکار حدیث مختلف ادوار میں

اس کے بعد مختلف ادوار میں کئی شخصیات نے مختلف طریقوں سے وحی الہی کے بعض حصوں کا انکار کیا، کسی نے اپنی عقل کو ہی سب کچھ سمجھ کر ان نصوص کا انکار کر دیا جو اس کی سمجھ سے بالاتر تھیں، کسی نے اصول و فروع کا چکر چلا کر احادیث متواترہ کو لیا اور آحاد کا انکار کر دیا، کسی نے عقائد کے باب میں خبر آحاد تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو کسی نے ہوائے نفس کی پیروی میں اپنے مطلب کی احادیث قبول کیں اور باقی کو رد کر دیا۔ مختلف ادوار میں کسی نہ کسی صورت میں احادیث مبارکہ سے گریزاں رہنے والوں میں سے چند عرب شخصیات یہ ہیں: ڈاکٹر احمد امین، اسماعیل ادہم، حسین احمد امین، محمود ابوریہ، السید صالح ابوبکر، احمد ذکی پاشا۔ (زوالغ فی وجہ السنۃ)

اور برصغیر میں مرزا غلام احمد قادیانی، سرسید احمد خان اور ان سے متاثر ہونے والوں میں سے مولوی چراغ علی، محبت الحق عظیم آبادی، احمد دین امرتسری، مولوی نذیر احمد، اسلم جیرا چپوری اور مسٹر غلام احمد پرویز اور اس فکر کے حاملین چند معاصرین حضرات۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو آئینہ پرویزیت از مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمہ اللہ۔

### چکڑالوی فرقہ

چودھویں صدی میں احادیث مبارکہ کا کھلم کھلا انکار عبداللہ چکڑالوی صاحب نے کیا اور اپنے گروہ کا نام ’اہل قرآن رکھا۔ آپ ضلع گورداسپور کے موضع چکڑالہ میں پیدا ہوئے، اس نسبت سے چکڑالوی کہلاتے ہیں۔ (آئینہ پرویزیت، ص ۱۳۱)..... ان کے بارے میں دیگر کتب میں یوں لکھا ہے:

”چکڑالوی صاحب لنگڑا ہونے کے باعث لکڑی کے ایک تخت پوش (آریکے) پر ٹیک لگائے علم حدیث کی مخالفت کرتے رہتے تھے۔ سرسید کی طرح علوم دینیہ اور عربیہ سے تو جاہل تھے ہی، فکری

اعتبار سے بھی مفلس تھے۔ البتہ ان کو گمراہی پھیلانے کے لئے ایک اچھا عنوان ضرور مل گیا یعنی کہ ”قرآن ایک کامل کتاب ہے“؛ جو ذہین ملحدین اور اس جیسے تیسرے درجے کے لوگوں کے لئے کافی جاذب ہوا۔“ (برق اسلام، صفحہ ۷)

چکڑالوی کا یہ سراپا پڑھنے کے بعد احادیث کی صحت پر یقین اور زیادہ پختہ ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ کی بیان کردہ پیشین گوئی ان پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ چنانچہ حضرات ابورافع سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے بعد ایک ایسا آدمی ہوگا جو اپنی مسند (اریکھ) پر ٹیک لگا کر بیٹھے گا۔ جب اس کے پاس اوامر و نواہی پر مشتمل میری احادیث پہنچیں گی تو وہ کہے گا: میں نہیں جانتا، ہم تو صرف وہی بات مانیں گے جو قرآن میں ہوگی اور غیر قرآنی تصورات ہم نہیں مانتے۔“ مولانا اسماعیل سلطی فرماتے ہیں:

”متکئا“ کا مصداق زیادہ تر امیر لوگ ہوتے ہیں اور حدیث چونکہ قرآن کے احکام کی تعیین کرتی ہے اور مقید اور پابند بناتی ہے اس لئے وہ دین سے آزاد ہونے کے لئے سب سے پہلے حدیث کا انکار کریں گے۔ ہمارے ملک میں انکار حدیث کی بدعت مولوی عبداللہ چکڑالوی نے پیدا کی۔ وہ اپنا حج تھا، اس کی ٹانگیں خراب تھیں، چل پھر نہیں سکتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے پیشگوئی میں اس کی جو شکل اور حلیہ بتایا، واقعی وہ ظالم اسی حلیہ کا تھا۔ اس کے بعد جو لوگ انکار حدیث کی تحریک کو چلا رہے ہیں، وہ سب عموماً جاہل اور متکبر ہیں۔ کسی نے بھی حدیث کو ”فن“ کے طور پر حاصل نہیں کیا، (مشکوٰۃ شریف مترجم از مولانا محمد اسماعیل سلطی، ج ۱ صفحہ ۲۲۳، ۲۲۴)

## پروفیسر اسلم جیراچپوری اور اس کے تربیت یافتہ مسٹر غلام احمد پرویز

عبداللہ چکڑالوی کے بعد جن لوگوں نے اس فکر کو پھیلا یا اور نئے نئے شبہات پیدا کر کے سادہ لوح مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کی کوشش کی، ان میں سے احمد دین امرتسری اور پروفیسر اسلم جیراچپوری وغیرہ ہیں اور اسی پروفیسر اسلم کے فیض یافتہ مسٹر غلام احمد پرویز ہیں جس کا اظہار انہوں نے خود کیا ہے، لکھتے ہیں:

”آج اسی سرزمین میں علامہ اسلم جے راج پوری مدظلہ العالی کی قرآنی فکر برگ و بار لاری ہے۔ جنہوں نے اپنی عمر عزیز اسی جہاد کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں تادیر سلامت رکھے تاکہ ہم ان کے تدبرنی القرآن کے نتائج سے مستفیض ہو سکیں۔ میرے کاشانہ فکر میں، سلیم! اگر کوئی چمکتی ہوئی کرن دکھائی دیتی ہے تو وہ انہی کے جلائے ہوئے دیپوں کا فروغ ہے۔“ (دیکھئے: سلیم کے نام سزھواں خط)

## کویت میں بزم طلوع اسلام کی سرگرمیاں

کویت میں پرویزی فکر کے حاملین حضرات ’بزم طلوع اسلام‘ کے نام سے پرویزیت کی اشاعت

- میں سرگرم ہیں، جیسا کہ بزم طلوع اسلام، کویت کے شائع کردہ تعارف سے واضح ہے کہ ”بمختصر..... مسلمانوں کے قلب و دماغ سے ہر قسم کے غیر قرآنی تصورات، نظریات و معتقدات نکال کر ان کی جگہ خالص قرآنی تصورات پیش کرنا اور دلائل و براہین کی رو سے پیش کرنا طلوع اسلام کا مطلوب و مقصود ہے۔“ (طلوع اسلام کا مقصد و مسلک: ص: ۱۶)
- کویت میں پرویزیت یا طلوع اسلام کی سرگرمیوں کو درج ذیل نکات میں پیش کیا جاسکتا ہے:
- ① ہفتہ وار درس قرآن کا اہتمام جس میں مسٹر پرویز کی ویڈیو کیسٹ کے ذریعے حاضرین کو قرآن کریم سے متعلق پرویز کی ذاتی آرا پر مبنی گمراہ کن افکار کی تعلیم دی جاتی ہے اور اخبارات کے ذریعے ان پروگراموں کی تشہیر کی جاتی ہے۔
  - ② پرویز کے لٹریچر سے لوگوں کو متعارف کروایا جاتا ہے اور درس و پروگرام میں پرویز کی فکر پر مشتمل لٹریچر تقسیم کیا جاتا ہے۔
  - ③ مسٹر پرویز کی وڈیو، آڈیو کیسٹ لوگوں تک پہنچانا اور طلوع اسلام کے مضامین لوگوں میں تقسیم کرنا۔
  - ④ بذریعہ فیکس اور ڈاک لوگوں کے ایڈریس حاصل کر کے انہیں اپنا لٹریچر مفت ارسال کرنا۔
  - ⑤ مناسب مواقع پر خصوصی اجتماع منعقد کرنا مثلاً: پاکستان ڈے، اقبال ڈے، یوم آزادی کویت وغیرہ اور اس میں کویت اور پاکستان کی بڑی بڑی شخصیات مثلاً اراکین اسمبلی، سفیر پاکستان وغیرہ کو مدعو کرنا اور اس طرح اپنا اثر و رسوخ بڑھانا اور ان سے اپنے پروگرام کے حق میں تعریفی کلمات کھلوانا اور لوگوں کے اجتماع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان میں اپنا لٹریچر تقسیم کرنا۔
  - ⑥ سکولز کے طلباء و طالبات تک اپنا لٹریچر پہنچانا بلکہ ان کے خلاف فتویٰ شائع ہونے سے قبل تو پرویز کی فکر کے حامل اساتذہ کھلم کھلا بحث مباحثہ کرتے رہتے تھے اور بعض سکولوں میں تو ان کے پروگرام منعقد ہونا شروع ہو گئے تھے۔
  - ⑦ لوگوں کی رہائش گاہوں پر جا کر انفرادی ملاقاتوں میں سادہ لوح مسلمانوں کے ذہن میں انکار حدیث کی فکر مسموم بھرنے اور حدیث کے متعلق شکوک شبہات پیدا کر کے انہیں قرآن و سنت سے دور کرنا اور الحاد و بے دینی کی دعوت دینا۔
  - ⑧ طلوع اسلام لائبریری جس سے مطالعہ کے لئے کتب جاری کی جاتی ہیں۔
- انہی سرگرمیوں کے پیش نظر ان کے اعتقادات سے کویت کی وزارت اوقاف کو مطلع کیا گیا تو انہوں نے ان کے اعتقادات کے تفصیلی مطالعہ کے بعد انہیں کافر قرار دیا۔ بزم طلوع اسلام نے وزارت اوقاف سے شائع شدہ اس فتویٰ کی تردید کرتے ہوئے وزارت اوقاف سے استدعا بھی کی تھی کہ فتویٰ غلط



معلومات پر مبنی ہے، لہذا اس پر نظر ثانی کی جائے اور اسی طرح عدالت سے رجوع کرنے کی شنید بھی ملی لیکن اس کے بارے میں کسی حتمی بات کا علم نہیں ہوا۔

اللہ کے فضل و کرم سے کویت میں ایسی فکر کے حاملین کی تعداد بہت محدود ہے اور علمائے حق لوگوں کو اس پر فریب پروگرام کے خطرات سے آگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ الحمد للہ!

## پرویزیت کی تردید میں علماء کی سرگرمیاں

① **مرکز دعوتہ الجالیات:** مرکز اپنے تمام دروس اور خطبات جمعۃ المبارک میں یہ اہتمام کرتا ہے کہ لوگوں میں اہمیت حدیث کا شعور بیدار کیا جائے اور دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا جائے کہ قرآن و سنت آپس میں لازم و ملزوم ہیں اور دونوں میں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے۔ چنانچہ حجیت حدیث کے اثبات اور انکار حدیث کی تردید میں مرکز کی خدمات درج ذیل ہیں:

۱۔ جنوری ۱۹۹۴ء میں علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدیؒ مرکز دعوتہ الجالیات کی دعوت پر کویت تشریف لائے اور حجیت حدیث کے موضوع پر جامع پروگرام کیا۔ نیز طلوع اسلام کے چند افراد نجی محفلوں میں شیخ کے پاس سوال و جواب کے لئے گئے اور شیخ نے ان کے شبہات کے مسکت جوابات دیے۔

۲۔ مولانا عبداللہ ناصر رحمانی، کراچی کا قریبہ میں حجیت حدیث سیمینار سے جامع اور مدلل خطاب جو دو آڈیو کیسٹ پر مشتمل ہے، جس میں انہوں نے تفصیلاً منکرین حدیث کے شبہات کا ذکر کرتے ہوئے دلائل سے ان کا رد کیا۔ اس پروگرام کے کیسٹ مرکز نے کئی مرتبہ مفت تقسیم کئے ہیں۔

۳۔ شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی، ۱۹۹۷ء کو وزارت اوقاف، کویت کی دعوت پر کویت تشریف لائے اور مرکز دعوتہ الجالیات نے قریبہ جمعہ احیاء التراث الاسلامی کے مرکز میں قریبہ انکار حدیث کے رد پر ان کے خطاب کا اہتمام کیا اور شیخ محترم نے ڈیڑھ گھنٹہ تک اس موضوع پر مفصل خطاب فرمایا اور قریبہ انکار حدیث کی تاریخ اور اہم کرداروں کا ذکر کیا۔

۴۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالعزیز نورستانی کا حجیت حدیث پروگرام ۱۹۹۸ء میں قریبہ جمعہ احیاء التراث الاسلامی اور پھر مسجد فرحان (العباسیہ) میں منعقد ہوا جس میں شیخ محترم نے اپنے مخصوص علمی انداز میں اتباع سنت کی اہمیت اور انکار حدیث کے خطرات سے آگاہ کیا۔

۵۔ اسی طرح راقم الحروف اور حافظ محمد اسحاق زاہد صاحب کے سلسلہ وار دروس میں با تفصیل اس فتنے کی تاریخ، پس منظر اور نتائج کا جائزہ لیا گیا اور منکرین حدیث کے شبہات کا تفصیلی رد کیا گیا۔

② **قریبہ پرویزیت کے رد میں لٹریچر کی تقسیم:** اس سلسلے میں مرکز کی کاوشوں سے درج ذیل کتب لوگوں تک پہنچ چکی ہیں:

۱- 'آئینہ پرویزیت' از مولانا عبدالرحمن کیلائی: یہ چھ اجزاء اور ۱۰۰۸ صفحات پر مشتمل پرویزیت اور انکار حدیث کے جواب میں ایک لاجواب کتاب ہے۔

۲- 'حجیت حدیث' از شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلمیٰ: منکرین حدیث کے رد میں ۲۰۲ صفحات پر مشتمل انتہائی مدلل اور جامع کتاب ہے جس میں بڑے عمدہ اسلوب میں منکرین حدیث کے شبہات کا رد کیا گیا ہے۔

۳- 'حجیت حدیث' از محدث العصر علامہ محمد ناصر الدین البانی: یہ علامہ البانی کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے جو قیمتی فوائد پر مشتمل ہے۔ ادارہ محدث، لاہور نے اسے شائع کیا ہے۔

۴- 'انکار حدیث حق یا باطل؟' از مولانا صفی الرحمن مبارکپوری: منکرین حدیث کے رد میں انتہائی عمدہ اور مفید کتابچہ ہے۔

۵- 'قول فیصل' از محمد طیب مدنی (انڈیا): منکرین حدیث کے رد میں ۱۲۷ صفحات پر مشتمل بہترین کتاب ہے۔

علاوہ ازیں اس موضوع پر لکھنے والے رسائل و جرائد ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہفت روزہ 'الاعتصام' ماہنامہ 'السراج' انڈیا، 'البلاغ' انڈیا اور 'نوائے اسلام' انڈیا، وغیرہ کی تقسیم۔

③ کیسٹ: مرکز اس سلسلے میں شیخ الحدیث مولانا سلطان محمود محدث جلاپور پیر والہ، شیخ الحدیث حافظ عبدالستار حماد، حضرت شاہ بدیع الدین شاہ راشدی، پروفیسر عبداللہ ناصر رحمانی، حافظ عبدالسلام بھٹوی، مولانا عبدالعزیز نورستانی اور شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی کے کیسٹ تقسیم کر چکا ہے۔

مولانا احمد علی سراج صاحب نے بھی اپنے خطبات میں اس فتنے کا بھرپور رد کیا اور فرقہ پرویزیت کو کافر قرار دلوانے میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے وزارت اوقاف، کویت میں استفتا پیش کیا اور اسی دوران پرویزیت کے بارے میں مفتی عالم اسلام شیخ عبدالعزیز بن باز کا فتویٰ بھی شائع ہو چکا تھا لہذا کویت کی وزارت اوقاف نے ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۴۱۹ھ بمطابق ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو فتویٰ جاری کیا کہ "غلام احمد پرویز کے عقائد باطل اور گمراہ کن ہیں اور اسلامی عقیدے کے منافی ہیں اور ہر وہ شخص جو ان عقائد پر ایمان رکھتا ہو، وہ کافر اور اسلام سے خارج ہے۔"

اور اس پر دارالافتاء وزارت اوقاف، کویت کے چیئرمین مشعل مبارک عبداللہ احمد الصباح کے دستخط اور مہر ہیں..... مولانا غلام محمد منصور جن کا تعلق اسلامک ایجوکیشن سوسائٹی، کویت سے ہے، ممتاز عالم دین ہیں۔ منکرین حدیث کے شبہات کی تردید میں ان کی خدمات بھی قابل قدر ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام علماء کو جزائے خیر عطا فرمائے اور دین کی حفاظت کی فریضہ انجام دینے کی زیادہ سے زیادہ توفیق مرحمت فرمائیں۔

## حجیت حدیث اور فتنہ انکار حدیث

زمانہ رسالت اور عمر صحابہؓ و تابعینؓ سے جوں جوں دوری ہوتی جا رہی ہے، رشد و ہدایت میں کمی واقع ہوتی جا رہی اور شر و ضلالت بچنے کا ڈرتی جا رہی ہے۔ فتنے تیزی سے بڑھ رہے ہیں اور ان کا یہ طوفان و طغیان فطری اور لازمی ہے۔ جب تک دنیا میں خیر و اصلاح کا نام و نشان باقی ہے، دنیا بھی باقی ہے۔ جب دنیا فتنہ و فساد سے بھر جائے گی اور روئے زمین پر اللہ کا نام لینے والے باقی نہیں رہیں گے، تب قیامت آئے گی۔

جس طرح دریاؤں کا بہاؤ نشیب کی سمت فطری و قدرتی ہے، انہیں جانب فراز نہیں چلایا جاسکتا۔ اسی طرح فتنوں کا طوفان بھی فطرتی ہے، ان کے آگے بند تو باندا جاسکتا ہے مگر ان کا سدباب نہیں کیا جاسکتا۔ ایک فتنہ ابھی فرو نہیں ہو پاتا کہ دوسرا برپا ہو جاتا ہے، انہی فتنوں میں سے ایک فتنہ انکار حدیث کا ہے۔ یہ پڑھے لکھے جاہلوں اور کھاتے پیتے آسودہ حال، متمول لوگوں کا فتنہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس فتنہ کی پیشگوئی کرتے ہوئے فرمایا:

”ألا يوشك رجل شعبان على أريكته يقول: عليكم بهذا القرآن فما وجدتم

فيه من حلال فأحلوه وما وجدتم فيه من حرام فحرموه“

”خبردار! معتزب ایک شکم سیر آدمی اپنے مزین و آراستہ پلنگ یا صوفے پر بیٹھ کر کہے گا کہ تم پر

اس قرآن کا (اتباع) فرض ہے۔ اس میں جو حلال ہے تم اسے حلال جانو اور جو اس میں حرام ہے تم

اسے حرام جانو۔“ (ابوداؤد: ۱۶۳۳ مشکوٰۃ المصابیح: باب الاعتصام بالکتاب والسنة، ص ۲۹)

اور امام ترمذی نے ابورافعؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم میں سے کسی کو

اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے پلنگ پر تکیہ لگائے بیٹھا ہو، اس کے سامنے میرا حکم ازتم امر و نہی پیش ہو اور

وہ کہے: ”لا أدری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناه“ (مشکوٰۃ: باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

”میں اسے نہیں جانتا، ہم تو جو کچھ کتاب اللہ میں پائیں گے، اسی پر عمل کریں گے۔“

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ منکرین حدیث پُر تکلف امیرانہ زندگی گزارتے ہوں گے اور خوب

پیٹ بھر کر آراستہ و پیراستہ تختوں، مسندوں پر نرم و نازک تکیوں سے ٹیک لگا کر احادیث کا رد اور انکار کریں

گے۔ سچے اللہ کے مخبر صادق ﷺ کی یہ پیشگوئی لفظ بہ لفظ پوری ہو کر رہی اور آج بنگلوں میں ٹھاٹھ سے

رہنے والے اور فراغت و خوشحالی و عیش و نشاط سے زندگی گزارنے والے لوگ حدیث کی حجیت کا انکار

کرتے ہیں اور صرف قرآن کو حجت قرار دیتے ہیں۔

## لسان رسالت سے اس فتنہ کی تردید

منکرین حدیث کے اس استدلال کا رد بھی آپؐ نے خود فرمایا:

”ألا إني أوتيت القرآن ومثله معه ..... وإن ما حرم رسول الله كما حرم الله، ألا لا يحل لكم الحمار الأهلي“ (مشکوٰۃ: باب الاعتصام بالكتاب والسنة)  
 ”خبردار رہو! بلاشبہ مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کی مثل بھی دی گئی ہے..... اور بلاشبہ جو رسول اللہ ﷺ نے حرام کیا ہے، وہ اسی طرح حرام ہے جس طرح اللہ کا حرام کردہ ہے۔ خبردار رہو! پالتو گدھا تمہارے لئے حلال نہیں.....!“

اسی طرح حضرت عرابض بن ساریہ کی روایت میں منکرین حدیث کے دعویٰ کی تردید کی گئی ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن کی حرام کردہ چیز کے علاوہ اللہ نے کوئی چیز حرام نہیں کی۔ فرمایا:

”ألا وإني والله قد أمرت ووعظت ونهيئت عن أشياء إنهما لمثل القرآن أو أكثر وإن الله لم يحل لكم أن تدخلوا بيوت أهل الكتاب إلا باذن“  
 ”خبردار رہو! میں نے اللہ کی قسم حکم دیا اور نصیحت کی اور کئی چیزوں سے منع کیا جو قرآن عتیقی ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ہیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال نہیں کیا کہ تم اہل کتاب کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر داخل ہو جاؤ۔“ (مشکوٰۃ: باب الاعتصام بالكتاب والسنة)\*

ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی حرام کردہ چیزیں (جو کہ احادیث میں ہیں) وہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کی طرح حرام ہیں۔ آپؐ نے کئی چیزوں کی حرمت کا ذکر فرمایا جن کی حرمت قرآن میں نہیں ہے مثلاً گدھے کا حرام ہونا یا اہل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے کی حرمت اور اہل کتاب کے گھروں میں داخلہ کی حرمت کو آپؐ نے اللہ کی طرف منسوب کیا ہے: إن الله لم يحل لكم أن تدخلوا ..... حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر قرآن میں نہیں کیا بلکہ اسے رسول اللہ نے حرام کیا ہے اور آپؐ نے اپنے حکم کو اللہ کے حکم سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ کا حرام کرنا بھی اللہ کی وحی سے ہی ہوتا ہے۔ ثابت ہوا کہ حدیث رسول قرآن کی طرح حجت ہے اور حدیث بھی قرآن کی طرح منزل من اللہ ہے۔

## قرآن کریم سے اس کا ثبوت

رسول اللہ ﷺ پر صرف قرآن نازل نہیں ہوا بلکہ قرآن کے ساتھ حکمت بھی نازل ہوئی:

﴿وَمَا أَنْزَلْ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ﴾ (البقرة: ۲۳۱)

”اور جو اتاری تم پر کتاب اور حکمت.....“

﴿وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (سورة النساء: ۱۱۳)

”اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی۔“

پھر نبی کریم ﷺ کتاب اللہ کی طرح اس الحکمة کی بھی تعلیم دیتے تھے:

☆ قال الابناني وسند ضعيف، في اشعث بن شعبة قال ابوزرعه وغيره: في ليلين (مشکوٰۃ بتحقيق الابناني: ۵۸۸/۱، رقم ۱۶۴)

﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (البقرة: ۱۲۹) ”آپ انکو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے تھے“

## حکمت کیا ہے؟

سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ پر کتاب اللہ کے ساتھ جو حکمت نازل فرمائی ہے اس سے کیا مراد ہے؟ حضرت قتادہ کہتے ہیں والحکمة أى السنة ”حکمت یعنی سنت نبوی ہے۔“ امام شافعی فرماتے ہیں: و السنة، الحكمة التي فى روعه عن الله عزوجل (الرساله) ”اور حضور کی سنت وہ حکمت ہے جو آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالی گئی ہے۔“

## قرآن اور حدیث میں فرق

یہ بات تو واضح ہوگئی کہ قرآن کی طرح سنت و حدیث رسول بھی منزل من اللہ اور وحی الہی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ قرآن وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو۔ قرآن کریم کا مضمون بھی ربانی ہے اور الفاظ بھی ربانی ہیں۔ جبریل امین الفاظ قرآنی حضور ﷺ پر نازل کرتے ہیں۔

جبکہ حدیث نبوی کا مضمون تو ربانی ہے مگر الفاظ ربانی نہیں، اللہ تعالیٰ بلا واسطہ جبریل کے اس مضمون کو خود قلب رسول پر القا فرماتے ہیں اور آپ اس مضمون کو مناسب الفاظ کا جامہ پہنا دیتے ہیں۔

مقام تعجب ہے کہ منکرین حدیث حضرت محمد ﷺ کو رسول اللہ ﷺ تو مانتے ہیں مگر آپ کے ارشادات کو وحی الہی نہیں مانتے بلکہ محمد بن عبد اللہ کی ذاتی بات مانتے ہیں۔ یہ لوگ یا تو دل سے آپ کو رسول اللہ ﷺ نہیں مانتے یا پھر رسول کے معنی نہیں جانتے۔ رسول کے معنی ہیں: پیغام پہنچانے والا۔ پیغام پہنچانے والا دوسرے کا پیغام پہنچاتا ہے، اپنی نہیں سناتا۔ اگر وہ دوسرے کا پیغام پہنچانے کی بجائے اپنی بات شروع کر دیتا ہے تو وہ امین نہیں، خائن ہے۔ (معاذ اللہ) اور رسول کی پہلی اور آخری صفت یہ ہے کہ وہ امین ہو۔ آپ ﷺ مسند رسالت پر فائز ہونے سے قبل ہی امین مشہور تھے۔

’رسول‘ اس کو کہتے ہیں جو اپنی نہ کہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا پیغام حرف بحرف پہنچا دے۔ جو لوگ محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو حضور کی ذاتی بات سمجھ کر رد کر دیتے ہیں، وہ صرف منکرین حدیث ہی نہیں درحقیقت وہ منکر رسالت ہیں۔ اگر حضور کی رسالت کے سچے دل سے قائل ہوتے تو آپ کی احادیث آیات قرآنی کی طرح سر آنکھوں پر رکھتے۔

## محمد بن عبد اللہ یا محمد رسول اللہ ﷺ

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اپنی تو وہ کہتا ہے جس کا تعارف ذاتی ہوتا ہے اور جس کا تعارف ذاتی ہوتا ہے، وہ اپنے باپ کے نام سے متعارف ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے سوا، سب اپنے باپ کے نام سے پہنچانے اور پکارے جاتے ہیں۔ جیسے عثمان بن عفان، عمر بن خطاب، ابو بکر بن ابی قحافہ وغیرہ رضی اللہ عنہم سب اپنے باپ کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ مگر ایک محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جو اپنے

باپ کے نام سے نہیں بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ سے متعارف ہیں۔ کوئی کافر لاکھ محمد بن عبد اللہ کہے، وہ مسلمان نہیں ہوگا۔ ایک دفعہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کہہ دے تو تب مسلمان ہو جائے گا۔ قرآن ہو، اذان ہو، تکبیر ہو، تشہد ہو، کلمہ ہو، ہر جگہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، محمد بن عبد اللہ کسی جگہ پر بھی وارد نہیں۔ تو محمد بن عبد اللہ، محمد بن عبد اللہ ہو کر بھی محمد بن عبد اللہ نہ رہے بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ ہو گئے تو اب آپ کی بات محمد بن عبد اللہ کی بات نہ رہی اب تو آپ کی ہر بات اللہ کی بات ہوگی۔ منصب رسالت کا مطلب ہی یہ ہے کہ آپ کا ہر بول اللہ کا بول ہے بس زبان آپ کی ہے۔

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود!

گفتہ او گفتہ اللہ بود

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النجم: ۴۳)

”آپ اپنی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ آپ کا ارشاد وحی ہے۔“

تو حقیقت یہ ہے کہ دین کے دائرے کے اندر نبی کا ہر فرمان اللہ کا فرمان ہے۔ وحی خفی ہے اور منزل من اللہ ہے۔

## صحابہ حکم رسول کو حکم الہی مانتے ہیں

صحابہ رسول آپ کے اوامر و نواہی کو اللہ کا امر و نہی ہی مانتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہر فرمان کو ہمیشہ اللہ کا فرمان سمجھا۔ حضرت علقمہ روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ

”ان عورتوں پر اللہ نے لعنت کی ہے جو جسم کو گوندتی یا گوندواتی ہیں یا خوبصورتی کے لئے بال چنتی یا چنوتی ہیں اور دانتوں کو باریک کرتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ صورت میں تغیر و تبدل کرنا چاہتی ہیں۔“

ایک عورت ان کے پاس آئی اور کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے اس اس قسم کی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ آپ نے فرمایا: ”جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، میں ان پر کیوں لعنت نہ کروں اور وہ چیز کتاب اللہ میں بھی موجود ہے۔“ اس نے کہا کہ میں نے سارا قرآن پڑھا ہے، اس میں تو یہ بات مجھے نہیں ملی جو آپ فرماتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا:

”اگر تو قرآن کو سمجھ کر پڑھتی تو یہ بات ضرور اس میں پالیتی۔ کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی: ﴿وَمَا اَنْتُمْ بِالرَّسُولِ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ ”جو کچھ تمہیں رسول دے، اسے لے لو اور جس سے تمہیں منع کریں، اس سے رک جاؤ۔“..... اس عورت نے کہا: ہاں، یہ تو پڑھا ہے۔ پھر عبد اللہ بن مسعود نے کہا: یقیناً رسول اللہ ﷺ نے ان افعال کی ممانعت فرمائی ہے۔

(صحیح بخاری: کتاب اللباس)

صحابہ کرام احکام حدیث کو قرآنی حکم کی تعمیل میں تسلیم کرتے، گویا اس کو کتاب اللہ ہی سمجھتے بلکہ یوں

کہتے کہ انہوں نے ہر حدیث کو قرآن کی طرح تسلیم کیا، اس لئے کہ حدیث کے ماننے کا حکم قرآن میں ہے۔ چنانچہ وہ خاتون ابن مسعود کا جواب سن کر مطمئن ہو گئی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں میں ایسا ہی طرزِ عمل پایا جاتا تھا۔

## حدیث کتاب اللہ ہے!

حضرت ابو ہریرہؓ اور زید بن خالدؓ روایت کرتے ہیں کہ

”ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی اثنا میں ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ میں آپ ﷺ کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ ہمارے درمیان ’کتاب اللہ‘ سے فیصلہ کر دیجئے، پھر فریقِ ثانی کھڑا ہوا..... وہ زیادہ سمجھ دار تھا..... اس نے بھی کہا: اقص بیننا بکتاب اللہ اور پھر فیصلہ طلب واقعہ یوں سنایا کہ میرا لڑکا اس شخص کے ہاں مزدور تھا، اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا، میں نے اس کی طرف سے سو بکریاں اور ایک خادم بطورِ فدیہ ادا کیا پھر میں نے اہل علم سے دریافت کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے لڑکے کو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا دی جائے گی اور اس کی بیوی کو سنگسار کیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ میں ضرور تمہارا فیصلہ ’کتاب اللہ‘ سے کروں گا۔ سو بکریاں اور خادم تمہیں واپس کیا جائے اور تمہارے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے۔“ (صحیح بخاری، کتاب المحاربین)

مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوا کہ احادیث کو بھی ’کتاب اللہ‘ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ جو سزا یہاں بیان کی گئی ہے، وہ حدیث ہی میں ہے، قرآن میں کہیں نہیں۔

صرف قرآن قرآن کا دعویٰ کرنے والوں کو اتنی سیدھی سی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ قرآن اور حدیث دونوں ہی وحی کے الفاظ ہیں، دونوں شانِ نبوت سے ادا ہوتے ہیں۔ ایک ہی نبی اور ملتے جلتے الفاظ۔ ان میں سے بعض کو ہم قرآن قرار دیتے ہیں اور بعض کو حدیث نبوی کیونکہ ہمیں ہمارے نبی نے بتایا کہ فلاں الفاظ بطور قرآن ہیں اور فلاں بطور حدیث۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ کے فرمان پر یقین نہیں ہے تو پھر بتائیے، قرآن بھی کس کے کہنے سے ’قرآن‘ بنتا ہے؟ فرمان نبوی نے ہی بتلایا کہ یہ قرآن ہے۔ ہم سے نہ اللہ نے یہ فرمایا، نہ جبریلؑ امین نے کہا کہ یہ قرآن ہے۔ کس قدر احسان ناشناس اور حش کش ہیں یہ لوگ جو آج قرآن کی آڑ لے کر حدیث کے انکار پر تلے ہوئے ہیں جبکہ احادیث ہی نے انہیں قرآن سے روشناس کیا۔

اگر حدیث سے انکار ہے تو قرآن کا ثبوت کیسے ممکن ہے؟ اگر حدیث کا اعتبار نہیں تو قرآن کا کیا اعتبار؟ (معاذ اللہ) حدیث ہی نے ہم کو بتلایا کہ یہ قرآن ہے۔ منکرین حدیث کس منہ سے قرآن کو ’کتاب اللہ‘ کہتے ہیں۔ قرآن تو صرف انہی بانصیب کے لئے ’کتاب اللہ‘ ہے جن کا حدیث رسولؐ پر ایمان ہے اور جن کے لئے حدیث حجت ہے!!

## برصغیر میں انکارِ حدیث کا لٹریچر

برصغیر میں فقہانہ انکارِ حدیث کے ظہور پذیر ہونے کے بعد ان کے عقائد و نظریات کا جائزہ لینے اور حجیتِ حدیث، عظمت و اہمیتِ حدیث، تاریخِ حدیث جیسے مختلف موضوعات پر لٹریچر کی تیاری میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوا۔ ایک طرف منکرینِ حدیث، ردِّ حدیث میں ورق سیاہ کرتے رہے، حدیثِ نبوی ﷺ کے بارے میں شکوک و شبہات اور اعتراضات پھیلانے کے لئے رسائل و جرائد میں مضامین اور کتابیں پھیلائی گئیں۔ اس کے بالمقابل حدیثِ رسول کی حجیت کے قائل اہل علم حضرات نے اس کی تردید میں خوب لکھا۔ رسائل و جرائد میں مضامین کے علاوہ اعلیٰ تحقیقی معیار پر کتابیں تحریر کی گئیں۔ منکرینِ حدیث کے ردِّ میں تحریر کردہ کتابوں کی ایک فہرست حاضر خدمت ہے جس میں آلف بائی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے اور نام کے آخر میں بریکٹ میں مقامِ طباعت اور سنِ طباعت کو بھی درج کر دیا ہے:

۱- آئینہ پرویزیت (مکمل چھ حصے) [از مولانا عبدالرحمن کیلانی، (لاہور، ۱۹۷۸ء)]

مولانا کیلانی مرحوم نے اپنے خالص علمی، معلومات اور قدرے فلسفیانہ رنگ میں ۹۸۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب تحریر کی ہے۔ اس ضخیم کتاب میں پرویزیت کا جامع انداز میں پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے۔

حصہ اول: معتزلہ سے طلوعِ اسلام تک..... حصہ دوم: طلوعِ اسلام کے مخصوص نظریات..... حصہ سوم: قرآنی مسائل..... حصہ چہارم: دوامِ حدیث..... حصہ پنجم: دفاعِ حدیث..... حصہ ششم: طلوعِ اسلام کا اسلام

۲- اتباعِ سنت [از سید بدیع الدین شاہ راشدی، (حیدرآباد سندھ، ۱۹۷۹ء)]

مقامِ سنت اور اتباعِ سنت کے فوائد پر بحث ہے۔

۳- اتباعِ سنت کے مسائل [از محمد اقبال کیلانی، (لاہور، ۱۹۷۹ء)]

سنت کی فضیلت و اہمیت کیساتھ ساتھ منکرینِ حدیث کے بعض اعتراضات کا شافی جواب ہے۔

۴- إثبات الخبر فی ردِّ منکرى الحديث والأثر [از حافظ عبدالستار حسن (اسلام آباد،



[۶۸۹]

منکرین حدیث کے اعتراضات اور ان کے جوابات پر مشتمل یہ رسالہ مولانا عبدالغفار حسن صاحب کی مرتب کردہ 'عظمت حدیث' نامی کتاب میں صفحہ ۱۲۸ تا ۱۲۸ تک پھیلا ہوا ہے۔

۵۔ احادیث صحیح بخاری و مسلم کو مذہبی داستاںیں بنانے کی ناکام کوشش

[از مولانا ارشاد الحق اثری، (فیصل آباد، ۱۹۹۸ء)]

جناب حبیب الرحمن صدیقی کاندھلوی صاحب کی کتاب 'مذہبی داستاںیں اور ان کی حقیقت' نے فتنہ انکار حدیث کو ہوا دینے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ اس کتاب میں موضوع روایات کے ساتھ ساتھ بخاری و مسلم کی احادیث پر بھی ہاتھ دکھایا گیا ہے۔ بخاری و مسلم کے روحانی فرزند جناب اثری نے اپنی کتاب میں کاندھلوی صاحب کے مبلغ علم اور علمی خیانتوں کا خوب پردہ چاک کیا ہے۔ اس کے علاوہ مشکل پسند شاعر جناب عبدالعزیز خالد اور تمنا عمادی کی احادیث بخاری پر لب کشائی کی نقاب کشائی بھی کی ہے۔

۶۔ احادیث الصحیحین بین الظن والیقین [از حافظ شاء اللہ الزاہدی، (امارات)]

'خبر واحد علم ظنی کا فائدہ دیتی ہے..... یونانی فلسفے سے متاثر اس گمراہ فکر کا علمی انداز میں اچھوتا اور اولین جواب ہے۔ صدیوں سے مسلمہ اصول کی عقلی و نقلی تردید کی جرأت کرنے اور اس کا صحیح حق ادا کرنے میں جناب حافظ صاحب خوب کامیاب رہے ہیں اور نئی فکری رہنمائی کا فریضہ کما حقہ سرانجام دیا ہے۔

۷۔ احکام شریعت میں حدیث کا مقام [از مولانا محمد اسماعیل صلفی، (ملتان)]

۸۔ اسلام میں سنت کا مقام [از مولانا عبدالغفار حسن، (کراچی)]

۹۔ اسلام میں سنت و حدیث کا مقام (حصہ دوم) [از ڈاکٹر مولانا احمد حسن ٹونگی]

مصطفیٰ حسن سباعی کی السنۃ و مکانتها فی التشریح الإسلامی کا ترجمہ ہے۔

۱۰۔ اسلام میں کتاب و سنت کا مقام [از مولانا عبدالسلام کیلانی، (لاہور، ۱۹۹۲ء)]

کتاب و سنت کے اصلی ماخذ دین ہونے پر علمی روشنی ڈالی ہے۔

۱۱۔ اسلامی آئین کی تشکیل اور سنت (مقالات) [اسلام آباد، ۱۹۸۳ء]

مولانا محمد حنیف ندوی نے اپنے مقالے 'اسلامی آئین کی تشکیل اور سنت' میں اپنے خاص ادبی اور فلسفی رنگ میں قرآن سے سنت کا غیر منفصل رشتہ ثابت کیا ہے۔

اسی کتاب میں، مولانا ارشاد الحق اثری نے اپنے مقالے 'خبر واحد کا مفہوم اور مقام' میں اپنے خاص علمی اور تحقیقی انداز میں خبر واحد کی قطعی افادیت کو پیش کیا ہے۔

۱۲۔ ہفت روزہ 'الاعتصام' (حجیت حدیث نمبر) [جلد نمبر ۷، شمارہ ۲۸-۲۹ (لاہور، ۱۹۵۶ء)]

انکار حدیث یا انکار سنت، حجیت حدیث، تدوین حدیث، فتنہ انکار حدیث کا عقلی اور تاریخی تجزیہ جیسے اہم مقالات کے علاوہ فتنہ انکار حدیث پر منظوم کلام بھی پایا جاتا ہے۔

۱۳۔ اقبال اور منکرین حدیث [از پروفیسر محمد فرمان (گجرات)]

۱۴۔ امام بخاریؒ پر بعض اعتراضات کا جائزہ [از مولانا ارشاد الحق اثری، (فیصل آباد، ۱۹۹۹ء)]

منکرین حدیث کے گروہ سے باہر بیٹھ کر ان کی بولی بولنے والے مولانا حبیب اللہ ڈیروی کے صحیح بخاری پر اعتراضات کا محققانہ اور محدثانہ جواب ہے۔ اور یوں منکرین حدیث یا ان کے ہم نوا لوگوں کے ہاتھوں سب سے زیادہ ہدف تنقید بننے والی مظلوم کتاب حدیث کے دفاع کا حق ادا کیا گیا ہے۔

۱۵۔ انکار حدیث (ایک فتنہ، ایک سازش) [از پروفیسر محمد فرمان، (گجرات ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۴ء)]

۱۶۔ انکار حدیث حق یا باطل [از مولانا صنی الرحمن اعظمی، (بنارس، یو پی ۱۹۷۸ء)]

۱۷۔ انکار حدیث یا انکار رسالت [از سید معین الدین (سکندر آباد)]

۱۸۔ انکار حدیث کے نتائج [از مولانا محمد سرفراز خان (لاہور)]

۱۹۔ اہتمام المحدثین بنقد الحدیث سنداً و متناً [از ڈاکٹر محمد لقمان سلفی، (ریاض،

[۸۷ء)]

اس کتاب میں صفحہ ۴۵۷ء و ما بعد پر برصغیر میں فتنہ انکار حدیث کے نشر و ارتقا پر بڑی تفصیلی اور علمی بحث پائی جاتی ہے۔

۲۰۔ اہمیت حدیث [از سید محمد اسماعیل مشہدی بن مولانا محمد شریف شاہ صاحب گھڑیالوی (حافظ آباد)]

سید محمد اسماعیل مشہدی کی اہل حدیث کانفرنس، ملتان (۱۳۷۶ھ) میں حجیت حدیث کے موضوع پر تقریر ہے۔ جو مولانا محمد بیگی صاحب حافظ آبادی کی کاوش سے طبع ہوئی تھی۔ آج کل حافظ محمد شریف مدیر مرکز السنۃ فیصل آباد طبع نو کے لئے اس پر نظر ثانی فرما رہے ہیں۔ دعا ہے یہ کتاب جلد از جلد پھر سے شائقین کے ہاتھوں تک پہنچے کیونکہ موضوع اور معلومات کے لحاظ سے بڑی مفید اور جامع کتاب ہے۔

۲۱۔ برقی اسلام [از مولانا محمد شرف الدین محدث دہلوی (خانیوال)]

۲۲۔ برصغیر پاک و ہند میں احیاء سنت کی مساعی (از حافظ عبدالرحمن مدنی، ۱۹۹۹ء)

إطلاعة على جهود علماء السنة والحديث فى شبه القارة الهندية: عربى زبان کا یہ مقالہ مدیر اعلیٰ 'محدث' لاہور نے مراکش میں شاہ حسن دوم کے زیر اہتمام ہر سال رمضان المبارک میں منعقد ہونے والے 'دروسِ حسنیہ' کے سلسلہ میں پیش کیا۔ جس میں دنیا بھر سے ممتاز اہل علم و دانشور شرکت کرتے ہیں اور شاہی محل میں شاہ مراکش کی صدارت میں چیدہ چیدہ علماء اور زعماء مراکش کی ایک تعداد بھی موجود ہوتی ہے۔ یہ مقالہ برصغیر پاک و ہند کی 'تحریکِ اہل حدیث' کے ارتقا کے پس منظر میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور کتاب و سنت سے براہ راست وابستگی کے مشن کو فروغ دینے والے کبار خدام سنت کی مختصر جھلکیوں پر مشتمل ہے۔ غالباً یہ اسلامی مغرب اقصیٰ میں تیرھویں اور چودھویں ہجری کے ممتاز علماء کا سرکاری سطح پر پہلا تعارف ہے۔

۲۳۔ بصائر السنة [از مولانا سید محمد امین الحق، (شینخوپورہ، ۱۹۵۵ء)]

حجیت حدیث کتاب کا ضابطہ اطاعت اور رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیغمبرانہ حیثیت، اتباع قرآن و حدیث کا باہمی ربط، تدوین حدیث نیز منکرین حدیث کے اعتراضات کے مسکت جواب کی حامل کتاب ہذا کا حصہ اول دستیاب ہوا، حصہ دوم تک رسائی نہ ہو سکی۔

۲۴۔ پرویز کا اسلام [از نشی عبدالرحمن خان (کراچی)]

متاثرین پرویز کو راہ ہدایت دکھانے کی غرض سے عقائد و افکار پرویز پر جستہ جستہ نگاہ ڈالی ہے۔

۲۵۔ پرویز نے کیا سوچا؟ [از ڈاکٹر بسطین لکھنوی (کراچی)]

غلام احمد پرویز صاحب کے عقائد و افکار کا تفصیلی نقشہ ان کے لٹریچر سے باحوالہ پیش کیا گیا ہے۔

۲۶۔ تاریخ اہل حدیث [مولانا حافظ محمد ابراہیم سیالکوٹی، (لاہور، ۱۹۵۳ء)]

تاریخ اہل حدیث کا دوسرا حصہ (صفحہ ۲۹۰ تا ۳۰۶) کتابت حدیث و تدوین حدیث کے حوالے سے لکھا گیا ہے اور اس میں مولانا میر صاحب نے اس پہلو پر خوب محققانہ اور مورخانہ انداز میں منکرین حدیث کا رد کیا ہے۔

۲۷۔ تاریخ تدوین حدیث [از مولانا ہدایت اللہ ندوی، (اوکاڑہ، ۱۹۵۷ء)]

۲۸۔ تاریخ حدیث [از ڈاکٹر غلام جیلانی برق، (لاہور، ۱۹۸۸ء)]

ڈاکٹر صاحب نے اپنے انکار حدیث والے موقف سے رجوع کے بعد اپنی سابقہ تحریروں کے ازالہ و کفارہ کے طور پر یہ کتاب تحریر کی ہے۔ کتب حدیث کی کتابت و تدوین کے حوالے سے بزبان اُردو تاریخی اعتبار سے بڑی جامع معلومات یکجا کر دی ہیں۔ جن کے مطالعہ کے بعد منکرین حدیث کے اس اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ احادیث تیسری صدی مدوّن کی گئی ہیں، لہذا ان کا اعتبار نہیں۔

۲۹۔ تحقیق معنی السنۃ و بیان الحاجۃ إلیہ [از سید سلیمان ندوی (قاہرہ، ۱۳۷۷ھ)]

مترجم: عبدالوہاب دہلوی..... سنت کا معنی و مفہوم، فہم قرآن میں اس کی ضرورت کے علاوہ وحدت اُمت مسلمہ میں اس کے اہم کردار کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے۔

۳۰۔ تدوین حدیث [از مولانا مناظر احسن گیلانی (کراچی، ۱۴۰۷ھ)]

حدیث کی شرعی حیثیت، حدیث کی دینی اہمیت و ضرورت، تدوین و حفاظت کے علاوہ ان شکوک و شبہات کا نہایت اطمینان بخش جواب دیا ہے جن کی وجہ سے بعض لوگ حجیت حدیث کا انکار کرتے ہیں۔

۳۱۔ تردید پر وزیت [از مولانا ظفر احمد عثمانی (لاہور)]

۳۲۔ تفہیم اسلام [از مسعود احمد، بی ایس سی، (کراچی ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء)]

جناب ڈاکٹر غلام جیلانی برق صاحب کی بطور منکر حدیث معروف کتاب 'دو اسلام' کا بہترین جواب ہے۔ حجیت حدیث، تدوین حدیث جیسے موضوعات کے علاوہ منکرین حدیث کے اعتراضات و شبہات کا انتہائی احسن انداز میں قرآن و حدیث کے بھرپور دلائل سے محکم و مدلل جواب ہے۔ یہ ایسی عمدہ اور پرتاثر کتاب ہے کہ 'دو اسلام' کا مصنف بھی اسے پڑھ کر اپنے گمراہ عقیدہ پر قائم نہ رہ سکا اور اخیر عمر میں حدیث نبوی کی طرف رجوع کر کے اپنی عاقبت سنوارنے کی کوشش کر گیا۔ کتاب ہذا کے آخر پر مصنف 'دو اسلام' کا خط شائع کیا گیا ہے جس میں مصنف 'دو اسلام' نے اپنے ناشر کو آئندہ 'دو اسلام' شائع کرنے سے منع کر دیا۔ واللہ یردنی من ینشاء إلی صراط مستقیم!

۳۳۔ جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث [از مولانا محمد اسماعیل سلفی، (لاہور، ۱۹۷۰ء)]

۳۴۔ جمع القرآن والأحادیث (ذخائر الموارث فی الدلالة علی

**ثبوت جمع القرآن والأحادیث** [از مولانا ابوالقاسم محمد خان سیف محمد بناری، (لاہور

[۱۰۳۶ھ]

دوسرے باب میں (صفحہ ۳۴ تا ۵۶) اس امر کا ثبوت ہے کہ احادیثِ نبویہ آخری زمانہ رسالت اور عہدِ صحابہ میں کتابی صورت میں جمع کی جا چکی تھیں، نہ کہ دوسری صدی ہجری میں مدون ہوئیں۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر (انچارج سیرت چیئر، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور) کی تخریج و تعلق اور خوبصورت کمپیوٹر کمپوزنگ کا حامل مسودہ برائے طبع تیار ہے۔

**۳۵۔ جہان کہن بجواب جہان نو** [از مولانا فضل احمد غزنوی (حیدرآباد)]

احادیثِ جزو دین ہیں، حجتِ دین ہیں۔ وحی ہیں، ابدی ہیں۔ شیطیات و باطلیلِ برق اور منکرینِ حدیث کا ردِ خود قرآن سے پیش کیا ہے۔

**۳۶۔ حجتِ حدیث** [از شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیلؒ سلمی، (لاہور، ۱۹۸۱ء)]

حجتِ حدیث کے اثبات اور منکرینِ حدیث کے افکار کے ابطال پر قابلِ فخر کتاب ہے۔ یہ کتاب معلومات کی وسعت، افکار کی ندرت و چنگلی، خصم کی بیخ کنی اور گوشامی کے ساتھ ساتھ دعوتی اسلوب کا شاہکار ہے۔

**۳۷۔ حجتِ حدیث** [از علامہ ناصر الدین البانیؒ شیخ الحدیث محمد اسماعیلؒ سلمی (بنارس، ۱۹۸۵ء)]

اس میں آٹھ رسائل ہیں۔ اور علامہ ناصر الدین البانی کے درج ذیل رسائل شامل مجموعہ ہیں:

- ① اسلام میں سنتِ نبوی کا مقام، صرف قرآن پر اکتفا کی تردید!
- ② عقائد میں حدیثِ آحاد سے استدلال واجب ہے۔ مخالفین کے شبہات کا جواب (ترجمہ مولانا عبدالوہاب حجازی کا ہے۔)
- ③ عقائد و احکام کے لئے حدیثِ ایک مستقل حجت (ترجمہ بدرالزمان نیپالی) مولانا محمد اسماعیل سلمی صاحب کے رسائل در مجموعہ ہذا
- ④ حدیث کی تشریحی اہمیت
- ⑤ جماعتِ اسلامی کا نظریہ حدیث
- ⑥ سنت، قرآن کے آئینہ میں

- ⑦ حجیت حدیث آنحضرت کی سیرت کی روشنی میں
- ⑧ مسئلہ درایت و فقہ راوی کا تاریخی و تحقیقی جائزہ
- ۳۸۔ حجیت حدیث [از افاضات مولانا بدر عالم میرٹھی، (لاہور ۱۹۷۹ء)]
- ۳۹۔ حجیت حدیث [از مولانا محمد ادریس کاندھلوی (لاہور)]
- نفس مضمون پر لا جواب کتاب ہے، دلائل و ترتیب کے اعتبار سے بہت عمدہ کاوش ہے۔
- ۴۰۔ حجیت حدیث و اتباع رسول [از مولانا ثناء اللہ امرتسری (امرتسر، ۱۹۲۹ء)]
- ۴۱۔ حجیت حدیث اور فتنہ انکار حدیث [از فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز]
- ترجمہ از عبدالمعتم عبدالباقی ..... (مقام طباعت: ملتان)
- ترجمہ ثانی بنام 'فتنہ انکار حدیث اور اسلام' از ابو محمد عبدالستار حماد (مقام طباعت: میاں چنوں)
- 'فتنہ پرویزیت کا تعارف' کے عنوان سے جناب عبدالستار حماد نے اس فتنہ کا خوب ردّ پیش کیا ہے۔
- ۴۲۔ حجیت حدیث (بجواب حقیقت حدیث از ڈاکٹر قمر زماں (گوجرانوالہ) باہتمام مولانا خالد گھر جاکھی
- حجیت حدیث کے ساتھ ساتھ بعض احادیث پر اعتراضات کے جوابات بھی ہیں۔
- ۴۳۔ حجیت سنت (عبدالغنی عبدالخالق) [از ترجمہ محمد رضی الاسلام ندوی، (اسلام آباد ۱۹۹۷ء)]
- موضوع اور مواد کتاب کی افادیت کے پیش نظر ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد نے اس ضخیم کتاب کا اردو ترجمہ شائع کرنے کا اہتمام کر کے عظیم خدمت سرانجام دی ہے۔
- ۴۴۔ حدیث اور قرآن [از سید ابوالاعلیٰ مودودی (کراچی)]
- ۴۵۔ حدیث رسول کا تشریحی مقام [از ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی (فیصل آباد)] ترجمہ: پروفیسر غلام احمد حریری
- انکار حدیث کے ایوانوں میں زلزلہ برپا کردینے والی کتاب ہے۔

۴۶۔ حدیث رسول کا قرآنی معیار [از مولانا محمد طیب (لاہور، ۱۹۷۷ء)]

۴۷۔ حدیث رسول کی تشریحی اہمیت [مولانا محمد اسماعیل سلفی، (لاہور، ۱۹۸۱ء)]

۴۸۔ حدیث قرآن کی تشریح کرتی ہے! [از محمد رفیق چوہدری (لاہور)]

۴۹۔ حفاظت و حجیت حدیث [از مولانا محمد محترم نعیم عثمانی (لاہور، ۱۹۷۹ء)]

حدیث کی حفاظت اور اس کی حجیت سے متعلق تمام شکوک و شبہات کا نہایت اطمینان بخش جواب دیا گیا ہے۔

۵۰۔ خود انصاف کیجئے! بجواب 'خود فیصلہ کیجئے!' [از مسعود احمد، بی ایس سی (کراچی)]

صحیح بخاری کی بعض احادیث پر اعتراضات کا تفصیلی اور لاجواب کرنے والا جواب ہے۔

۵۱۔ درس صحیح بخاری [محدث العصر حافظ محمد گوندلوی، (لاہور، ۱۹۹۲ء)]

جگہ جگہ اس گمراہ فکر کا خالص محدثانہ انداز میں بلند پایہ فکری رد پایا جاتا ہے۔

۵۲۔ دلیل الفرقان بجواب اہل القرآن [از مولانا ثناء اللہ امرتسری (امرتسر، ۱۹۰۶ء)]

عبداللہ چکڑالوی کے رسالے 'برہان الفرقان' کا رد ہے۔ چکڑالوی نے نمازہ جگانہ کی کیفیت، کمیت اور ہیئت کا ثبوت از روئے قرآن دینے کا تکلف کیا تو شیخ الاسلام امرتسری نے حجیت حدیث پر مناسب شاندار بحث فرمائی۔

۵۳۔ دوام حدیث [از محدث العصر حافظ محمد گوندلوی، (بحوالہ درس بخاری، صفحہ ۲۷)]

غلام احمد پرویز کی کتاب 'مقام حدیث' کا مدلل و مسکت جواب ہے۔

۵۴۔ زواہغ فی وجہ السنۃ قدیمہ و حدیثاً [از صلاح الدین مقبول احمد (کویت،

۱۹۹۳ء)]

برصغیر میں فتنہ انکار سنت کے بارے میں مضمون ص ۹۱ تا ۱۰۷ پھیلا ہوا ہے۔

۵۵۔ السنۃ [از محمد بن نصر المروزی (سانگلہ ہل)]

دفاع عن السنۃ کے جذبے کے تحت یہ کتاب سید عبدالشکور آثری صاحب نے شائع کی تھی۔ ماہنامہ محدث، لاہور (جلد ۱، عدد ۱۰) میں مولانا عبدالسلام کیلانی کی طرف سے امام مروزی اور ان کی کتاب ہذا

کے تعارف کے علاوہ قسط وار ترجمہ شائع ہونے کا اعلان بھی ہے۔

۵۶۔ سنت اور اتحادِ ملت [از مولانا عبدالغفار حسن، (فیصل آباد)]

منکرین حدیث کے شرانگیز شوشے 'سنت باعث اختلاف ہے!' کا علمی اور تاریخی جواب ہے۔

السنة حجتها ومكانتها في الإسلام والرد على منكريها [از ڈاکٹر لقمان سلفی، (مدینہ

۱۹۸۹ء)]

۵۷۔ منکرین حدیث کے 'مرکز ملت' جیسے نظریات کی قلعی کھولی گئی ہے۔

۵۸۔ سنت خیر الانام [از پیر محمد کرم شاہ الازہری (کراچی)]

پیر صاحب نے اپنے خاص علمی اور ادبی رنگ میں ڈوب کر یہ کتاب تحریر کی ہے اور بعض مباحث

کے بارے میں اپنے خاص مسلک سے ہٹ کر خالص تحقیقی انداز میں قلم اٹھایا ہے۔

۵۹۔ سنت رسول [از ملک غلام علی (لاہور)]

شیخ مصطفیٰ السباعی کی السنة و مكانتها في التشريع الإسلامي کا تیسرا ترجمہ ہے۔

۶۰۔ سنت کا تشریحی مقام [مولانا محمد ادریس میرٹھی (کراچی)]

یہ شیخ مصطفیٰ سباعی کی السنة و مكانتها في التشريع الإسلامي کا چوتھا ترجمہ ہے۔

۶۱۔ سنت رسول کیا ہے اور کیا نہیں ہے؟ [از محمد عاصم حداد، (لاہور، ۱۹۹۱ء)]

سنت کا ماخذ، وحی، اتباع سنت کی فرضیت، احکام میں سنت کا قرآن کے ساتھ مقام اور تاریخ

تدوین سنت جیسے اہم موضوعات پر معلومات کے علاوہ منکرین حدیث کے بعض شبہات کا بہترین رد ہے۔

۶۲۔ سنت قرآن حکیم کی روشنی میں [از مولانا عبدالغفار حسن (فیصل آباد)]

۶۳۔ سنت قرآن کے آئینہ میں [از شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی (فیصل آباد)]

۶۴۔ السنة النبوية و مكانتها في ضوء القرآن [از ڈاکٹر حبیب اللہ مختار،

(کراچی ۸۶ء)]

فتنہ انکار حدیث کا آغاز و ارتقاء، قرآن و سنت کا باہمی تعلق جیسے مختلف موضوعات کے علاوہ منکرین

حدیث کے اعتراضات کے جواب پیش کئے ہیں۔



## ۶۵۔ سنت کی آئینی حیثیت [از سید ابوالاعلیٰ مودودی، (لاہور ۱۹۶۳ء)]

سنت کی آئینی حیثیت درحقیقت ترجمان القرآن، لاہور (ج ۵۶، عدد ۶، ستمبر ۱۹۶۱ء) کے منصب رسالت نمبر کی کتابی شکل ہے۔ اس کتاب میں سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنے مخصوص تہیما نہ اور داعیانہ انداز میں منکرین حدیث کے عقائد و افکار کا جائزہ اور اعتراضات کا شافی جواب پیش کیا ہے۔

فتنہ انکار حدیث کے رد میں کتاب کی اہمیت اور برادر ملک ترکی میں ضرورت کے پیش نظر راقم الحروف نے اپنے ترک دوست ڈاکٹر درمش بلغر کے ساتھ ترکی ترجمہ پیش کیا تھا۔ جو کہ ۱۹۷۷ء میں قونیہ سے "Sunnet in Anayasal Konumu" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ (وللہ الحمد)

## ۶۶۔ صحیفہ ہمام بن منبہ [از اضافی دیباچہ پروفیسر غلام احمد حریری، (فیصل آباد)]

صحیفہ ہمام بن منبہ بذات خود منکرین حدیث کی قوی تردید ہے۔ کیونکہ اس کی طبع سے اس مغالطے "احادیث تیسری صدی میں تدوین ہوئیں!" کا ٹھوس تاریخی رد ہو گیا ہے۔ مترجم جناب پروفیسر غلام احمد حریری نے اضافی دیباچے میں فتنہ انکار حدیث کی اصلیت واضح کی ہے۔ تدوین حدیث کے حوالے سے ان کا منہ بند کیا ہے۔

## ۶۷۔ شوق حدیث (حصہ اول) [از مولانا محمد سرفراز احمد خان صفر (گلکھڑ، گوجرانوالہ، ۱۹۵۰ء)]

حفظ و تدوین حدیث کے بارے میں تاریخی معلومات مہیا کرنے کے علاوہ منکرین حدیث کے اعتراضات کا بھی جا بجا جائزہ لیا گیا ہے۔

## ۶۸۔ صیانة الحدیث [از مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا انگری، (گوجرانوالہ، ۱۹۸۶ء)]

منکرین حدیث کے اعتراضات کا جامع مانع تاریخی و تحقیقی جواب ہے۔ کتاب ہذا میں اس قدر مواد جمع کر دیا گیا ہے کہ دریا کوزہ میں بند نظر آتا ہے۔

## ۶۹۔ صحیح قرآنی فیصلے [از مولانا فضل احمد غزنوی، (لاہور)]

پرویز کی کتاب 'قرآنی فیصلے' کا دندان شکن جواب ہے۔

## ۷۰۔ صحیح مقام حدیث [از مولانا فضل احمد غزنوی (حیدرآباد، سندھ)]

پانچ قرآنی آیات سے ثابت کیا ہے کہ احادیث حجت دین ہیں۔ اسلام میں تشریحی حیثیت رکھتی ہیں۔ نیز قرآن کی طرح حدیث کا ذمہ اللہ نے لیا ہے۔ اس دعویٰ کو بھی ستر آیات قرآنیہ سے ثابت کیا ہے۔

- ۱۔ پندرہ روزہ 'صحیفہ اہل حدیث' حدیث نمبر [کراچی، ۱۹۵۲ء] جلد ۳۲، عدد ۱۸۳۱ [
- حجیت حدیث، تدوین حدیث سے لے کر انکار حدیث تک ہر طرح کے مضامین شامل اشاعت ہیں۔
- ۲۔ علوم الحدیث [ازڈاکٹر صحتی صالح] ترجمہ: پروفیسر غلام احمد حریری، (فیصل آباد، ۱۹۸۱ء)
- حرف آغاز کے تحت لکھے گئے صفحات میں برصغیر میں فتنہ انکار حدیث پر عمدہ تبصرہ ہے۔ اس کے علاوہ کتاب میں حجیت حدیث اور تدوین حدیث جیسے اہم مباحث پر تفصیلی معلومات پائی جاتی ہیں۔
- ۳۔ علوم الحدیث و حجیت حدیث [از حافظ عبدالمنان نور پوری (غیر مطبوعہ)]
- حضرت حافظ صاحب نے اپنے مخصوص مسکت اور دو ٹوک انداز میں منکرین حدیث کے اعتراضات کی خوب خبر لی ہے۔ جوابات میں محدثانہ رنگ غالب ہے۔
- فتنة إنكار السنة في شبه القارة الهندية الباكستانية [اعداد: درسمیر عبدالحمید، (مکتبہ دارالسلام)
- ۴۔ فی الحال مکتبہ دارالسلام نے عربی میں خدمت طبع سرانجام دی ہے۔ اللہ کرے اس عمدہ کتاب کا ترجمہ بھی جلد آجائے تاکہ علماء کے علاوہ عوام الناس بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔
- ۵۔ فہم حدیث [از حافظ عبدالقیوم ندوی (کراچی)]
- عظمت حدیث کا ناقابل انکار دلائل سے ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔ نیز فتنہ انکار حدیث کے ظہور پذیر ہونے میں جماعت اہل حدیث کا بھی کوئی گناہ ہے، اس بے ہودہ اعتراض کا بھی رد کیا ہے۔
- ۶۔ قرآن اور عورت [از پروفیسر محمد دین قاسمی (کراچی)]
- کچھ فہمی کی بنا پر منکرین حدیث ہمیشہ عورت کے بارے اسلامی تعلیمات خاص طور پر احادیث نبوی کو ہدف تنقید بناتے رہتے ہیں اور اس بہانے احادیث رد کرنے کی راہ نکالتے رہتے ہیں۔ محترم قاسمی صاحب نے عقلی دلائل کے علاوہ جدید تحقیقی رپورٹوں کی مدد سے قرآن و سنت کا عورت کے بارے میں صحیح موقف ثابت کیا ہے۔
- ۷۔ قرآن و حدیث [از محمد طیب قاری، (کراچی ۱۳۷۸ھ)]
- ۸۔ القرآن یون و شبہاتہم حول السنة [از خادم حسین الہی بخش (طائف، ۱۹۸۹ء)]
- منکرین حدیث کے عقائد و نظریات اور اعمال و اطوار کے بارے میں بہترین جامع انداز میں تجلیلی

مواد کو محیط ہے۔ یہ کتاب اہل عرب کو اس فتنہ سے آگاہی کے علاوہ اس کی خباثوں سے محفوظ رکھنے میں بھی عمدہ کردار ادا کر سکی ہے۔

### ۷۹۔ قضیۃ الحدیث فی حجیۃ الحدیث [از مولانا ابوالقاسم بناری (درجہ سنگد)]

مکتبہ سلفیہ کی طرف سے ’مشعل راہ‘ نامی کتاب میں صفحہ ۱۶۱ تا ۱۸۷ یہ مضمون پایا جاتا ہے۔ جس میں ابوالقاسم صاحب نے رسول اللہ ﷺ کی مختلف پیشین گوئیوں کی علمی صداقت سے حجیت حدیث پر اچھوتا استدلال پکڑا ہے اور منکرین حدیث کو یوں راہ ہدایت دکھائی ہے۔

### ۸۰۔ کتابت حدیث [مولانا سید منت اللہ شاہ رحمانی (لاہور)]

منکرین حدیث کے جواب میں حدیثوں کی ترتیب و تدوین کی تاریخ پر ایک جامع مقالہ ہے۔

### ۸۱۔ کتابت حدیث تا عہد تابعین [از مولانا محمد خالد سیف (لاہور)]

کتابت و تدوین حدیث کا تاریخی جائزہ نیز کتابت حدیث سے منع والی روایت پر بھی ایک نظر ڈالی ہے۔ اصول حدیث و محدثین کے حوالے سے اس کی حیثیت واضح کی ہے اور یوں منکرین حدیث کے اس عمومی اعتراض کا رد کر دیا گیا ہے کہ احادیث تیسری صدی میں تحریر کی گئی ہیں۔

### ۸۲۔ کتابت حدیث، عہد نبوی میں [از مولانا سید ابوبکر غزنوی، (لاہور)]

”احادیث تیسری صدی میں لکھی گئیں!“ اس اعتراض کا رد اس کتاب کا حاصل ہے۔

### ۸۳۔ مسئلہ انکار حدیث کا تاریخی و تنقیدی جائزہ [از ڈاکٹر فضل احمد، (کراچی، ۱۹۹۰ء)]

### ۸۴۔ مشکلات الحدیث النبویۃ [از علامہ عبداللہ قصیمی]

ترجمہ بنام ’بینات‘ از مولانا محمد نصرت اللہ مالیر کوٹلوی، (لاہور ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء)

منکرین حدیث کی طرف سے بعض احادیث پر اعتراضات کا مسکت جواب ہونے کی بنا پر مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان نے عربی متن اور ترجمہ ہر دو کی الگ الگ طبع کا اہتمام کیا ہے۔

### ۸۵۔ مصباح الحدیث [از ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر، (لاہور)]

حجیت حدیث کے دلائل اور منکرین حدیث کے رد پر عمدہ مضمون، ص ۲ تا ۲۶ پھیلا ہوا ہے۔

### ۸۶۔ مطالعہ حدیث [از علامہ حنیف ندوی، (لاہور ۱۹۷۹ء)]

منکرین حدیث کی ہم نوائی کا شوق پورا کرنے والوں کو راہ ہدایت دکھانے کی غرض سے ندوی

صاحب نے یہ کتاب تحریر کی ہے۔ گھر کا بھیدی ہونے کے ناطے یہ کتاب اپنے مقصد میں بے مثال ہے۔

### ۸۷۔ مفتاح الجنة فى الاحتجاج بالسنة [ازحافظ جلال الدین السیوطی]

اردو ترجمہ بنام: حجیت سنت محمدیہ ﷺ ترجمہ: مولانا خالد گھر جاکھی (گھر جاکھ، ۱۹۸۶ء)

ادارہ احیاء السنہ گھر جاکھ نے فتنہ انکار حدیث کے حوالے سے کتاب کی افادیت کے پیش نظر عربی متن اور ترجمہ الگ الگ شائع کر کے عمدہ خدمت سرانجام دی ہے۔

### ۸۸۔ مقالات داؤد غزنوی [ازعلامہ حنیف ندوی، (لاہور، ۱۹۷۹ء)]

تاریخ جمع و تدوین احادیث رسول اکرم ﷺ کے بارے میں ص ۴۰۱ تا ۴۲۹ مقالات موجود ہیں۔

### ۸۹۔ مقالات محمود [ازمولانا محمود احمد میر پوری] مرتبہ: ثناء اللہ سیالکوٹی، (برطانیہ، ۱۹۹۶ء)

فتنہ انکار حدیث کے عنوان کے تحت میر پوری مرحوم کا مقالہ، ص ۱۰۹ تا ۱۵۵ پھیلا ہوا ہے۔

### ۹۰۔ مقام حدیث [ازمولوی محمد علی، (لاہور، ۱۹۳۲ء)]

نفس مضمون پر عمدہ کتاب ہے، اگرچہ مصنف کفریہ عقائد کا حامل ہے۔

### ۹۱۔ مقام حدیث [از (ادارہ طلوع اسلام) (لاہور، ۱۹۹۲ء)]

سرورق پر مصنف مصنفین کا نام درج نہیں۔ جبکہ غلام احمد پرویز اور حافظ محمد اسلم جیراج پوری صاحب وغیرہ کے مضامین شامل اشاعت ہیں۔ جو لوگ اپنا نام ظاہر کرنے کی جرأت نہیں رکھتے وہ اپنے عقائد میں کس قدر درست ہوں گے۔ نیز سرورق پر لکھا ہے۔

”احادیث کس طرح مرتب اور جمع ہوئیں اور ہم تک کس طرح پہنچیں۔ دین میں اس کی کیا حیثیت ہے اور قرآن و حدیث کا باہمی تعلق کیا ہے۔ ان مباحث کے متعلق تفصیلی گفتگو اور جامع معلومات“

کتاب کے نام کی طرح یہ تعارفی کلمات بھی سراسر ابلیسی و تدلیسی حربہ ہیں۔ کیونکہ ساری کتاب مقام حدیث گرانے اور جمع و تدوین حدیث کو جھوٹ ثابت کرنے میں تحریر کی گئی ہے۔ کتاب ہذا کا مطالعہ کرتے وقت اسکے مقصد تحریر کو ضرور سامنے رکھنا چاہئے کیونکہ یہ ساری کتاب کلمۃ حق اُرید بھابھ الباطل کا مظہر ہے۔

### ۹۲۔ مقام حدیث مع ازالہ شبہات [از فیض احمد گردوی (ملتان)]

حجیت حدیث، کتابت حدیث جیسے مختلف عنوانات پر تفصیلی بحث کے بعد منکرین حدیث کے ۱۰

شہادت کا عمدہ جواب، ص ۸۷ تا ص ۱۲۰ پر پایا جاتا ہے۔

۹۳۔ **مقام سنت** [شاہ محمد جعفر ندوی پھلواری، (لاہور، ۱۹۵۹ء)]

۹۴۔ **مقام سنت** [از علامہ مشتاق احمد چشتی، (لاہور ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء)]

سنت کی تشریحی حیثیت اور منکرین حدیث کے کئی ایک اعتراضات کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

۹۵۔ **مکانة الحدیث فی التشریح الاسلامی** [از محمد بن عبداللہ شجاع آبادی (ملتان)]

المعروف بہ 'حدیث رسول' اور پرویز

۹۶۔ **مناظرہ مابین مولوی عبداللہ چکڑالوی و اہل قرآن** [از مولانا محمد ابراہیم میرسیالکوٹی]

مولانا محمد ابراہیم میرسیالکوٹی صاحب کے دستخط بتاریخ ۱۳ جولائی ۱۹۰۶ء موجود ہیں۔

۹۷۔ **نصرة الباري في بيان صحة البخاري** [مولانا عبدالرؤف جھنڈاگری،

[گوجرانوالہ، ۱۹۸۲ء)]

سنت کی نصرت و حمایت میں لکھی جانے والی یہ کتاب منکرین حدیث کی سب سے بڑی ہدف تنقید 'صحیح بخاری' کے بارے اشکالات سے نجات کا بڑا مواد رکھتی ہے۔

۹۸۔ **دلائل التوثيق المبكر للسنة والحدیث** [از ڈاکٹر امتیاز احمد]

عربی ترجمہ: ڈاکٹر عبدالعطلی امین قلعجی (قاہرہ ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء)..... یہ عربی ترجمہ دراصل ایڈن برگ

یونیورسٹی میں ۱۹۷۴ء میں لکھے جانے والے پی ایچ ڈی مقالہ "The Significance of Sunnah and

Hadith and thier Early Documentation" کا ہے۔ جسے ڈاکٹر امتیاز احمد نے پیش کیا تھا۔ اصل

انگریزی مقالہ بھی قابل مطالعہ ہے۔

۹۹۔ **دراسات في الحدیث النبوی و تاریخ تدوینہ** [از ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی،

[بیروت، ۱۹۹۲ء)]

یہی مقالہ ڈاکٹر صاحب نے پہلے انگریزی زبان میں Studies in Early Hadith Literature

نوٹ: ماہنامہ محدث لاہور کے رسول مقبول نمبر حصہ اول دروم کے علاوہ مجلس تحقیق الاسلامی سے ماہنامہ انسٹیٹیوٹ آف ہائر سٹڈیز (شریعت و فضا) کے اعلیٰ ڈیپلوما کے حصول کے لئے جناب غازی عزیر کا طویل تحقیقی مقالہ 'اصلاحی نظریہ حدیث کا تجزیاتی مطالعہ' بھی دو جلدوں میں زیر طبع ہے۔ (محدث)

کے نام سے لکھا تھا جو امریکہ سے ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا۔ بعد ازاں جس کا عربی ترجمہ بھی انہوں نے کر لیا۔ انگریزی مقالہ میں ۵۰ اور عربی ایڈیشن میں ۵۲ صحابہ کرامؓ کے احادیث تحریر کرنے کے بارے تاریخی مواد جمع کیا گیا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے علاوہ تابعین اور تبع تابعین کی کثیر تعداد کے بارے بھی معلومات درج ہیں۔

100. An essay on

"The Sunnah: Its Importance, Transmission, Development & Revision"

by Dr. S.M.Yusuf, (Lahore, 1980)

**نوٹ:** محترم مقالہ نگار نے اس سلسلہ میں اہم کتب کی نشاندہی کر دی ہے، جس پر وہ داد کے مستحق ہیں۔ محدث کے فاضل قارئین کے علم میں اگر اس کے سوا دیگر کتب آئیں تو اس سے ادارہ محدث کو مطلع کریں تاکہ آئندہ شماروں میں وہ تکمیلی فہرست بھی شائع کر دی جائے۔

گول پورٹی، ڈیرہ اسماعیل خان کے اسلامیات لیکچرر ڈاکٹر عبداللہ نے بھی ۱۹۹۳ء میں پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں برصغیر میں فقہ انکار حدیث کے لٹریچر کا تنقیدی جائزہ کے موضوع پر اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ مکمل کیا ہے۔ اس میں بھی انہوں نے ۱۰۰ کے لگ بھگ کتب کا تعارف اور دیگر اہم مباحث کو پیش کیا ہے۔

موجودہ فہرست سے بہتر استفادہ کے لئے ذیل میں ادارہ محدث کی طرف سے اس کے مزید دو تکمیلی اشاریہ جات ترتیب دیے گئے ہیں۔ جس میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ ہر کتاب کو ایک مخصوص نمبر دے کر تکمیلی اشاریہ میں صرف ان نمبروں کو درج کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ پہلی فہرست مصتفین کے اعتبار سے ہے جس میں الف بانی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے اور دوسری فہرست موضوع وار ہے۔ امید ہے کہ اس طرح یہ مضمون زیادہ مفید ہو جائے گا۔ (حسن مدنی)

### 1 فہرست کتب باعتبار مصتفین کتاب نمبر

۹۶، ۲۶	ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا محمد
۷۹	ابوالقاسم بناری، مولانا
۳۴	ابوالقاسم محمد خان، مولانا
۸۲	ابوبکر غزالی، سید
۹	احمد حسن ٹوکی، مولانا
۱۲	ادارہ الاعتصام
۷۱	ادارہ صحیفہ الحمد بیٹ
۹۱	ادارہ طلوع اسلام
۳۹	ادریس کاندھلوی، مولانا محمد

- ادریس میرٹھی، مولانا محمد ۶۰  
 ارشاد الحق اثری، مولانا ۱۴۰۵  
 اسماعیل سلفی، مولانا محمد ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹  
 اسماعیل مشہدی، محمد ۲۰  
 افضل احمد غزنوی ۳۵  
 اقبال کیلانی، محمد ۳  
 امتیاز احمد ۹۸  
 امین الحق، سید محمد ۲۳  
 ایس ایم یوسف ۱۰۰  
 بدر عالم میرٹھی، مولانا ۸۷  
 بدیع الدین شاہ، مولانا ۲  
 ثناء اللہ الزاہدی، مولانا ۶  
 ثناء اللہ امرتسری، مولانا ۵۲، ۴۰  
 ثناء اللہ سیالکوٹی، مولانا ۸۹  
 جعفر شاہ ندوی پھلواری ۹۳  
 جلال الدین سیوطی، علامہ ۸۷  
 حبیب اللہ مختار، مولانا ۶۴  
 حمید اللہ عبدالقادر، ڈاکٹر ۸۵  
 حنیف ندوی، مولانا محمد ۸۸، ۸۶، ۸۱  
 خادم حسین الہی بخش، ڈاکٹر ۷۸  
 خالد سیف، مولانا محمد ۸۱  
 رفیق چوہدری، مولانا ۴۸  
 سبطین لکھنوی، ڈاکٹر ۲۵  
 سرفراز خان صفدر، مولانا  
 سلیمان ندوی، مولانا محمد ۲۹  
 سمیر عبدالحمید، ڈاکٹر ۷۴  
 شرف الدین محدث، مولانا ۴۷  
 صحیحی صاخر، علامہ ۷۲  
 عبدالقیوم ندوی، مولانا ۷۵  
 عبداللہ قسیمی، مولانا ۸۴  
 عبدالمتان نور پوری، مولانا ۷۳  
 غلام احمد حریری، مولانا ۶۶  
 غلام جیلانی برق، مولانا ۲۸  
 غلام علی، ملک ۵۹  
 فرمان، پروفیسر محمد ۱۵، ۱۳  
 فضل احمد غزنوی ۷۰، ۶۹  
 فضل احمد، ڈاکٹر ۸۳  
 فہیم عثمانی، مولانا ۴۹  
 فیض احمد ککروی، مولانا ۹۲  
 قمر الزمان، ڈاکٹر ۴۲  
 کرم شاہ، پیر محمد ۵۸  
 لقمان سلفی، ڈاکٹر ۱۹، ۱۷  
 محمد بن عبداللہ شجاع آبادی ۹۵  
 محمد بن نصر المرزوی ۵۵  
 محمد دین قاسمی، مولانا ۷۶  
 محمد علی، مولوی ۹۰  
 محمد گوندلوی، حافظ ۵۳، ۵۱  
 مسعود احمد، مولانا ۵۰، ۳۲  
 مشتاق احمد چشتی ۹۴  
 مصطفیٰ اعظمی، مولانا ۹۹  
 مصطفیٰ سباعی، علامہ ۴۵  
 معین الدین، شاہ ۱۷  
 مناظر احسن کیلانی ۳۰  
 منت اللہ شاہ رحمانی ۸۰  
 موودوی، سید ابوالاعلیٰ ۶۵، ۴۴  
 ناصر الدین البانی، علامہ ۳۷  
 ہدایت اللہ ندوی، مولانا ۲۷

- صفي الرحمن اعظمی، مولانا..... ۱۶  
 صلاح الدين مقبول احمد، مولانا ..... ۵۴  
 طيب، قاری محمد..... ۷۷، ۴۶  
 ظفر احمد عثمانی، مولانا..... ۳۱  
 عاصم الحداد، مولانا..... ۶۱  
 عبدالرحمن خان، منشی..... ۲۴  
 عبدالرحمن کیلانی، مولانا..... ۱  
 عبدالرحمن مدنی، مولانا..... ۲۲  
 عبدالرؤف رحمانی، مولانا ..... ۹۷، ۶۸  
 عبدالستار حسن، مولانا ..... ۴  
 عبدالسلام کیلانی، مولانا..... ۱۰  
 عبدالعزیز بن باز، شیخ..... ۴۱  
 عبدالغفار حسن، مولانا..... ۶۴، ۵۶، ۸  
 عبدالغنی عبدالخالق، مولانا..... ۴۳

## ② فہرست کتب باعتبار موضوع

حدیث و سنت کی اہمیت: ۳۷، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹

حجیت حدیث: ۴، ۱۱، ۱۹، ۳۷، ۸۵، ۸۸، ۸۹، ۹۸، ۹۹

تردید قتیہ انکار حدیث: ۴، ۱۲، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۲۳، ۳۵، ۳۶، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹

۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۸

تاریخ تدوین حدیث: ۴۷، ۲۸، ۳۰، ۳۲، ۳۹، ۲۶، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹

صحت بخاری و مسلم: ۵، ۶، ۱۴، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹

درایت حدیث: ۱۹، ۳۳، ۳۷



## دفاعِ حدیث اور اہلِ حدیث

قرآن مجید اگرچہ ایک واضح اور کھلی ہوئی کتاب ہے، اس میں کسی قسم کا غموض و انخفا نہیں ہے۔ لیکن اس میں اسلام کی تعلیمات کی پوری تفصیل اور تمام جزئیات کا احاطہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے بہت سے احکام مجمل یا کلیات کی شکل میں ہیں۔ جن کی وضاحت و تشریح اور کلیات سے جزئیات کی تصریح رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول و عمل سے فرمائی۔ آپ کا کام محض کلامِ الہی کو لوگوں تک پہنچانا نہیں تھا بلکہ اس کی تبیین و تشریح بھی آپ کے منصب میں شامل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے:

”اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن مجید) اتارا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے کھول کر بیان کریں تاکہ وہ اس میں غور و فکر کریں۔“ (النحل: ۴۴)

## حدیثِ نبوی قرآن مجید کی تفصیل و تشریح ہے

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم لکھتے ہیں:

”علوم القرآن اگر اسلامی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے تو علم حدیث شہِ رگ کی۔ یہ شہِ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضاء و جوارح تک خون پہنچا کر ہر آن اُن کے لئے تازہ زندگی کا سامان پہنچاتا رہتا ہے۔ آیات کا شان نزول اور ان کی تفسیر، احکام القرآن کی تشریح و تبیین، اجمال کی تفصیل، عموم کی تخصیص، مبہم کی تعیین، سب علم حدیث کے ذریعہ معلوم ہوتی ہیں۔ اسی طرح حال قرآن محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ و اخلاق و عادات مبارکہ، آپ کے اقوال و افعال اور آپ کے سنن و مستحبات اور احکام و ارشادات سب اسی علم حدیث کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں۔ اسی طرح خود اسلام کی تاریخ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احوال اور ان کے اعمال و اقوال اور اجتہادات و مستحبات کا خزانہ بھی اسی کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ اس بنا پر اگر یہ کہا جائے تو صحیح ہے کہ اسلام کے عملی پیکر کا صحیح مرقع اسی علم کی بدولت مسلمانوں میں ہمیشہ کے لئے موجود و قائم ہے۔ اور ان شاء اللہ اقیامت رہے گا۔“ (مقدمہ تدوین حدیث از مناظر احسن گیلانی)

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں:

”حضرت ﷺ کی بعثت، اسلام کا ظہور، اس کی تبلیغ، اس راہ کی صعوبتیں، غزوات اسلام کا غلبہ و اقتدار، حکومتِ الہیہ کا قیام، اس کا نظام، رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ، آپ کی سیرت معلوم کرنے کا ذریعہ صرف حدیث ہے۔ اگر اسی کو نظر انداز کر دیا جائے تو اسلام کی بہت سی تعلیمات اور

تاریخِ اسلام کے بہت سے گوشے مخفی رہ جائیں گے۔ اس لئے احادیثِ نبوی اسلام اور اسلامی تاریخ کا بڑا قیمتی سرمایہ ہیں اور اسی پر ان کی عمارت قائم ہے۔“ (تذکرۃ المحمّدین: ج ۱ ص ۷)

## فتنہ انکار حدیث کے متعلق پیش گوئی اور اسکی مختصر تاریخ

آنحضرت ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ ایک وقت آئے گا کہ میری حدیث کا انکار کر دیا جائے گا اور صرف قرآن مجید ہی کو تسلیم کیا جائے گا۔ حدیثِ نبوی ہے:

”میں تم میں سے کسی کو ایسا کرتے نہ پاؤں، (یعنی ایسا نہ ہو) کہ وہ اپنی مسہری (یا آرام کرسی) پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو اور جب اس کے سامنے میرے احکامات سے کسی بات کا امر یا کسی چیز کی ممانعت آئے تو وہ کہنے لگے کہ میں کچھ نہیں جانتا ہم تو جو قرآن مجید میں پائیں گے، اسی کو مانیں گے۔“ (مشکوٰۃ المصابیح: ص ۲۹)

منکرینِ حدیث کے جو گروہ پیدا ہوئے، ان کی ایک فہرست شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم نے مرتب کی ہے۔ مولانا سلفی مرحوم لکھتے ہیں:

”خوارج نے ۲۰۰ھ میں ان احادیث کا انکار کیا جو اہل بیت کے فضائل میں تھیں اور ان کے بعد شیعہ حضرات نے ان احادیث کا انکار کیا، جو صحابہ کرام کے فضائل میں تھیں۔ اور معتزلہ اور جہمیہ فرقوں نے احادیثِ صفاتِ الہی کا انکار کیا۔ ۲۲۱ھ میں قاضی عیسیٰ بن ابان اور ان کے تبعین اور ان کے ساتھ متاخرین فقہا قاضی ابوزید بوسی وغیرہ نے ان احادیث کا انکار کر دیا جو غیر فقیہ صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ ۴۰۰ھ کے بعد معتزلہ اور متکلمین نے اصول، فروع دونوں میں خبر واحد سے اختلاف کیا۔“

۱۳۰۰ھ کے قریب قریب مولوی چراغ علی اور سرسید احمد خاں نے احادیث کو تاریخ کا ذخیرہ قرار دیا۔ اور اپنا یہ اصول بنایا کہ جو حدیث نیچر کے موافق ہوگی، وہ قابل قبول ہے اور جو نیچر کے موافق نہیں، وہ قابل قبول نہیں..... ۱۳۰۰ھ کے بعد ایک ایسا گروہ آیا جس نے احادیث کا بالکل انکار کر دیا۔ اس گروہ میں مولوی عبداللہ چکڑالوی، مستزی محمد رمضان گوجرانوالہ، مولوی حشمت علی لاہوری اور مولوی رفیع الدین ملتانی شامل تھے..... ان کے بعد ۱۴۰۰ھ میں ایک گروہ اور نمودار ہوا جنہوں نے قرآن و حدیث اور پورے دین اسلام کو ایک کھیل قرار دیا۔ اور ایک سیاسی نظریہ قائم کیا کہ اس میں رد و بدل کیا جا سکتا ہے۔ اس گروہ میں مولوی احمد الدین امرتسری اور مسٹر غلام احمد پرویز شامل تھے..... ان کے ساتھ کچھ حضرات ایسے بھی سامنے آئے جنہیں منکرینِ حدیث کے گروہ میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ان کے اندازِ فکر سے حدیث کا استحقاق اور استحقاق معلوم ہوتا ہے اور طریقہ گفتگو سے انکار حدیث کے چور دروازے کھل سکتے ہیں۔ اس گروہ میں مولانا شبلی مرحوم، مولانا حمید الدین فراہی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی، اور عام فرزند ان ندوہ باشتنائے حضرت سید سلمان ندوی رحمہ اللہ شامل ہیں۔“ (حجیتِ حدیث: ص ۱۱۴)

## تدوین حدیث

منکرین حدیث کی طرف سے ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ حدیث کی تدوین زمانہ نبوی سے ۱۵۰ سال بعد ہوئی؛ اب یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ یہ احادیث صحیح ہیں؟ اس بارے میں علامہ سید سلیمان ندوی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

”مسلمانوں کے اس فقرے کے معنی کہ حدیث کی تدوین ہجرت کے ۱۵۰ برس بعد ہوئی، یہ ہے کہ یہ تصنیف اور کتابت کی حیثیت میں، ورنہ محض تحریر و کتابت کی حیثیت سے زمانہ نبوی ہی میں اس کی جمع و تحریر کا آغاز ہو چکا تھا۔“ (مکتوباتِ سلیمانی: ص ۱۲۲)

مولانا محمد اسحاق سندیلوی مرحوم لکھتے ہیں:

”تحقیق یہ ہے کہ تدوین حدیث کا کام نبی اکرم ﷺ کے زمانہ سے شروع ہو چکا تھا۔ خلفائے راشدین کے دور میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور کوئی زمانہ بھی ایسا نہیں گزرا جس میں یہ سلسلہ کلیتاً منقطع ہو گیا ہو۔“ (ماہنامہ الفرقان، لکھنؤ: ذی قعدہ ۱۳۷۵ھ، ص ۳۷)

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تدوین حدیث کے سلسلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے جو خدمات سرانجام دیں، اس کی حقیقت کیا ہے، اس بارے میں مولانا عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں کہ ”صحابہ کرامؓ ہی کے زمانہ میں فن حدیث مدون ہو چکا تھا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے انہی اجزائے پریشان کو ایک مجموعے کی صورت میں جمع کروایا۔“ (اسوہ صحابہ: ج ۲ ص ۳۱۰)

## دفاعِ حدیث کے سلسلہ میں علمائے اہلحدیث کی خدمات

برصغیر پاک و ہند میں جب انکارِ حدیث کا فتنہ رونما ہوا تو علمائے اہلحدیث نے اس کی طرف خاص توجہ کی اور حدیثِ نبوی ﷺ پر اٹھائے گئے اعتراضات کا نوٹس لیا اور ان کے ٹھوس اور مدلل جوابات دیئے۔ منکرین حدیث سے تحریری و تقریری مناظرے بھی کئے اور ان کی طرف سے لکھی گئی کتابوں کے جوابات بھی لکھے۔ اس سلسلہ میں جن علمائے اہلحدیث نے قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں، ان میں مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری، مولانا حافظ محمد ابراہیم میرسیالکوٹی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، مولانا حافظ عبد اللہ محمد رتو پڑی، مولانا عبداللہ ثنائی امرتسری، مولانا محمد جونا گڑھی، مولانا ابوبکیٰ امام خان نوشہروی، مولانا ابوالمحمود ہدایت اللہ سوہدروی، مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا عبدالمجید سوہدروی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا محمد داود راز دہلوی، مولانا محمد علی جانابا، مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹی، مولانا عبدالصمد حسین آبادی، مولانا حافظ محمد اسحاق، مولانا محمد اسحاق بھٹی، مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، مولانا عبدالرحمن کیلانی، حافظ صلاح الدین یوسف اور مولانا ارشاد الحق اثری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان حضرات نے منکرین حدیث کی طرف سے کئے گئے اعتراضات کے ٹھوس

جوابت دیئے۔ اس کی شہادت جماعتی اخبارات و رسائل یعنی اہلحدیث امرتسر، تنظیم اہلحدیث روڑ، اخبارِ محمدی دہلی، ماہنامہ 'محمدت' دہلی، 'اہلحدیث گزٹ' دہلی، 'مسلمان' سوہدرہ، 'الاعتصام' لاہور، 'اہلحدیث' لاہور، 'ترجمان الحدیث' لاہور، فیصل آباد، 'الاسلام' لاہور، ماہنامہ 'محمدت' لاہور، اور 'صحیفہ اہلحدیث' کراچی سے مل سکتی ہے۔ ذیل میں اہل حدیث علما کی اس ضمن میں تحریری خدمات کی ایک مختصر فہرست پیش کی جاتی ہے، جس میں زمانی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے:

**مولانا عبدالستار عمر پوری** [م ۱۳۳۳ھ بمطابق ۱۹۱۶ء]

**اثبات المنہج**: اس کتاب میں منکرین حدیث کے اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

**مولانا عبدالرحمن محدث مبارکپوری** [م ۱۳۵۳ھ بمطابق ۱۹۳۵ء]

① **اعلام اہل الزمن من تبصرہ آثار السنن (اردو)**: مولوی ظہیر احسن شوق نبوی کی کتاب آثار السنن کے جواب میں ہے۔ مولوی ظہیر احسن نے حدیث کے سلسلہ میں بے شمار غلطیاں کیں، ان کی نشاندہی کی گئی ہے۔

② **ابکار السنن فی تنقید آثار السنن (عربی)**: ظہیر احسن کی کتاب آثار السنن کی تردید میں ہے۔

**مولانا ابوالقاسم سیف بناری** [م ۱۳۶۹ھ]

مولوی محمد کریم لکھنوی ایک غالی بریلوی تھے اور صرف نام کے مولوی تھے۔ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ انہوں نے امام محمد بن اسلمیل بخاری کی کتاب جامع صحیح بخاری پر بے جا قسم کے اعتراضات کئے اور اس میں کئی ایک کتابیں اور اشتہارات شائع کئے۔ مولانا شمس الحق عظیم آبادی صاحب عون المعبود کی تحریک پر ان کے تلیذ خاص مولانا ابوالقاسم سیف بناری نے مولوی عمر کریم لکھنوی کی تمام کتابوں اور اشتہارات کا جواب دیا۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

① **حل مشکلات بخاری مسمیٰ بہ الکواثر الجاری فی جواب الجرح علی**

**البخاری**: یہ کتاب چار جلدوں میں ہے، تین جلدیں شائع ہوئیں چوتھی جلد شائع نہیں ہو سکی۔ چوتھی جلد کا قلمی نسخہ مولانا بدیع الدین شاہ راشدی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

② **الامر المبرم للابطال الکلام المحکم**: یہ کتاب ڈاکٹر عمر کریم کے جامع صحیح بخاری پر

۱۷۵ اعتراضات کا جواب ہے۔

③ **ماء حمیم للمولوی عمر کریم**: ڈاکٹر عمر کریم کے ۱۲ سوالات کا جواب

④ **صراط مستقیم لہدایۃ عمر کریم**: مولوی عمر کریم کے اشتہار نمبر ۲ کا جواب

⑤ **الریح العقیم لعمر کریم**: صحیح بخاری پر ۱۵۹ اعتراضات کا جواب

⑥ الخزي العظيم للمولوي عمر كريم: مولوی عمر کریم کے اشتہار نمبر ۴ کا جواب

⑦ دفع بهتان العظي:

⑧ العرجون القديم في إفساء هفوات عمر كريم: مولوی عمر کریم کے اشتہار نمبر ۳ کا جواب

⑨ الجرح على ابي حنيفة

⑩ السير الحثيث في براءة اهل الحديث

مولانا حافظ محمد ابراہیم میرسیالکوٹی

**مناظرہ:** مولانا میرسیالکوٹی اور عبد اللہ چکڑالوی (منکر حدیث) کے مابین ایک مناظرہ بعنوان 'اطيعوا الله واطيعوا الرسول' ہوا تھا۔ مولانا سیالکوٹی کا دعویٰ یہ تھا کہ 'الرسول' سے مراد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور چکڑالوی کا دعویٰ تھا کہ 'الرسول' سے مراد قرآن مجید ہے۔ یہ مناظرہ کتابی صورت میں 'مناظرہ' کے نام سے طبع ہوا۔

مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے منکرین حدیث کے ساتھ تحریری، تقریری مناظرے بھی کئے اور ان کی کتابوں کے جوابات بھی لکھے، جن کی تفصیل یہ ہے:

① دلیل الفرقان بجواب اہل القرآن: چکڑالوی کے رسالہ برہان القرآن علی صلوة القرآن کا جواب

② حدیث نبوی اور تقلید شخصی: منکرین حدیث کے اعتراضات کا جواب

③ برہان القرآن: مولانا ثناء اللہ امرتسری اور منکر حدیث مولوی احمد الدین امرتسری کے مابین مناظرہ کی روداد، مناظرہ کا موضوع حجیت حدیث تھا۔

④ حجیت حدیث اور اتباع رسول: اس مناظرہ کی روداد جو مولانا امرتسری اور مولوی احمد الدین کے مابین اطاعت رسول کے عنوان سے ہوا تھا۔

⑤ خاکسار تحریک اور اس کا بانی: علامہ عنایت اللہ خاں مشرقی حدیث رسول کو حجیت شرعیہ نہیں مانتے تھے، اس رسالہ میں علامہ مشرقی کے انکار حدیث کی حقیقت واضح کر کے اس کا جواب دیا گیا ہے۔

⑥ دفاع عن الحدیث: یہ رسالہ محمد اسلم جیراج پوری کے مضمون 'انکار حدیث' کے جواب میں لکھا گیا۔

⑦ برہان الحدیث باحسن الحدیث: یہ کتاب اس مناظرہ کی روداد ہے جو مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولوی احمد الدین امرتسری (منکر حدیث) کے مابین حجیت حدیث کے موضوع پر ہوا تھا۔

⑧ تصدیق الحدیث (۳ جلد): یہ تینوں کتابیں (۶ تا ۸) مولوی اسلم جیراج پوری، مولوی احمد الدین امرتسری اور مولوی عبد اللہ چکڑالوی کی تحریروں کے جواب میں لکھی گئیں۔

9 **بیان الحق بجواب بلاغ الحق:** پنڈت محبت الحق کی کتاب 'بلاغ الحق' جس میں احادیثِ رسول کو ناقابلِ عمل بنایا گیا ہے، کے جواب میں ہے۔

10 **خطاب بہ مودودی:** اس رسالہ میں مولانا مودودی کے نظریہ حدیث کو واضح کر کے اس کا جواب دیا گیا ہے۔

11 **صلوٰۃ المؤمنین بجواب رسالہ صلوٰۃ المرسلین:** منکرین حدیث کے رسالہ 'صلوٰۃ المرسلین' کی تردید میں

مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑی [م ۱۹۶۳ء]

**مودودیت اور احادیثِ نبویہ:** یہ کتاب مولانا مودودی کے نظریہ حدیث سے متعلق ہے۔ مولانا مودودی نے حدیث کے بارے میں جو شبہات ظاہر کئے تھے، ان کا جواب دیا گیا ہے۔

مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی [م ۱۳۰۵ھ بمطابق ۱۹۸۵ء]

1 **تقدیر المسائل:** اس کتاب میں مولانا مودودی کے نظریہ حدیث کو واضح کیا گیا ہے اور حدیث کے بارے میں ان کے جو شبہات تھے، اس کی توضیح و تشریح کر کے ان کا جواب دیا گیا ہے۔

2 **دوام حدیث:** منکر حدیث مسٹر غلام احمد پرویز کی کتاب 'مقام حدیث' کے جواب میں لکھی گئی۔ یہ مکمل کتاب ماہنامہ ترجمان الحدیث لاہور میں اگست ۶۹ تا اگست ۷۳ء کے شماروں میں شائع ہو چکی ہے۔

مولانا ندیر احمد رحمانی [ولادت ۱۳۲۳ھ بمطابق ۱۹۰۶ء..... م ۱۳۸۵ھ بمطابق ۱۹۵۶ء]

**جواب تقدیر:** مولوی عبدالرشید نعمانی کے مضمون 'تبصرہ' کا جواب جو انہوں نے مولانا ابوالقاسم بنارسی کے ایک مضمون 'جامع صحیح البخاری' اور 'مختصر حدیث' میں شائع ہوا تھا، کے جواب میں 'تبصرہ' کے نام سے لکھا تھا۔

مولانا عبدالصمد حسین آبادی اعظمی [ولادت ۱۳۲۲ھ]

1 **تائید حدیث بجواب تقدیر حدیث** 2 **شرف حدیث** 3 **شان حدیث**

یہ تینوں کتابیں مولوی محمد اسلم جیران پوری (منکر حدیث) کے ان مقالات کے جواب میں ہیں جو انہوں نے 'طلوع اسلام' دہلی میں شائع کئے۔

مولانا محمد سلیمان مسوی [م ۱۹۵۹ء]

**تحقیق مسئلہ دجال:** انہوں نے تحقیق مسئلہ دجال کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں مولانا مودودی کے اس مضمون جو ترجمان القرآن مجریہ رمضان و شوال ۱۳۶۳ھ شائع ہوا تھا کہ 'کانا دجال وغیرہ افسانے ہیں، اس کی کوئی حقیقت نہیں..... کی وضاحت کی گئی ہے۔

## مولانا محمد حنیف ندوی

### مطالعہ حدیث

## مولانا محمد اسماعیل سلطانی

مولانا محمد اسماعیل سلطانی نے جو کتابیں حدیث کی حمایت اور مدافعت میں لکھیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

① **امام بخاری کا مسلک:** اس کتاب کے شروع میں مسلکِ اہل حدیث پر روشنی ڈالی ہے۔ بعد میں علمائے دیوبند کا اضطراب، فقہ الحدیث اور فقہ الرائے، الرذالی الجیمیہ اور خبر واحد کی توضیح و تشریح کرتے ہوئے ہر ایک پر محاکمہ کیا گیا ہے۔

② **واقعہ اُفک:** مشہور منکر حدیث تمنا عمادی کے مضمون 'واقعہ اُفک عائشہ' کے جواب میں ہے جس میں عمادی صاحب نے یہ لکھا تھا کہ واقعہ اُفک عائشہ کی حدیث موضوع اور عجیبی سازش کی پیداوار ہے۔

③ **سنت قرآن کے آئینہ میں:** یہ رسالہ فتنہ انکار حدیث کی تردید میں ہے۔ اس میں مولانا سلطانی مرحوم نے ایک نئے انداز میں حجیت حدیث پر بحث کی ہے۔

④ **مقام حدیث، قرآن کی روشنی میں:** اس کتاب میں حدیث کے مرتبہ و مقام کو واضح کیا ہے۔

⑤ **حدیث کی تشریحی اہمیت:** اس کتاب میں قرآن مجید سے ثابت کیا گیا ہے کہ جس طرح قرآن مجید کو ماننا اور اس کے احکام پر عمل کرنا فرض ہے، اسی طرح صحیح احادیث پر عمل کرنا بھی فرض ہے۔ جیسے قرآن مجید کا منکر کافر ہے اسی طرح احادیث کا منکر بھی کافر ہو جاتا ہے۔

⑥ **حجیت حدیث آنحضرت ﷺ کی سیرت کی روشنی میں:** اس کتاب میں آیات قرآنیہ سے آنحضرت ﷺ کی زندگی کے چند پہلوؤں کو واضح کیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جس شخص کی سیرت اس طرح روشن ہو اور اس کی بات کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر وہ کیسے مسلمان رہ سکتا ہے؟

⑦ **جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث:** یہ کتاب مولانا مودودی کی کتاب 'تقیہات' و 'مسلک اعتدال' اور مولانا امین احسن اصلاحی کے ایک مضمون 'بلسلسلہ حجیت حدیث کے جواب میں ہے۔

## مولانا عبدالقیوم ندوی

**فہم حدیث:** مطالعہ حدیث اور فہم حدیث دونوں کتابیں حجیت حدیث کے موضوع پر لا جواب ہیں۔

## مولانا سید ابوبکر غزنوی

**کتابت حدیث:** منکرین حدیث کا یہ اعتراض کہ حدیث کی تدوین ۲۵۸ سال بعد ہوئی، اس لئے قابل حجت نہیں۔ اس کا جواب دیا گیا اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ حدیث کی کتابت عہد نبوی ﷺ میں

شروع ہوئی تھی۔

## مولانا محمد داود راز دہلوی

① مسک اہل حدیث: مولانا مودودی کے نظریہ حدیث کی وضاحت اور مسلک اہل حدیث کی توضیح و تشریح کی ہے۔

② تحریک جماعت اسلامی کا پس منظر: مولانا مودودی کے نظریہ حدیث کو واضح کیا گیا ہے۔

## مولانا عبدالرءوف رحمانی جھنڈا نگری

نصرة الباری فی بیان صحیح البخاری: اس کتاب میں امام بخاری اور ان کی کتاب 'صحیح بخاری' کی عظمت و جلالت اور اسکے خصائص پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے منکرین حدیث کا جواب دیا گیا ہے۔

## مولانا عبدالرحمن کیلانی

آئینہ پرویزیت: چھ حصوں پر مشتمل پرویزیت کے جواب پر مشتمل ایک انسائیکلو پیڈیا ہے، جس کے آخر میں پرویزیوں سے متعدد سوالات کئے گئے ہیں، جن کے جوابات آج تک نہیں دیے گئے۔

## مولانا محمد صادق سیالکوٹی

② اعجاز حدیث

① ضرب حدیث

## مولانا صفی الرحمن مبارکپوری

انکار حدیث، حق یا باطل؟: نظریہ انکار حدیث کا پوسٹ مارٹم قرآن اور عمومی عقل سے کیا گیا ہے۔

انکار حدیث کیوں؟: اس رسالہ میں منکرین حدیث کے حدیث پر اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔

## مولانا محمد رئیس ندوی

اللحاح الی مانی انوار الباری من الظلمات (۴ جلد): مولوی احمد رضا بجنوری نے مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری کے درس بخاری کو مرتب کر کے 'انوار الباری' کے نام سے شائع کیا اور اس کے مقدمہ میں محدثین کرام کی خدمات اور حدیث پر تنقید کی۔ یہ کتاب انہی تنقیدات کا جواب ہے۔ یہ کتاب مکتبہ سلفیہ بنارس نے شائع کی اور اس کتاب کی فوٹو پاکستان میں مولانا عبدالشکور اثری، سائنگلہ ہل نے شائع کی۔

## مولانا عبدالحمید منظر

بنا مذہب فکر: اس رسالہ میں مولانا مودودی کے مضمون 'مسلک اعتدال' کا جواب دیا گیا ہے۔

مولانا محمد نصرت اللہ مالیر کوٹلوی بینات



## کتاب دو اسلام از ڈاکٹر غلام جیلانی برق

ڈاکٹر غلام جیلانی برق مرحوم شروع میں منکر حدیث تھے اور گم کردہ راہ تھے۔ اپنے اس دور میں انہوں نے 'دو اسلام' کے نام سے ایک کتاب مرتب کر کے شائع کی جس میں انہوں نے حدیث نبوی ﷺ پر بیجا قسم کے اعتراضات کئے۔ علماء اہل حدیث نے اس کا بروقت نوٹس لیا اور اس کتاب کی تردید میں کتابیں لکھیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے، چنانچہ انہوں نے انکارِ حدیث سے رجوع کر لیا۔

- ① خالص اسلام از مولانا محمد داؤد راز دہلوی
- ② رسالہ جواب دو اسلام از مولانا حافظ محمد گوندلوی
- ③ صحیح اسلام بجواب دو اسلام از مولانا عبدالعزیز رحمانی
- ④ صیانتہ الحدیث (جلد ۲) از مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا لگڑی
- ⑤ برق اسلام از مولانا ابوسعید شرف الدین محدث دہلوی

## مولانا محمد خالد سیف

### کتابت حدیث تا عبدتالبعین

مولانا عبدالغفار حسن [ولادت ۱۳۳۱ھ بمطابق ۱۹۱۳ء]

عظمت حدیث: اس کتاب میں عمر پوری خاندان کے حجیت حدیث پر منتخب مقالات شائع کئے گئے ہیں، جن میں مولانا عبدالستار حسن عمر پوری، مولانا عبدالغفار حسن اور ڈاکٹر صہیب حسن، لندن کے مقالات شامل ہیں۔

## مولانا پرویسر غلام احمد حریری

حدیث رسول کا تشریحی مقام: ڈاکٹر مصطفیٰ سہامی کی کتاب 'السنۃ مکاتبتنا فی التشریح الاسلامی' کا اردو ترجمہ علوم الحدیث: یہ کتاب ڈاکٹر صحتی صالح کی عربی کتاب 'علوم الحدیث و مصطلحہ' کا ترجمہ ہے۔

## مولانا محمد ادریس فاروقی سوہدروی

### ② ضرورت حدیث

### ① انوار حدیث

ان دونوں کتابوں میں حجیت حدیث، تدوین حدیث، کتابت حدیث اور منکرین حدیث کے اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

**فائدہ دین سے گذارش:** فاضل قارئین اگر اس فہرست میں بعض کتابوں کو غیر موجود پائیں تو ازراہ کرم اس سے ادارہ محدث کو آگاہ کریں تاکہ آئندہ شماروں میں تکمیلی فہرست میں اسے شامل کیا جاسکے۔ اداہ

## دنیا بھر کے علما کا غلام احمد پرویز پر فتویٰ کفر

غلام احمد پرویز کے کفریہ نظریات کے پیش نظر عرب و عجم کے سینکڑوں علماء اُمت نے متفقہ طور پر یہ فتویٰ صادر کیا ہے کہ ”غلام احمد پرویز کو اپنے عقائد و نظریات کی وجہ سے کافر قرار دیا جاتا ہے۔“

یہ فتویٰ ۵x۸ سائز کے دو سو چھپن (۲۵۶) صفحات پر محیط ہے جسے ”پرویز کے بارے میں علما کا متفقہ فتویٰ“ کے نام سے مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی نے کتاب کی صورت میں شائع کیا ہے۔ اس کتاب کے آغاز میں مولانا محمد منظور نعمانی اور محمد عبدالرشید نعمانی کی دو ادارتی تحریریں بھی شامل ہیں جو اس فتویٰ کے پس و پیش حقائق کی وضاحت کرتی ہیں۔

اس کتاب کے ابتدائی تیس (۳۰) صفحات میں سائل کا استفتا شائع کیا گیا ہے جن میں سائل نے پرویز کے کفریہ و شرکیہ عقائد (مثلاً اللہ اور رسول کا غلط تصور، مرکزِ ملت کی اختراع، انکارِ حدیث، ارکانِ اسلام کی لحدانہ تعبیر، تقدیر و آخرت اور ملائکہ وغیرہ سے انکار وغیرہ) خود پرویز کی کتابوں اور تحریروں سے بحوالہ ذکر کرنے کے بعد یہ فتویٰ طلب کیا ہے کہ

”حضراتِ علمائے کرام از روئے شرع بیان فرمائیں کہ اس فرقہ کے بانی اور اس کے تبعین کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ لوگ مسلمان ہیں؟ اور ان کے ساتھ اسلامی تعلقات رکھنا مثلاً ان سے نکاح کرنا، مسلمانوں کے قبرستان میں ان کو دفن کرنا اور ان کی میت پر نماز جنازہ پڑھنا اور ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا جائز ہے؟ اور کیا وہ کسی مسلمان کے وارث ہو سکتے ہیں؟ بینوا تو جروا“

اس سوال کے تفصیلی جواب، پرویز پر فتویٰ کفر اور اس فتویٰ پر پاکستان بھر کے تمام مکتبہ فکر کے علما کی تصدیق و تائید اگلے دو سو بیس (۲۲۰) صفحات پر محیط ہے جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ

سب سے پہلے ولی حسن ٹوکی<sup>۲</sup> (مفتی و مدرّس مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی)، محمد یوسف بنوری<sup>۳</sup> (شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ کراچی) اور محمد عبدالرشید نعمانی (رفیق شعبہ تصنیف، مدرسہ عربیہ کراچی) کا سو صفحات پر مشتمل مشترکہ تفصیلی جواب ہے جس میں مذکورہ تینوں علمائے مضبوط دلائل کی روشنی میں پرویز کے چالیس چھوٹے بڑے نظریات کا بھرپور جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ ان عقائد و نظریات کا صریح طور پر کفریہ ہونا ثابت کیا ہے۔ مثلاً پرویز کے ”رسول کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی سے اپنی اطاعت

کرائے، پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ

”ایسا کہنا قطعاً کفر ہے، اطاعت رسول دین کے مسلمات میں سے ہے۔ امت محمدیہ علی صاحبہا التیات والتسلیمات نے اطاعت رسول کو ہمیشہ دین کا جزو لاینک سمجھا ہے۔ رسول پر ایمان لانے کا مطلب ہی اس کی اطاعت و فرمانبرداری ہے اور نہ صرف یہ کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ضروری ہے بلکہ ہر رسول مطاع ہوتا تھا اور ہر امت پر اپنے رسول کی اطاعت فرض و لازم تھی۔ دیکھئے قرآن کریم کس طرح حصر کے ساتھ بیان کر رہا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ..... اطاعت رسول کا انکار درحقیقت رسول سے برأت و بیزاری ہے جو سراسر کفر ہے۔“ (ص ۲۴۲-۵۲۲)

اس کے بعد کتاب ہذا کے صفحہ ۱۳۶ تا ۱۳۹ میں دارالعلوم، دیوبند کی طرف سے مذکورہ تفصیلی سوال

کے جواب میں پرویز پر فتویٰ کفر صادر کیا گیا ہے۔ جس کی ابتدائی عبارت اس طرح ہے کہ

”غلام احمد پرویز کے جو خیالات و معتقدات سوال میں نقل کئے گئے ہیں وہ تقریباً سب کے سب الحاد و زندقہ اور کفریات پر مشتمل ہیں اور بلاشبہ ان کا معتقد دائرہ اسلام سے خارج ہے۔“ (ص: ۱۳۶)

اس کے بعد کتاب ہذا کے صفحہ ۱۴۰ سے ۲۰۰ تک پاکستان بھر کے تمام فقہی مکاتب فکر کے مشہور و معروف علمائے کرام کے تصدیقی دستخط ثبت ہیں کہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاون کراچی اور دارالعلوم دیوبند کی طرف سے پرویز اور اس کے نظریات کے معتقد پر کفر کا فتویٰ عین حق و صواب ہے۔ ان علما کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز (۱۰۲۸) ہے۔ جس میں ہر شہر کے نمائندہ علماء، تمام دینی درسگاہوں اور مذہبی جماعتوں کے زعماء اور تمام مکاتب فکر کی چیدہ چیدہ شخصیات شامل ہیں۔ چند معروف علما کے نام یہ ہیں:

مولانا محمد داؤد غزنوی، حافظ عبداللہ محدث روپڑی، عبدالغفار سلفی، عبدالحق رحمانی، حافظ عبدالقادر روپڑی، حافظ محمد اسماعیل ذبیح..... مولانا مفتی محمود، مفتی محمد شفیع، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا ظفر احمد عثمانی، محمد ادریس کاندھلوی..... مولانا غلام غوث ہزاروی، محمد عبداللہ قادری، محمد عبد السلام قادری، محمد عبدالحلیم چشتی، محمد سلیم الدین چشتی، عبدالکریم قاسمی، محمد بہاء الحق قاسمی وغیرہ

آخر میں کتاب کے صفحہ ۲۲۱ تا ۲۲۸ پر مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم کی طرف سے پرویز کے مذکورہ عقائد کو عربی زبان میں تحریر کر کے عرب بلاد اسلامیہ سے بھی فتویٰ طلب کیا گیا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۲۲۹ سے ۲۵۵ (آخر کتاب) تک بلاد عربیہ سے موصول ہونے والے مختلف فتاویٰ کے عربی متن درج ہیں جن میں متفقہ طور پر پرویز اور اس کے معتقدات کے حامل کو صریح طور پر کافر قرار دیا گیا ہے۔ یہ فتاویٰ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور شام و مصر وغیرہ کے بڑے جید علمائے کرام اور حکومتی مناصب پر فائز حضرات کی طرف سے صادر کئے گئے ہیں۔ ☆ [فتاویٰ کی مزید تفصیلات کے لئے دیکھیں صفحہ ۲۴۷]

## ’فتنہ انکار حدیث کی تردید اور ’حجیت حدیث‘ کے موضوع پر دینی رسائل میں شائع ہونے والے مضامین کا اشاریہ

دینی رسائل و جرائد نے ’فتنہ انکار حدیث‘ کی تردید میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ رسائل میں شائع ہونے والے مضامین کا یہ امتیاز ہے کہ ان میں معاشرتی رجحانات پر ماہ بہ ماہ تنقید و تبصرہ ہوتا رہتا ہے اور ان کے ذریعے معاشرے میں پائے جانے والے افکار کی ساتھ ساتھ وضاحت و تردید اور مطلوبہ ذہن سازی کی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے اس فتنہ کا ارتقائی جائزہ اور بدلے روپ دینی مجلات کے ذریعے ہی ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔ ان رسائل میں اکثر و بیشتر قیمتی مضامین وقت کے سپنے تلے ڈب جاتے ہیں، جبکہ ان کی علمی حیثیت اور ضرورت کبھی نہ ختم ہونے والی ہوتی ہے۔ متعدد مقالات ایسے اہل علم کی داؤد تحقیق ہوتے ہیں، جو مطلوبہ وسائل میسر نہ ہونے کی وجہ سے ان کی مستقل اشاعت کا انتظام نہیں کر سکتے، اس لحاظ سے بڑا قیمتی علمی سرمایہ دینی رسائل کی فائلوں میں محفوظ پڑا ہے۔

ادارہ محدث نے اسی بات کی اہمیت محسوس کرتے ہوئے دو سال قبل ایک مستقل شعبہ رسائل و جرائد منظم کیا ہے، جس میں برصغیر کے جملہ اہم علمی مجلات کے تمام شماروں کو محفوظ کرنے کا معیاری انتظام کیا گیا ہے۔ ان رسائل کی اشاریہ بندی کا کام بھی چند افراد باقاعدگی سے کرتے ہیں اور الحمد للہ اب تک ۲۵ سے زائد رسائل کے اشاریہ جات مکمل ہو چکے ہیں۔

’فتنہ انکار حدیث‘ پر اس خصوصی اشاعت کے موقع پر ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ اس موضوع پر جرائد میں میسر تمام مضامین کی جامع فہرست مرتب کی جائے۔ چنانچہ اس شعبہ کے تمام رسائل پر دو ماہ شبانہ روز کام کیا گیا اور اس کے نتیجے میں پہلی بار اس قدر وسیع پیمانے پر فتنہ انکار حدیث کے موضوع پر ایک جامع اشاریہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے جو ایک طرف محققین کے لئے نعت بے بہا ثابت ہوگا تو دوسری طرف اس سے انکار حدیث کے فتنہ کے خلاف کام کرنے میں بھی بڑی مدد حاصل ہوگی۔ یوں تو یہ اشاریہ ادارہ محدث میں شریک کار اہل علم کی مشترکہ کاوش ہے لیکن محترم شاہد حنیف اور حافظ سعد محمود کی مضامین جمع کرنے میں کارکردگی نمایاں ہے جس کیلئے انہوں نے لاہور کی مختلف لائبریریوں کے علاوہ گوجرانوالہ کا بھی سفر کیا۔

ایک ہی سطر میں تمام ضروری معلومات جمع کرنے کی غرض سے، اس اشاریہ میں بعض علامات اور رموز کا بھی استعمال کیا گیا ہے، جس کے لئے ہر جگہ کو ایک ’رمز‘ دیا گیا ہے۔ بغور جائزہ لینے پر مختلف علامات کو سمجھنا مشکل نہیں ہوگا۔ سب سے پہلے اشاریہ میں شامل مجلات کی ایک فہرست دی گئی ہے، جس میں اس موضوع پر زیادہ مضامین والے مجلات کو پہلے لایا گیا ہے۔ ہر جگہ سے پہلے اس کا رمز بھی دیا گیا ہے۔ اس کے بعد اشاریہ کے موضوعات کی فہرست دی گئی ہے۔ آخر میں اس اشاریہ کو مزید مفید بنانے کے لئے مصنفین کے اعتبار سے بھی مقالات کی فہرست دی گئی ہے۔ ہر مقالہ کو دینے جانے والے ایک مخصوص نمبر کی مدد سے اس فہرست کو مکمل کیا گیا ہے۔ یہی طریقہ اس کے بعد مجلات والے مضامین کی فہرست میں بھی اختیار کیا گیا ہے۔ اس طرح کی مزید فہرستیں بھی اسی طریقہ پر عمل کر کے بنائی جاسکتی ہیں۔ اشاریہ سازی کا فن ابھی اردو میں اس قدر ترقی یافتہ نہیں ہوا، اپنی استعداد کے مطابق ہم نے اس میں جو طریقہ اپنایا ہے، امید ہے ماہرین اس کو بہ نظر استحسان دیکھیں گے اور مزید بہتری کے لئے بھی اپنی تجاویز دیں گے۔

(حسن مدنی)

ردیف	مجلد	تعارفی جملہ	سنے تعداد سال	تعداد مضامین مدیر	مکمل پتہ
ث	ماہنامہ 'محمدت' لاہور	امت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلہ	۳۴	۱۱۹	حافظ عبدالرحمن مدنی
ع	ہفت روزہ الاعتصام	مسک ابجدیث کا داعی و ترجمان	۴۴	۴۴	حافظ احمد شاکر
ص	'صحیفہ ابجدیث'	مذہبی، علمی، سیاسی و اخلاقی مجلہ	۷۴	۸۸	حافظ عبدالجبار سلانی
ہ	ہفت روزہ ابجدیث'	ترک فہم امرین: کتاب اللہ و سنتی	۲۰	۹۹	مولانا ثناء اللہ امرتسری
ج	'ترجمان الحدیث'	اسلامی نظریات، سلفی عقائد کا پیا مبر	۳۵	۴۵	احسان الہی ظہیر
ل	ہفت روزہ ابجدیث'	مسک ابجدیث کا داعی	۳۳	۲۸	بشیر انصاری
ق	ماہنامہ 'رحیق' لاہور	علمی و تبلیغی ماہنامہ	۳	۲۴	محمد عطاء اللہ حنیف
ف	ماہنامہ 'معارف'	دارالمصنفین کا ماہوار علمی رسالہ	۱۵۰	۲۴	ضیاء الدین اصلاحی
ر	ماہنامہ 'حرین' جہلم	حرین شریفین کی حرمت کا قیاب	۱۰	۲۰	مولانا محمد مدنی
گ	ماہنامہ 'الشریعہ'	وحدت امت اور غلبہ اسلام کا علمبردار	۱۳	۱۵	مولانا زاہد الراشدی
ب	ماہنامہ 'محمدت' بنارس	دارالعلوم بنارس کا دینی علمی ادبی ماہنامہ	۲۰	۱۵	عبدالوہاب حجازی
ظ	سہ ماہی 'فکر و نظر'	علمی و دینی مجلہ	۳۹	۱۴	ظفر اسحق انصاری
م	ماہنامہ 'تعلیم الاسلام'	جامعہ تعلیم الاسلام کا ترجمان	۱۱	۱۱	محمد اسلم سیف
ض	سہ ماہی 'منہاج'	فقہی، علمی، تحقیقی مجلہ	۱۹	۱۱	حافظ محمد سعد اللہ
ء	ہفت روزہ 'الاسلام'	مسک ابجدیث کا داعی	۱۷	۹	بشیر انصاری
ت	ماہنامہ 'بینات'	قرآن و سنت کی تغلیسات کا علمبردار	۵۰	۱۶	مولانا یوسف بنوری
ن	ترجمان القرآن	بانی: سید ابوالاعلیٰ مودودی	۱۴۹	۱۱	پروفیسر خورشید احمد
ح	ماہنامہ 'الحق' اکوڑہ	علمی، دینی مجلہ	۳۷	۹	مولانا اسماعیل الحق
ة	ماہنامہ 'الاخوة' لاہور	کتاب سنت کا داعی اتحاد کا قیاب	۵	۹	ابشام الہی ظہیر
خ	'قیاب ختم نبوت'	مجلس تحفظ ختم نبوت کا ترجمان	۱۳	۸	عطاء الہسین بخاری
پ	ماہنامہ 'الاسلام' دہلی	إن الدین عند اللہ الاسلام	۲۵	۲	عبدالسلام بستوی
و	ہفت روزہ 'توحید'	لا تھنوا ولا تحزنوا.....	۴	۶	سید داؤد غزنوی
د	ماہنامہ 'محمدت' دہلی	اللہ نزل احسن الحدیث کتباً	۴	۵	عبید اللہ مبارک پوری
ی	ماہنامہ 'ابجدیث'	توحید اور کتاب و سنت کا داعی	۱۸	۸	حکیم اجمل خان
ش	ماہنامہ 'نقوش'	زندگی آمیز اور زندگی آموز کا نمائندہ	۱۰	۶	محمد طفیل
ذ	ماہنامہ 'برہان' دہلی	ندوة مصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ	۹۵	۶	عبدالرحمن عثمانی
ط	ماہنامہ 'صراط مستقیم'	مجلہ شہریہ اسلامیہ جامعہ	۱۸	۵	حفیظ اللہ خاں مدنی

ٹ	سلسلہ وار 'مجلد تحقیق'	شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی کا ترجمان	۲۳	۳	ڈاکٹر جمیلہ شوکت	شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی
س	ماہنامہ 'میثاق' لاہور	انجمن خدام القرآن کا ترجمان	۵۱	۳	ڈاکٹر اسرار احمد	۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور
ع	ماہنامہ 'البلاغ'	دارالعلوم کراچی کا ترجمان	۳۰	۳	مولانا محمد تقی عثمانی	دارالعلوم، کراچی 75180
ز	ماہنامہ 'اشراق' لاہور	دارالاشراق کا ترجمان	۱۴	۳	جاوید احمد غامدی	۱۲۳، بی ماڈل ٹاؤن لاہور
ڈ	سلسلہ وار 'القلم' لاہور	والقلم وما یسطرون	۵	۲	ڈاکٹر جمیلہ شوکت	شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی
ک	ماہنامہ 'حکمت قرآن'	ومن یوتی الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا	۲۱	۲	ڈاکٹر اسرار احمد	۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور
بج	ماہنامہ 'الفاروق'	دلچسپ اور معیاری اسلامی صحافت	۱۸	۲	مجید اللہ خالد	شاہ فیصل کالونی نمبر ۴ کراچی
ث	ماہنامہ 'التوحید' دہلی	لجعلہا لکم تذکرۃ و تعبیہا اذن واعیۃ	۱۰	۷	عاشق علی اثری	اسلامی ریسرچ اکیڈمی ۴ جگہا ہائی ٹی دہلی
ث	ماہنامہ 'العصر' پشاور	جامعہ عثمانیہ پشاور کا ترجمان	۸	۱	مفتی غلام الرحمن	جامعہ عثمانیہ کالونی توتھیہ روڈ پشاور

## (۱) اشاریہ کے موضوعات کی فہرست

### ① تاریخ فتنہ انکار حدیث

- ① معتزلہ و منکلمین
- ② برصغیر میں علم حدیث اور فتنہ انکار حدیث
- ③ فتنہ انکار حدیث اور اس کا پس منظر

### ② برصغیر کے منکرین حدیث

- ① سرسید اور اس کے افکار کا جائزہ
- ② چکڑالوی اور اس کے افکار کا جائزہ
- ③ اسلم جیراج پوری اور اس کے افکار کا جائزہ
- ④ طلوع اسلام / پرویز اور اس کے افکار کا جائزہ
- ⑤ فکر تمنا عمادی

### ③ فتنہ استخفاف حدیث

- ① فکر خواجہ حسن نظامیؒ
- ② فکر فراہیؒ
- ③ فکر اصلاحیؒ
- ④ فکر غامدی
- ⑤ فکر ادارہ ثقافت اسلامیہ
- ⑥ غلام جیلانی برق
- ⑦ دیگر مکاتب فکر

④ منکرین حدیث پر علماء کرام کے فتاویٰ

⑤ حجیت حدیث

- ① حجیت حدیث
- ② حدیث بطور وحی
- ③ قرآن و حدیث کا باہمی ربط
- ④ حدیث کی ضرورت و اہمیت
- ⑤ حدیث کی تشریحی و آئینی حیثیت
- ⑥ اخبار آحاد کی حجیت

⑥ تاریخ و تدوین حدیث

- ① تدوین حدیث عہد نبوی ﷺ میں
- ② تدوین حدیث عہد خیر القرون میں
- ③ تدوین حدیث کی عمومی تاریخ
- ④ حفاظت حدیث
- ⑤ تحریک اہل حدیث اور منکرین حدیث

⑦ عقائد و نظریات منکرین حدیث

- ① ایمانیات اور منکرین حدیث
- ② ارکان اسلام (نماز، روزہ، زکوٰۃ) اور منکرین حدیث
- ③ منکرین حدیث اور مسئلہ قربانی
- ④ وراثت اور منکرین حدیث
- ⑤ واقعہ معراج اور منکرین حدیث
- ⑥ کتب احادیث اور منکرین حدیث
- ⑦ صحیح احادیث اور منکرین حدیث
- ⑧ نسخ اور منکرین حدیث
- ⑨ اصول حدیث اور منکرین حدیث
- ⑩ مسائل خواتین اور منکرین حدیث

⑧ منکرین حدیث کے اعتراضات و شبہات کا جائزہ

⑨ متفرق مضامین

⑩ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور حدیث نبوی

(11) فن حدیث اور مقلدین احناف

## اشاریہ باعتبار موضوع

نمبر مقالہ نگار عنوان رمز مجلہ جلد/عدد صفحات

### ① تاریخ فتنہ انکار حدیث

#### ① معتزلہ و متکلمین

1 ہدایت اللہ سوہدروی منکرین حدیث کے پیش رو..... معتزلہ ۲۸/۷ع ۹۳ تا ۹۱

#### ② برصغیر میں علم حدیث اور منکرین حدیث

- 2 اسلم جیراج پوری ہندوستان میں حدیث نبوی ﷺ  
2a خالد ظفر اللہ ڈاکٹر برصغیر میں انکار حدیث پر تنقیدی لٹریچر  
3 سعید مجتبیٰ السعیدی علم حدیث اور علمائے برصغیر (جمع الجوامع سے کنز العمال تک)  
4 عبدالرشید عراقی برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث  
5 عبدالقیوم، پروفیسر برصغیر پاک و ہند میں اشاعت حدیث  
6 عبداللہ، سید محمد برصغیر پاک و ہند میں فتنہ انکار حدیث کے داخلی و خارجی اسباب  
6a عبداللہ، سید محمد برصغیر میں فتنہ انکار حدیث کے اسباب اور تاریخ  
7 عبداللہ، سید محمد فتنہ انکار حدیث کے رد میں برصغیر کے دینی رسائل و جرائد کی خدمات کا جائزہ  
8 عزیز زبیدی، مولانا دسویں صدی ہجری تک، ہند میں علم حدیث کی طرف توجہ کم رہی!  
9 یوسف سلیم چشتی ہندوستان میں انکار حدیث کی تاریخ

#### ③ فتنہ انکار حدیث اور اس کا پس منظر

- 10 احمد علی سراج فتنہ انکار حدیث ۷/۱۱ع ۲۳ تا ۱۸  
11 اسحاق بھٹی، محمد فتنہ انکار حدیث ۵۱ع ۳۷  
11a اخلق بھٹی، محمد فتنہ انکار حدیث (اداریہ) ۲۸/۵ع ۲۲  
11b اخلق، حافظ محمد ایک منکر حدیث کی تنقید اور اس کا علمی جائزہ ۱/۲۳ع ۲۳  
11c اسماعیل سلفی، مولانا امام زہری اور انکار حدیث کی تحریک ۱۹/۲ع ۲۶  
12 ثناء اللہ امتری منکرین حدیث کی نیکیاں [متعدد اقساط] ۲/۱ ۲۴  
13 ثناء اللہ امتری اہل قرآن لاہور کے ٹکڑے ٹکڑے ۱۹/۵ہ ۶ تا ۱  
13a حسن مدنی، حافظ فتنہ انکار حدیث..... ایک تجزیہ ۸/۳۳ع ۱۰ تا ۲  
14 حسین بخاری فتنہ انکار حدیث اور تحریکِ ناصیبت [۲/اقساط] ۱۰، ۸، ۱۹ع ۸: کل  
14a سلیم اختر، محمد انکار حدیث [۵/اقساط] ۳۰ تا ۲۱ع ۲۱  
15 سمیع الحق، مولانا انکار حدیث اور انکار ختم نبوت میں باہمی مماثلت ۸/۹ع ۹ تا ۲



۲۲۵ تا ۲۲۲	۲۰ تا ۱۰	۳۲ ص	۱6 شفیع، مفتی محمد	انکار حدیث درحقیقت انکار قرآن کی منافقانہ صورت ہے
۸۰	۵، ۴، ۲۲	ط	17 عبدالاعلیٰ درانی	فتنہ انکار حدیث کا حقیقت پسندانہ جائزہ [متعدد اقساط]
۱۵ تا ۱۱	۱۳	م	18 عبدالرشید راشد	انکار حدیث کا لوکھا انداز
۵ تا ۳	۷	ی	19 عبدالشکور شکر اوی	فتنہ انکار حدیث
۱۲ تا ۱۱	۷	۷	20 عبدالصمد مبارکپوری	انکار حدیث کے پردہ میں قرآن کریم کی تخریب و تحریف
۳۶ تا ۳۵	۱۷	۸۲ ص	21 عبداللہ الہرنی	انکار حدیث کا فتنہ
۱۶ تا ۱۵	۱۲	۳۵ ص	22 عبدالجید، حکیم	انکار حدیث
۱۶ تا ۱۵	۱۲	۳۵ ص	23 عبدالجید، حکیم	انکار حدیث
۴ تا ۲	۴	ا	24 عطاء اللہ ضیف، محمد	حدیث اور فتنہ انکار حدیث
۶ تا ۲	۴	ق	25 عطاء اللہ ضیف، محمد	منکرین حدیث کے مختلف ادوار
۲۵ تا ۲۳	۲۲	ج	26 عنایت اللہ، شیخ	فتنہ انکار حدیث کا پس منظر
۶۸ تا ۶۴	۲۸	۷ ع	27 محمد علی قصوری	فتنہ انکار حدیث کا عقلی اور تاریخ جائزہ
۳	۹	۷ ص	28 محمد خان محمدی	موجودہ دور میں فتنہ انکار حدیث
۷	۱۷، ۱۶، ۱۴	۷ ص	29 مودودی، ابوالاعلیٰ	فتنہ انکار حدیث کا تاریخی پس منظر [۲ اقساط]
۱۶ تا ۱۴	۲۳	۲۰ ل	30 نور الدین، حکیم	فتنہ انکار حدیث کے پڑ پوسر سے ایک ملاقات
۷	۲۹	۱۵ ع	30a	ہدایت اللہ، ابوالحمود منکرین حدیث کی تضاد بیانی

## ② برصغیر کے منکرین حدیث

### ① سرسید اور ان کے افکار کا جائزہ

۱۵۳ تا ۱۴۸	۴	۳ ق	31 حسین بناوٹی، محمد	تہ بند، پاجامہ وغیرہ ٹخنے سے نیچے رکھنا اور سرسید احمد خان کے افکار
۵۳	۴۲، ۶۲	۴ ق	32 حسین بناوٹی، محمد	حدیث نبوی ﷺ اور نیچری و عیسائی [۳ اقساط]
				[عیسائی مبلغین اور سرسید کے حدیث کے خلاف پھیلائے گئے افکار و نظریات کا دلائل سے جواب]
۱۵	۷	۳ ق	33 حسین بناوٹی، محمد	سرسید احمد خان کے افکار کا جائزہ
۱۴	۵۲، ۳	۴ ق	34 ظفر اقبال خان	دہریت، نیچریت اور وحدت الوجود (۳ اقساط میں)

### ② چکڑ الوی اور اس کے افکار کا جائزہ

۹ تا ۸	۴	۱۰ ہ	35 ثناء اللہ امترسی	عبداللہ چکڑ الوی کی بے سرو پا باتیں
۷ تا ۶	۴	۳ ر	36 ثناء اللہ امترسی	فرقہ چکڑ الوی کا بطلان
۲۴	۳۲، ۲۷	۱۰ ہ	37 ثناء اللہ امترسی	مولوی چکڑ الوی اور حدیث نبوی ﷺ [۸ اقساط]
۵	۱۵	۲۰ ہ	38 ثناء اللہ امترسی	مرزا صاحب قادیان اور مولوی عبداللہ اہل قرآن
۳	۳۱	۲۰ ہ	39 ثناء اللہ امترسی	مولوی چکڑ الوی اہل قرآن جواب دے
۱۵۳ تا ۱۴۷	۲۰ تا ۱۰	۳۲ ص	40 نور الدین، حکیم	انکار حدیث کی خشت اول (چکڑ الوی)

❶ اسلام جیراج پوری اور اس کے افکار کا جائزہ

15: کل	۵۸۳۳ف	کیا میں منکر حدیث ہوں.....؟	41 اسلام جیراج پوری
۶ تا ۵	۳۶۸۳۴۵	اسلم جیراج پوری کی خدمت میں	42 ثناء اللہ امرتسری
۳ تا ۳	۴۷۸۳۷۵	اہل قرآن (جیراج پوری) کا دعویٰ	43 ثناء اللہ امرتسری
۱۳: کل	۵۸۳۳۳ف	عالم برزخ اور افکار جیراج پوری	44 ثناء اللہ امرتسری
۴: کل	۱۹۰۱۸۸۳۷۵	چکڑا لوی فنتہ اور اسلم جیراج پوری [۲/اقساط]	45 عبدالرحمن فرید کوٹی
۱۳: کل	۱۱ تا ۴۷۵	کتابت حدیث پر منکرین حدیث (اسلم جیراج پوری، برق) کی تاریخی غلط بیانی [۷/اقساط]	46 عبدالشکور شکروی
	۵	کھلی چٹھی بنام اسلم جیراج پوری	47 عبدالصمد عظمیٰ
	۸ تا ۷	منکرین حدیث (اسلم جیراج پوری) کا اصول قرآن	48 عبید اللہ رحمانی
	۲۱: کل	عالم برزخ اور افکار جیراج پوری	49 محمد طہ، سید
۱۱۷ تا ۹۶	۲۸۳۳۳ف	معجزات رسول اور افکار اسلم جیراج پوری	50 محمد طہ، سید

❷ طلوع اسلام / پرویز اور اس کے افکار کا جائزہ

۲۷ تا ۲۵	۳۸۱۶ج	پرویز اور طلوع اسلام	51 احمد علی سراج
	ع ۳۴۰۳۳۲۲۵	طلوع اسلام کے مضامین کا ناقدانہ جائزہ [۲/اقساط]	51a ارشاد الحق
۷۱ تا ۵۳	۲۲ق	عجمی سازش کا تجزیہ (واقعات کی روشنی میں)	52 اسماعیل سلفی، محمد
		[طلوع اسلام جولائی ۷۷ء میں مولانا اسماعیل سلفی کی کتاب پر تبصرے کا جائزہ]	53 اسماعیل سلفی، محمد
۵۷ تا ۳۹	۱۲۳۵ح	غلام احمد پرویز کا تصور الہ	54 نظہار الحق
	۱۳ تا ۲	طلوع اسلام کے شمارہ (اگست ۸۲ء) کے مضمون، قرآن و سائنس کا جائزہ	55 اکرام اللہ ساجد
	۱۷ تا ۲	قرآن مجید اور پرویز کی دستور	56 اکرام اللہ ساجد
	۹ تا ۲	ومن یشاقق الرسول..... (پرویز اور حدیث کا انکار)	57 اکرام اللہ ساجد
	۲۰: کل	فرقہ طلوع اسلام کے نظریات	58 امام خاں نوشہروی
	تا ۵	طلوع اسلام پر ایک معارضہ	58a امام خاں نوشہروی
	۱۳ تا ۱۲	پرویز کی بصیرت کے پس پردہ	59 انور محمد
	۲۰: کل	آرٹ اور اسلام (طلوع اسلام کی موثقی کو قرآن سے جائز کرنے کی کوشش) [۲/اقساط]	60 ایم ایم اے
	۵ تا ۲	طلوع اسلام اور تفسیر قادیان	61 ادارہ
	۲۱ تا ۲۰	فنتہ پرویزیت، ایک تعارف	62 ادارہ
۳۳ تا ۳۳	۱۰۷۱۰خ	پرویزیت ایک مطالعہ	63 بشیر حسین ناظم
	۵ تا ۳	اہل قرآن کا جدید خیال	64 ثناء اللہ امرتسری
	۶ تا ۵	طلوع اسلام اور الحمدیث امرتسر	65 ثناء اللہ امرتسری
	تا ۳۵	پرویز صاحب کی اصل غلطی	66 خورشید احمد ندیم
۱۰۲: کل	۱۱ تا ۱۹	اشتراکیت کی درآمد (پرویز کی کیونزم کو قرآنی بنانے کی ناکام کوشش) [۷/اقساط]	67 دین محمد قاسمی، پروفیسر

- 67a دین محمد قاسمی پروفیسر اختلاف تمبیر قرآن اور منکرین حدیث  
 68 دین محمد قاسمی پروفیسر انسانی فطرت اور پرویز کے افکار  
 69 دین محمد قاسمی پروفیسر خدا اور رسول یا مرکزِ ملت کا تصور اور قرآن  
 70 دین محمد قاسمی پروفیسر خدا اور رسول یا مرکزِ ملت کا تصور اور قرآن  
 71 دین محمد قاسمی، پروفیسر عمرو نوح علیہ السلام، قرآن کی روشنی میں  
 72 دین محمد قاسمی، پروفیسر قتل ابنا بنی اسرائیل، قرآن کی نظر میں [۲/اقساط]
- 73a رمضان سلطانی، محمد پرویز کے کفریہ عقائد  
 73 رمضان سلطانی، محمد فرقہ طلوع اسلام کی ضد  
 74 رمضان سلطانی، محمد مستشرق ہندی کا مکمل انکار حدیث  
 75 رمضان سلطانی، محمد مستشرق ہندی کے ناکارہ وارث اور خطبہ حجۃ الوداع [۵/اقساط]
- 76 رمضان سلطانی، محمد مستشرق ہندی کا کلیۃً انکار حدیث  
 77 رمضان سلطانی، محمد عربی کے نادان محافظ  
 78 رمضان سلطانی، محمد منکرین حدیث کی عربی زبان سے ناواقفیت [۲/اقساط]
- 79 رمضان سلطانی، محمد صحت حدیث کیلئے قرآن کی مطابقت کا فریب [۲/اقساط]
- 80 رئیس احمد جعفری 'مزاج شناس' قرآن کا نظام ربوبیت  
 81 سبطین مکھنوی، ڈاکٹر پرویز کا عقیدہ رسالت  
 82 سبطین مکھنوی، ڈاکٹر منکر حدیث نے کیا سوچا؟  
 83 سرور شاہ گیلانی پرویز کا فتنہ اشتر اکیٹ  
 84 شوکت علی ماہنامہ 'طلوع اسلام' کی گوہر افشائیاں  
 85 صادق سیالکوٹی، محمد جدا ہو قرآن سے تو رہ جاتی ہے پرویزی  
 86 صلاح الدین سیف، یوسف حافظ طلوع اسلام کے مضمون، اجتہاد صرف منتخب نمائندوں کا حق ہے، کا جواب [۲/اقساط]
- 87 طالب محسن طلوع اسلام کا جواب  
 88 طالب محسن 'ارباب فکر' پرویز کی خدمت میں  
 89 ظفر اقبال خان پرویز کے تصورِ الہ کا تقابلی جائزہ  
 90 عابد عبدالکریم پرویز کے افکار کا شجرہ نسب [۳/اقساط]
- 91 عبدالصمد مبارکپوری حق پرستی بجا بجا شخصیت پرستی [مختلف اقساط]  
 92 عبدالرحمان سلطانی مسٹر پرویز تھیں نقل کریں!.....  
 93 عبداللہ حسیننا کتاب اللہ  
 94 عبداللہ لاق بھٹی فتنہ پرویزیت اور علما کی ذمہ داری  
 95 عبداللہ لاق بھٹی پرویزیت اور قادیانیت: ایک سکہ دورخ، ایک فتنہ دو روپ!  
 96 عبداللہ لاق بھٹی پرویز یوں کو اجماع امت نے غیر مسلم قرار دیا ہے!
- ش ۸/۳۴ ۸۵۵۷  
 ش ۲۰/۲۰ ۵۶۲۹  
 ش ۱۸/۱۰ ۲۰۳۰  
 ش ۱۹/۳ ۶۳۳۸  
 ش ۱۸/۹ ۵۳۳۵  
 ش ۱۷/۱۰ ۲۲: کل  
 ش ۳۴/۸ ۲۶۲۱۲  
 ش ۳۲/۷ ۱۶۲۱۳  
 ش ۱۸/۳ ۶۰۳۵۱  
 ش ۱۷/۹ ۵۲: کل  
 ع ۳۹ ۱۰۸۰۳۱۰۵۸  
 ش ۱۸/۷ ۲۳۳۳۹  
 ش ۱۶/۱۱ ۲۲: کل  
 ل ۱۹/۹ ۶: کل  
 ع ۲۸/۷ ۸۶۳۸۵  
 ص ۱/۵۵ ۱۰۳۷  
 ص ۱۳/۲۹ ۱۶۲۱۳  
 ص ۱۲/۲۱ ۱۳۳۱۲  
 ح ۱۲/۲۳ ۵۳۳۵۳  
 ج ۱۱/۹ ۳۲۳۲۵  
 ش ۲۲/۶، ۲۳/۱، ۲۴: کل ۳۶  
 ز ۵/۹ ۲۶۴  
 ز ۵/۸ ۲۱۰  
 ة ۱۰/۳ ۲۵۳۲۰  
 ک ۲۶/۷ ۱۱: کل  
 ش ۲۰/۳۹، ۲۰/۳۸، ۲۵: کل ۲۵  
 ت ۳/۱ ۸۰: کل ۳  
 ق ۱/۱ ۳۶۱۳۵۲  
 ص ۲۳/۸۰ ۵۳۳۵۱  
 خ ۲/۱۱ ۳۳۳۲۵  
 ت ۱/۶ ۲۸۳۳۹

- 97 عبد الرحمن کیلانی، مولانا فکر آخرت اور طلوع اسلام ج 11، 15/11 2610
- 98 عبد الرحمن کیلانی، مولانا ماہنامہ طلوع اسلام کے اعتراضات (خلافت و جمہوریت نمبر پر) کا جائزہ ش 12/10 2915
- 99 عبد الرحمن کیلانی، مولانا ہمیں اللہ کی شریعت کافی ہے (پرویز کے افکار اور حسینا کتاب اللہ کا صحیح مفہوم) ش 12/6 2322
- 100 عبد الرحمن کیلانی، مولانا نظریہ ارتقا (طلوع اسلام اور مغربی مفکرین کی نظر میں) [2/اقساط] ش 12/13/13 23
- 101 عبد الرحمن کیلانی، مولانا 'حسبنا کتاب اللہ' (فرمانِ عمرؓ) کا صحیح مفہوم ش 12/6 2322
- 102 عبد الرحمن کیلانی، مولانا 'حسبنا کتاب اللہ' (فرمانِ عمرؓ) کا صحیح مفہوم ش 12/8 1028
- 103 عبد الرحیم، قاضی کیا رسول ﷺ کی اطاعت وقتی ہے؟ ع 28/2 8229
- 104 عبد الرشید عراقی پرویز کی فکر آوارہ کی جولانیاں ل 23/5 246
- 105 عبد الرشید عراقی طلوع اسلام پر ایک طائرانہ نظر ی 12/5 928
- 106 عبد الرشید عراقی طلوع اسلام پر ایک نظر [2/اقساط] ل 28/2 24
- 107 عبدالستار دہلوی حدیث نبوی ﷺ کا بلند ترین شرف، قیل غبی کا سخت ترین تلف ص 2021/03 11825
- 108 عبدالستار حماد فتنہ پرویزیت، ایک نظریں ل 38/12 1028
- 109 عبدالعظیم خان فتنہ پرویزیت اور علماء کی ذمہ داری ص 1280 2225
- 110 عبدالغفار حسن، مولانا حدیث اور مطابقت قرآن (طلوع اسلام جون 58ء کی ریتق) اپریل 58ء، پراعتراضات کا جواب [ق 31] 56255
- 111 عبدالقادر حصاری پرویز کی مذہب پر تبصرہ ص 35/6 19212
- 112 عبدالقیوم ندوی فتنہ انکار حدیث ایک فریب کا انکشاف [8/اقساط] کل 13 212139
- 113 عزیز زبیدی، مولانا پرویز کا حضرت ابراہیمؑ کے متعلق روایت کا انکار کرنا ش 12/6 25
- 114 عزیز زبیدی، مولانا پرویز کی کتاب 'اسلام کے خلاف گہری سازش' کے متعلق سوالوں کے جوابات ش 22/2 22221
- 115 عزیز زبیدی، مولانا پرویز اور مولانا مودودیؒ میں کیا فرق ہے؟ جبکہ..... ش 12/6 26223
- 116 عزیز زبیدی، مولانا جناب پرویز کی مجبوریاں اور سینہ زوریاں ع 36 222
- 117 عطاء اللہ حنیف، محمد ادارہ طلوع اسلام اور ثقافت اسلامیہ ق 52/2 222
- 118 عطاء اللہ حنیف، محمد ادارہ طلوع اسلام کا قرآنی، فکر و نظام ق 12/2 223
- 119 عطاء اللہ حنیف، محمد ادارہ طلوع اسلام کے افکار و نظریات ق 53/2 222
- 120 غلام احمد پرویز پرویز کا ایک مختصر مضمون در اثباتِ معجزہ ف 23/1 82283
- 121 غلام احمد پرویز یہ پرویز کی اسلام ہے! ح 23/2 20
- 122 فضل احمد غزنوی کیا اسلام قرآن ہی ہے؟ [2/اقساط] ص 12/11 2225
- 123 فضل الرحمن، ڈاکٹر حدیث کی صحت کا معیار، پرویز صاحب سے گزارش ظ 12/1 26260
- 124 محمد گوندلوی، حافظ حفاظت حدیث کا کوئی اہتمام، نظام حدیث از پرویز کے جواب میں دوام حدیث کے چند باب [ج 58/2 تا 9/3] کل 29
- 125 محمد گوندلوی، حافظ قرآن مجید کی روایت بالمعنی ج 13/1 15213
- 126 مدار اللہ مدار پرویز منکر حدیث ہے یا منکر قرآن؟ [10/اقساط] کل 81 26220

۵۷۷	ک ۷	۱۲۷ مدار اللہ، مفتی پرویز اور قرآن
۱۰۸۲۸۶	ث ۳۳۸	128a منظور احسن عباسی پرویز اور اطاعت رسول
۲۳۳۴۰	ث ۱۱۵	128 منظور احسن عباسی طوع اسلام کے شمارہ (نومبر ۷۷ء) پر ایک نظر
۱۹۲۱۶	خ ۸۱۰	129 'ختم نبوت' فتنہ پرویزیت
۷۷۶	ص ۳۳۲	130 'طوع اسلام' تدوین حدیث کے متعلق ایک سوال
۳	ل ۲۰۵	131 ادارہ اہل حدیث پرویز کی 'مدح سرائی'
۲۸۲۳۳	ت ۲۱	132 ولی حسن ٹوکی کفریات پرویز
۲۵	ع ۴۰/۴	132a بہت اللہ، ابوالمحود پرویز کی غیر ذمہ دار نہ روش

⑤ فکر تمنا عمادی

۲۵	ع ۲۳/۱	132b اساعیل سلفی، مولانا مولانا تمنا عمادی کے تنقیدی مضمون کا علمی محاسبہ
۶۳۴۳۵	م ۳/۵	133 اللہ بخش ملتانی منکرین حدیث تمنا عمادی کی احادیث بخاری پر تنقید کے جواب میں
۵۷۳	ہ ۳۹/۳۹	134 ثناء اللہ مٹسری اہل قرآن: ایک نیا فرقہ، ایک نیا فتنہ
۲۳۳	ہ ۲۴/۳۹	135 ثناء اللہ مٹسری حجیت حدیث اور منکرین حدیث
۲۰۲۲۱۹۸	ص ۲۰/۱۱/۳۲	136 عبداللہ لائل پوری امام زہری کا شجرہ نسب (تمنا عمادی کے جواب میں)
۲۴	ع ۳۰/۱	136a عبداللہ لائل پوری مولانا تمنا کے مضمون کا ایک اور تعاقب
۲۱۲۲۰	ص ۱/۲۹	137 عبداللہ ندوی علامہ تمنا عمادی اور مسئلہ طلاق

③ فتنہ استخفاف حدیث

① فکر خواجہ حسن نظامیؒ

۵۷۲	ہ ۳۸/۳۳	138 ثناء اللہ مٹسری خواجہ حسن نظامی اور اہل 'بلاغ'
۵۷۲	ہ ۲۹/۳۳	139 ثناء اللہ مٹسری خواجہ حسن نظامی اور جیراج پوری
۲۳۳	ہ ۲۵/۴۰	140 ثناء اللہ مٹسری خواجہ حسن نظامی دہلوی اہل قرآن کی شکل میں.....؟
۶۲۵	ہ ۳۳/۳۳	141 ثناء اللہ مٹسری خواجہ حسن نظامی دہلوی، اہل قرآن کے لباس میں
۱۴	ہ ۴۷/۳۱/۳۳	142 عبدالصمد مبارکپوری انکار خواجہ صاحب (جیراج پوری اور حسن نظامی وغیرہ) [۷/اقساط]

② فکر فراہی

۳۶	ف ۲۴/۱۵۱	143 اکرم ندوی، محمد مولانا فراہی اور حدیث نبوی [۲/اقساط]
۴۳	ز ۱۰/۲۲۶/۱۰۱	144 رضی الاسلام ندوی مولانا فراہی کی تفسیر کا ایک جائزہ [۲/اقساط]
۱۰۹۲۸۵	ف ۲/۱۴۷	145 شرف الدین اصلاحی ترجمان القرآن از حمید الدین فراہی (ایک جائزہ)
۱۶	ف ۲/۱۲۳	146 عارف عمری، محمد حمید الدین فراہی کی تفسیر سورۃ الذاریات
۳۵	ب ۱۶/۲۹	147 غازی عزیر فراہی مکتب فکر اور بعض احادیث مجرم کی غلط تعبیر و تشریح (بحوالہ تہ قرآن) [۳/اقساط]
۱۴	ص ۲۳/۲۱/۴۰	148 فیض احمد غزنوی فراہی کی تفسیری فروغداشت [۳/اقساط]

③ فکر اصلاحی

- 149 اکرام اللہ ساجد منکر حدیث اصل میں منکر قرآن ہیں، فکر اصلاحی پر ایک نظر
- 150 اکرام اللہ ساجد ناقد صحیح بخاری، امین احسن اصلاحی کا طریقہ واردات [۲/اقساط]
- 151 امین، ڈاکٹر محمد قرآن فہمی میں حدیث و سنت کا کردار
- 152 انور طاہر امین احسن اصلاحی کے افکار کا جائزہ (برموضوع خلافت و جمہوریت)
- 153 صلاح الدین سیف حافظ مسلمات اسلامیہ سے انکار و انحراف کی راہ
- 154 عبدالرؤف ظفر، ڈاکٹر مولانا امین احسن اصلاحی کا نظریہ حدیث
- 155 عبدالحمید ازہر نقد حدیث اور مولانا اصلاحی کے اندیشہ ہائے دور دراز [۶/اقساط]
- 156 عبدالحمید ازہر تحقیق حدیث کیلئے قیاسی کسوٹیاں (۱۵/اقساط]
- 157 عبدالرحمن چیمہ اصلاحی صاحب کی اصلاح بخاری کا ایک جائزہ [۲/اقساط]
- 158 عبدالغفار حسن، مولانا حدیث کے 'ذلفی' ہونے کا مفہوم
- 159 عبدالغفار حسن، مولانا روایات حدیث اور حضرت ماعزؓ [۲/اقساط]
- 160 عبداللہ روپڑی خبر متواتر اور خبر آحاد کا فائدہ، ظن یا یقین؟

④ فکر غامدی

- 161 باقر خان، ڈاکٹر حدیث و سنت میں فرق
- 162 رمضان سلطانی، محمد 'اشراق' کی نئی اختراع: حدیث و سنت میں فرق
- 163 زاہد الراشدی، مولانا علما کے سیاسی کردار پر جناب غامدی کا موقف
- 164 زاہد الراشدی، مولانا غامدی صاحب اور خبر واحد
- 165 زاہد الراشدی، مولانا غامدی صاحب کے ارشادات پر ایک نظر
- 166 زاہد الراشدی، مولانا مجھے ان باتوں سے اتفاق نہیں! (غامدی صاحب کی خدمت میں)
- 167 زاہد الراشدی، مولانا معراج اور ڈاکٹر فاروق خان کے جواب میں
- 168 زبیر علی زئی فتنہ حدیث کا نیاروپ
- 169 زبیر علی زئی حدیث اور سنت میں فرق
- 170 صلاح الدین سیف حافظ مسئلہ شہادت نسوان، اہم نکات کی وضاحت (غامدی کے افکار کا جائزہ)
- 171 صلاح الدین سیف حافظ حضرت سلیمان کی آزمائش اور اسکے تخت پر جسد کی حقیقت
- 172 عبدالرحمن مبنی، حافظ فتنہ انکار حدیث کے جدید روپ (خطاب) (مترجم: عبدالقدوس سلطانی)
- 173 عبدالقدوس سلطانی، مجتہد حدیث حجت تو ہے مگر وحی نہیں؟ (جاوید احمد غامدی سے خط و کتابت)
- 174 عبداللہ صالح، محمد ﷺ ﴿أَفَرَأَيْتُم مَّا يَكْفُرُونَ﴾ کی پہلی وحی ہے؟
- 175 عبدالمنان نور پوری حدیث و سنت میں اختلاف کی اختراع [ترتیب: مولانا محمد رمضان سلطانی]
- 176 عبدالمنان نور پوری حدیث و سنت میں فرق
- 177 عمار ناصر خان نقد روایت میں درایتی معیار

- 178 یحییٰ گوندلوی، محمد حدیث اور تاریخ میں فرق [۲/۱۳۱ قسط]
- ج ۲۱/۲۰ ۱۴: کل
- 6 **فکر ادارہ ثقافت اسلامیہ**
- 183 عطاء اللہ حنیف، محمد ادارہ ثقافت اسلامیہ اور حجۃ اللہ البالغہ
- ق ۳/۳ ۷۸۳۷۴
- 184 عطاء اللہ حنیف، محمد ادارہ ثقافت اسلامیہ کی کتاب 'مقام سنت'
- ق ۶/۳ ۵۳۳
- 185 عطاء اللہ حنیف، محمد ادارہ ثقافت اسلامیہ کے افکار باطلہ
- ق ۱۱/۲ ۳۲۲
- 186 عطاء اللہ حنیف، محمد ادارہ طلوع اسلام اور ثقافت اسلامیہ
- ق ۵/۲ ۳۲۲
- 6 **فکر غلام جیلانی برق**
- 187 اعلیٰ مدرسی چند ناسخ و منسوخ آیات اور منکرین حدیث (برق وغیرہ) [۱۳/۱۳۱ قسط]
- ۱۸۳۳۳۸۲۴ ۱/۸۳: کل ۷۵
- 188 محمد گوندلوی، حافظ ایک اسلام بجاوب دو اسلام از ڈاکٹر غلام جیلانی برق [۳۳/۱۳۱ قسط]
- ج ۱۱/۸۳ تا ۱۰/۵ ۲۶۰: کل
- 7 **دیگر مکاتب فکر**
- 189 مجیب اللہ ندوی کیا متفقہ اسلامی احکام کو بھی اجتہاد کے ذریعے بدلہ جاسکتا ہے؟ [۱۶/۱۳۱ قسط]
- ق ۵/۲ تا ۹/۱ ۹۲: کل
- [ 'مسئلہ اجتہاد از مولانا محمد حنیف ندوی کے افکار و دلائل کا جائزہ ]
- 190 ہدایت اللہ، ابوالمحود کتاب مذہب اسلامیہ از خواجہ عبداللہ کا اصلی چہرہ بے نقاب کا تفصیلی تجزیہ [۱۳/۱۳۱ قسط]
- ق ۱۱/۲ تا ۹/۱ ۲۷: کل
- 4 **منکرین حدیث پر علماء کرام کے فتاویٰ**
- 191 احمد علی سراج منکرین حدیث اور مفتی اعظم سعودی عرب کا فتویٰ
- خ ۶/۱۱ ۳۴
- 192 احمد علی سراج منکرین حدیث کے بارے میں مفتی اعظم سعودی عرب کا فتویٰ
- گ ۹/۱۱ ۵
- 193 ثناء اللہ امتری اہل قرآن پر اہل قرآن کا فتویٰ
- ۲/۳۰ ۳۲۳
- 194 عبدالخالق بھٹی غلام احمد پرویز کا فر ہے (امام کعبہ کا فتویٰ)
- ص ۸/۸۲ ۱۷۳۱۵
- 195 عبدالعزیز بن باز سنت نبوی ﷺ پر عمل واجب اور اس کا انکار کفر ہے۔ [۱۵/۱۳۱ قسط]
- خ ۱۲ تا ۱۷/۱۵ ۲۴: کل
- 196 عبدالعزیز بن باز سنت نبوی ﷺ کا انکار کفر ہے۔
- ل ۲/۱۵ ۷۲۵
- 197 عبدالعزیز بن باز سنت نبوی کا انکار کفر ہے۔
- ء ۲۷/۱۰ ۱۶۳۱۳
- 198 فتاویٰ الاعتماد غلام احمد پرویز کا فر ہے۔
- ع ۵۴ ۵۱۵
- 198a فتاویٰ محدث پرویز بیت کے بارے میں علماء اسلام کے فتاویٰ
- ث ۸/۳۳ ۱۱۶۳۱۰۹
- 5 **حجیت حدیث**
- 1 **حجیت حدیث**
- 199 ابوہبیب، ڈاکٹر محمد حدیث نبوی ﷺ، دین میں حجیت ہے [مترجم: سیف الرحمن]
- ث ۴/۱۰ ۳۵۳۱۴
- 200 احمد اللہ، مولانا حجیت حدیث [۳۳/۱۳۱ قسط]
- د ۸۰، ۴/۲ ۹: کل
- 201 احمد دین حجیت حدیث
- ص ۲۰/۲۵ ۱۵۳۱۲
- 202 ادارہ البحدیث حجیت حدیث
- ہ ۵۰/۱۹ ۱۰۳۷
- 203 ادارہ البحدیث حجیت حدیث بر مباحثہ ثناء اللہ
- ہ ۳۲، ۳۱/۲۶ ۳: کل
- 204 ادارہ ترجمان القرآن حجیت حدیث کے اولین منکر
- ن ۶/۴۱ ۴۴۱۳۳۳۰

ع ۲۲/۹	حجیت حدیث پر ایک فیصلہ کن مناظرہ	204a	حقیق، حافظ محمد
ص ۲۰۱/۱۳۶ تا ۱۳۵	حدیث شریف کا مقام حجیت	205	اسماعیل سلفی، محمد
ع ۲۵/۳۹۰	حجیت حدیث	206	اشرف علی تھانوی
ل ۳۳/۲۶	حجیت حدیث	207	اعظم، مولانا محمد
ع ۱۱/۳	حدیث رسول ﷺ کی حجیت	208	الفت کلیم، محمد
ع ۲/۳۸۰	احادیث کی شرعی حیثیت	209	امین افغانی
ت اکتوبر ۹۰	حجیت حدیث (انگریزی)	210	نقی عثمانی، جنس
ع ۲۲/۳۹۰	حجیت حدیث اور مکرین حدیث (تمنا عمادی)	211	ثناء اللہ امرتسری
ص ۲۰۱/۱۳۶ تا ۲۶۵	حدیث نبوی ﷺ بھی حجت شرعی ہے	212	ثناء اللہ امرتسری
ن ۵/۶۱	حجیت حدیث	213	حسین نعیمی، محمد
ل ۶/۳۱۹	حجیت حدیث [۲/اقساط]	214	حمید اللہ عبدالقادر
ع ۴۰	حجیت حدیث	215	حمید اللہ عبدالقادر
ع ۲۸/۷	حجیت حدیث پر ایک یقین افروز دلیل	216	حذیف ندوی، محمد
ج ۳/۴	اقسام وحی بسلسلہ حجیت حدیث	217	محمد گوندلوی، حافظ
ع ۲۸/۷	حدیث نبوی ﷺ کی حجیت اور اسکی اہمیت	218	رفیق دلاوری
ض ۳/۳	حجیت حدیث	219	سعد صدیقی، محمد
ث ۴/۱۳ تا کل: ۱۴	حجیت حدیث [۴/اقساط]	220	سیدنا اسلام بناری
ل ۳۳/۶	حجیت حدیث	221	شریف عتیق
ص ۲۰۱/۱۳۶ تا ۱۳۴	حجیت حدیث کا مہر نیروز	222	صادق سیالکوٹی، محمد
ل ۳/۱	حجیت حدیث پر ایک نظر	223	صدیق، مفتی محمد
ن ۵/۷۰	حجیت حدیث	224	عبدالحمید صدیقی
ص ۲۰۱/۱۳۶ تا ۱۸۷	حجیت حدیث	225	عبدالرحمن عمری
کل: ۵	حجیت حدیث اور قرآن [۲/اقساط]	226	عبدالشکور شکرانی
د ۱۱/۳	حجیت حدیث	227	عبدالولی جعفری
ص ۴/۷۹	حجیت حدیث مصطفیٰ	228	فیض احمد بھٹی
ر ۱/۹	حجیت حدیث مصطفیٰ ﷺ	229	فیض احمد بھٹی
ع ۳۰/۹	حجیت حدیث	230	قاسم، محمد
ص ۲۳/۱۹/۷۱ تا کل: ۱۰	حدیث کی تشریحی حیثیت [۲/اقساط]	231	محمد بن عبداللہ
ج ۷/۱	تواتر اور حجیت	232	محمد گوندلوی، حافظ
ج ۱/۳ تا کل: ۴۰	حجیت حدیث پر قرآنی دلائل اور چند شبہات کا ازالہ	233	محمد گوندلوی، حافظ
ث ۲/۱	حدیث حجیت شرعیہ ہے!	234	مسعود احمد، مولانا



ع ۱۰/۳۳ تا ۳۷: کل ۹:	حجیت حدیث	235 موسیٰ، قاری محمد
ث ۸/۳۴ تا ۲۱۶: کل ۲۲۰:	حجیت حدیث	235a موسیٰ، قاری محمد
<b>② حدیث بطور وحی</b>		
ح ۶۴/۲۶ تا ۱۶: کل ۱۶:	حدیث رسول ﷺ وحی ہے [۱۳/اقساط]	236 اکرام اللہ ساجد
۵۰/۲۰۵ تا ۶۲۵:	حدیث منزل من اللہ ہے	237 ثناء اللہ امرتسری
ن ۱/۳۴ تا ۵۲:	وحی، نبوت، سنت اور حدیث	238 عبدالغفار حسن
ث ۱۱/۲۶ تا ۹۸:	سنت نبوی ﷺ وحی اور محفوظ ہے۔ (وحی اور اقسام وحی)	239 غازی عزیر
ج ۳/۴ تا ۱۵:	اقسام وحی	240 محمد گوندلوی، حافظ
<b>③ قرآن وحدیث کا باہمی ربط</b>		
و ۹/۴:	قرآن مجید کے ساتھ حدیث کا ارتباط اور اس کی ضرورت	241 ابوالقاسم قدسی
ط ۱۰۱/۱۵ تا ۳۰: کل ۳۰:	حدیث کے بغیر قرآن سمجھنا ممکن نہیں [۱۰/اقساط]	242 ادارہ
ث ۷۳۵/۹ تا ۱۸: کل ۱۸:	سنت قرآن کے آئینے میں [۳۳/اقساط]	243 اسماعیل سلفی، محمد
ث ۳/۱۵ تا ۱۴:	قرآن فہمی کے لئے موقع و محل (البلاغ کے افکار کا جائزہ)	244 اکرام اللہ ساجد
ث ۲/۱۸ تا ۱۵:	قرآن کی صحیح تفسیر کا معیار، صرف سنت رسول ﷺ!	245 اکرام اللہ ساجد
ت ۶/۵۳ تا ۳۳:	قرآن وسنت میں باہمی ربط	246 برہان الدین سنہلی
ف ۱/۱۴۵ تا ۲۵:	قرآن وسنت کا باہمی ربط	247 برہان الدین سنہلی
ث ۳/۱۱ تا ۱۴: کل ۱۴:	سنت نبویہ اور قرآن کریم [۳۳/اقساط]	248 حبیب اللہ مختار
ت ۱۹/۰۶ تا ۲۳: کل ۲۳:	سنت نبویہ اور قرآن کریم [۲۲/اقساط]	249 حبیب اللہ مختار
ط ۱۰/۱۱ تا ۲۱:	صحیح حدیث کیلئے قرآنی مطابقت کا حسین فریب	250 رمضان سلفی، محمد
گ ۱۰/۱۰ تا ۱۰:	قرآن فہمی میں سنت نبوی کی اہمیت	251 زاہد ابراہامی، مولانا
ث ۱۰/۱ تا ۲۲:	مولانا حدیث کے بغیر قرآن فہمی مشکل ہے!	252 عبدالسلام کیلانی، مولانا
ث ۶/۱۴ تا ۵۵:	مولانا کتاب وسنت کا باہمی ربط	253 عبدالسلام کیلانی، مولانا
م ۱/۲ تا ۲۱:	کیا قرآن وحدیث مرتبہ کے اعتبار سے برابر ہیں؟	254 عبدالعزیز علوی
و ۳/۲ تا ۶:	مکرمین حدیث و منکرین تفسیر	255 عبدالواحد غزنوی
ث ۱۰/۳۱ تا ۵۶: کل ۵۶:	قرآن وسنت میں باہمی تعلق (مفاہات و شبہات کا ازالہ) [۳/اقساط]	256 غازی عزیر
ث ۱/۳۰ تا ۲۱:	تفہیم مطلق وعموم قرآن کی تخصیص کا مسئلہ	257 غازی عزیر
ث ۶/۱ تا ۲۸:	حدیث کے بغیر قرآن فہمی مشکل ہے۔ (بطور نمونہ چند آیات کی وضاحت)	258 کریم بخش، مولانا
ج ۸/۵۴ تا ۱۲: کل ۱۲:	تفسیر بالروایت پر منکرین حدیث کے اعتراضات اور ان کے جوابات [۱۰/اقساط]	259 محمد گوندلوی، حافظ
ج ۱۱/۱ تا ۲۰:	تفاوت قرآن کی صورتیں	260 محمد گوندلوی، حافظ
ل ۱۵/۱۷ تا ۱۰:	قرآن اور حدیث کا باہمی تعلق	261 ناصر الدین البانی
ل ۱۶/۱۷ تا ۱۱:	قرآن فہمی میں سنت کی حیثیت	262 ناصر الدین البانی

④ حدیث کی ضرورت و اہمیت

ص ۳/۶۰	263	ادار احمد بیٹ نبویؐ بھی سنت الہی ہے
ح ۱/۴	264	اسد، علامہ محمد اسلام میں حدیث و سنت کا مقام
ع ۲۸/۷	265	اسد، علامہ محمد روح سنت
۳۰ تا ۳۷	266	اصغر اسعد، ڈاکٹر محمد علم حدیث میں سلسلہ اسناد کی اہمیت
س ۹/۲۹	267	الطاف جاوید سنت رسول ﷺ کی اہمیت
ص ۳۲ تا ۱۱/۲۰	268	برق غزنوی، حکیم شرع میں سنت کی مستقل حیثیت
س ۱۱/۲۷	269	تنزیل الرحمن قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ
ل ۱/۴	270	ثناء اللہ امرتسریٰ حدیث نبوی ﷺ کی ضرورت
ث ۷/۹	271	حسین مخلوف مفتی اسلام میں 'سنت نبوی' کا مقام [مترجم: سیف الرحمن]
ل ۱۷/۱	272	رفیق، محمد حدیث کی اہمیت [۲/۱۳ اقساط]
گ ۳/۱۱	273	سرفراز خان صفدر حدیث نبوی ﷺ کی اہمیت اور بخاری شریف
گ ۲/۶	274	سرفراز خان صفدر سنت نبوی ﷺ کی اہمیت و ضرورت
۲ و ۲۳ تا ۲۴	275	سلیمان منصور پوریٰ حدیث کی اہمیت و فضائل [۲/۱۳ اقساط]
ف ۲/۲۴	276	سلیمان ندوی، سید سنت کیا ہے؟
ل ۳۲ تا ۲۰	277	شمس الاسلام دین میں حدیث نبوی ﷺ کا مقام
ل ۲۰ تا ۳۵	278	ضیاء احمد ایوبی عظمت حدیث [۳/۱۳ اقساط]
ز ۳/۲۵	279	ضیاء احمد بدایونی عظمت حدیث
ث ۵/۱۴	280	طیب شاہین لودھی سنت رسول ﷺ [۲/۱۳ اقساط]
ع ۳۲/۱۰	281	عبدالرشید عراقی حدیث رسول ﷺ کی اہمیت و حیثیت
ع ۵۰	282	عبدالرشید عراقی دین میں حدیث و سنت کا مقام
ر ۱۲/۱	283	عبدالرشید عراقی مقام حدیث
ل ۱۹/۱۲	284	عبدالرشید عراقی مقام حدیث
ر ۷/۹	285	عبدالرشید عراقی مقام سنت (حدیث)
ل ۳۶/۲۳	286	عبدالرشید صنیف بہار حدیث
ع ۲/۱	287	عبدالرؤف بھائی مقام سنت اور ضرورت حدیث [۲/۱۳ اقساط]
ث ۳ تا ۱۰/۸	288	عبدالسلام بستوی فضائل حدیث [۱۶/۱۳ اقساط]
ص ۳۲ تا ۱۱/۲۰	289	عبدالسلام جھنگوی حدیث اور اس کی ضرورت
ج ۱۰/۱۱	290	عبدالاحرز شبلی اسلام میں سنت نبوی ﷺ کا مقام [مترجم: سیف الرحمن]
ص ۳۲ تا ۱۱/۲۰	291	عبدالغفار الخیری حدیث النبی ﷺ کا مقام
ث ۳۰/۱۹	292	عبدالغفار حسن، مولانا سنت..... قرآن کی روشنی میں [۲/۱۳ اقساط]

۵: کل	۴۶، ۴۵/۱۹ ل	ضرورت حدیث [۲/اقساط]	293 عبد الغفار سن، مولانا
۶۹۳۶۳	۱۷۷ ث	مقام حدیث	294 عبد القیوم ندوی
۷۵۳۶۸	۱۳ ط	حدیث نبوی ﷺ	295 عزیز انصاری
۴۲۱۳۱۸	۲۰ تا ۱۱/۳۲ ص	عظمت حدیث و عمل صحابہؓ	296 عنایت اللہ صاحب
۲۱۳۹	۶/۱ ط	سنت اور حدیث، تصویب و تفصیلی بحث	297 فضل الرحمن، ڈاکٹر
۲۲۳۷	۷/۱ ط	سنت اور حدیث	298 فضل الرحمن، ڈاکٹر
۴۵۳۳۵	۲۰ تا ۱۱/۳۲ ص	اسلاف کی نگاہوں میں حدیث نبوی ﷺ کی عظمت	299 محبت السنہ
۳۵۳۳۰	۳۱۰ ث	اسلامی قوانین میں حدیث کا مقام	300 منظور احمد، حافظ
۴۳۶	۲۰ تا ۱۱/۳۲ ص	منکرین حدیث	301 موہودوی، ابوالاعلیٰ
۵۷۶ ح	۱۰ صفحات	حدیث و سنت، قرآن کریم کی روشنی میں	302 مہر محمد
۲۱	۱۶/۳۷ ص	عظمت حدیث	303 ناصح صاحب
۱/۴۳ تا ۵/۳۸	ن	حدیث کا مقام شریعت میں (کئی اقساط میں، غیر مسلسل)	304 نعیم صدیقی
۲۸۳۲۳	۳/۱۱ خ	حدیث کی دینی اہمیت	305 وارث سرہندی
۶۳۵	۷/۱۱ ث	اسلام میں سنت کا مقام	306 یحییٰ، مولانا محمد
۴: کل	۱۰ تا ۹/۳۱ ص	ضرورت حدیث [۲/اقساط]	307 یعقوب ہزاروی
۶۳۵	۳۹/۳۷ ہ	ضرورت حدیث	308 یوسف سلیم
۴۶ تا ۴۱	۴/۲۸ س	سنت رسول ﷺ کی اہمیت	309 یونس جنوعہ، محمد

### 6 حدیث کی تشریحی و آئینی حیثیت

۹۵: کل	۶/۵ تا ۴/۴ ت	سنت کی تحقیق اور اس کا تشریحی مقام	310 ادورس، مولانا محمد
۱۷:	۱۹ تا ۱۳/۳۶ ص	منکرین حدیث [۷/اقساط]	311 برق غزنوی
۲۶ تا ۲۰	۱۷/۳۵ ص	منکرین حدیث کے فتنے	312 برق، حکیم
۳۵۸ تا ۳۵۴	۲۰ تا ۱۱/۳۲ ص	حدیث کی تالیف و تالیف کی فرض ہے	313 حمید اللہ میرٹھی
۱۱: کل	۸، ۷، ۳۷ ص	حدیث قرآن کے آئینے میں [۲/اقساط]	314 صادق سیالکوٹی، محمد
۳۶ تا ۲۲	۸/۲۶ ث	حدیث رسول ﷺ کی تشریحی حیثیت (قرآن کی نظر میں)	315 صلاح الدین پوٹھان
۳/۱۳ ض	۵۱ ع	حدیث رسول ﷺ کی تشریحی حیثیت	316 صلاح الدین پوٹھان
۲۱۲۰۵	۵۱ ع	وضع حدیث اور حجیت حدیث	317 طیب، پروفیسر محمد
۴۵۳ تا ۴۲۲	۲۰ تا ۱۱/۳۲ ص	احادیث رسول ﷺ، قرآن کی روشنی میں	318 عبد الحمید ارشد
۷۸ تا ۵۸	۷/۱۲ ث	سنت کی دائمی حیثیت (خطاب)	319 عبدالرحمن مہنی، حافظ
۹۰: کل	۱۰ تا ۱۳، ۱۲ تا ۷/۲ ق	احادیث نبویہ کی حجیت و حفاظت [۹/اقساط]	320 عبدالرؤف رضائی
۴۱ تا ۳۲	۴/۱۸ ب	[کتاب دو اسلام از غلام جیلانی برق کے اعتراضات کا بھی جواب]	321 عبدالعزیز خضیری

۳۶۳۴۳۶۰	۲۰تا۱۱/۳۲ص	حدیث کی روشنی میں فضائل قرآن	322	عبدالقہار دہلوی
۲۳۱۴۲۲۷	۲۰تا۱۱/۳۲ص	احتجاج بالحدیث	323	عبداللہ محدث روپڑی
۴۳۱۴۳۴۰	۲۰تا۱۱/۳۲ص	قرآن کریم کے بعد حدیث نبوی ﷺ کا درجہ	324	عبدالحمید سوہدروی
۸۰تا۷۹	۸،۷/۱۴ث	سنت کی دائمی حیثیت (خطاب)	325	عبدہ، مفتی محمد
۳۳۲۲۲۸۸	۱/۱۶ض	سنت کی آئینی حیثیت	326	غلام احمد چوہدری
۱۰تا۶	۹/۱۸ب	سنت نبوی، احکام شریعت کا ایک ماخذ	327	مفتی حسن ازہری
۵۰تا۱۹	۶/۵۶ن	سنت کی آئینی حیثیت	328	مودودی، ابوالاعلیٰ

⑥ اخبارِ آحاد کی حجیت

۴۷تا۴۲	۶/۱۴ث	خبر واحد حجت شرعیہ ہے۔ (خطاب)	329	احسان الہی ظہیر
۵۳تا۳	۱/۲۳ظ	خبر واحد کی حجیت	330	احمد حسن
۳۰: کل	۱۱، ۱۰/۱۸ج	خبر واحد کی شرعی حیثیت [۱۲/اقساط]	331	احمد حسن
۴: کل	۲، ۱/۹ء	خبر واحد کا مفہوم اور مقام [۲/اقساط]	332	ارشاد الحق اشقی
۸تا۵	۱۶/۹ء	خبر واحد کی اہمیت	333	ارشاد الحق اشقی
۲۱تا۷	۵/۱۲ج	خبر واحد حجت شرعیہ ہے (خطاب علامہ شہید)	334	اکرام اللہ ساجد
۱۸تا۱۷	۱۲/۳۷ہ	احادیث کے ظنی اور قابل عمل ہونے کی تحقیق	334a	امین شوق
۲۸۳تا۲۲۶	۱/۱۶ض	علماء اصول کے نزدیک خبر واحد، اسکی اقسام اور قبولیت کی شرائط	335	باقرخان، ڈاکٹر
۱۰۳تا۷۳	۴/۱۲ض	حجیت خبر واحد	336	حمید الرحمن عمیانی
۵۱تا۴۵	۱/۲۳ث	کیا حدیث کو محض غلطی کے امکان کی بنا پر رد کیا جاسکتا ہے؟ [خطاب]	337	عبدالسلام بھٹو کمانڈر
۲۶۶تا۲۵۷	۶جلد۶	عبدالغفار حسن، مولانا حدیث کے ظنی ہونے کا ثبوت	338	عبدالغفار حسن
۳تا۲	۸/۳۳ث	خبر متواتر اور خبر آحاد کا فائدہ، ظن یا یقین؟	339	عبداللہ روپڑی
۹۰تا۴۸	۱/۱۲ض	خبر واحد (فتہاء کرام کی نظر میں!)	340	مبشر احمد، مفتی
۲۸تا۴۵	۳/۵ة	کیا خبر واحد حجت نہیں ہے؟	341	مبشر حسین، حافظ
۱۸تا۱۱	۸/۱ج	ظن اور حجیت	342	محمد گوندلوی، حافظ
۱۸تا۱۲	۶/۱ج	ظن اور یقین	343	محمد گوندلوی، حافظ
۱۶تا۸	۱/۱۸ب	خبر واحد اور خبر متواتر کی حجیت	344	مفتی حسن ازہری
۴۹تا۳۵	۳/۲۲ث	تفسیر قرآن کا طریق (عقیدہ میں آحاد کا حجت ہونا) [مترجم: حافظ حسن مدنی]	345	ناصر الدین البانی

⑥ تاریخ و تدوین حدیث

① تدوین حدیث عہد نبوی ﷺ میں

۳۳تا۲۷	۷/۲ة	کتابت حدیث..... عہد نبوی ﷺ میں	346	ابوبکر غزالی
۲۷تا۲۵	۱۰ء ۸۳ص	بنت ایوب انصاری دور رسالت میں کتابت حدیث	347	بنت ایوب انصاری
۴۹تا۳۹	۲۸/۷ع	حدیث نبوی کی تدوین و حفاظت (پہلی صدی ہجری میں لکھا ہوا صحیح حدیث)	348	حمید اللہ، ڈاکٹر محمد

کل: ۹:	ط ۹، ۸/۱۰	دور نبوی ﷺ میں کتابت حدیث [۲/اقساط]	349 حمید اللہ، ڈاکٹر محمد
کل: ۱۱:	ف ۳/۶	کتابت احادیث عہد نبوی ﷺ میں	350 خلیق نقوی
۲۳ تا ۱۲	ب ۱۱/۱۲	عہد نبوی ﷺ کے معاشرہ کی عکاسی میں حدیث شریف کا حصہ	351 رئیس ندوی، محمد
	ف مارچ ۵۱ء	کتابت احادیث عہد نبوی ﷺ میں	352 زبیر صدیقی، ڈاکٹر
۲۳۵ تا ۲۳۹	ش جلد ۶	کتابت احادیث، عہد نبوی ﷺ میں [مترجم: خلیق نقوی]	353 زبیر صدیقی، محمد
	۹ تا ۸	۲۹/۳۱۵	354 عبداللہ ثانی
کل: ۲۹:	ث ۵، ۴/۱۴	کتابت حدیث زمانہ رسول ﷺ میں	355 عبدالروف ظفر، ڈاکٹر
۲۲ تا ۱۵	ج ۱۰/۱	قرآن مجید کس طرح ہم تک پہنچا؟	356 محمد گووند لوی، حافظ
۱۴۹ تا ۱۳۹	ث ۸/۳۴	حفاظت حدیث میں حفظ کی اہمیت	356a محمد علی چوہدری
۱۳۸ تا ۱۳۲	ث ۸/۳۴	عہد نبوی میں کتابت حدیث	356b محمد نعیم

### ۲ تدریس حدیث عہد خیر القرون میں

۴۱ تا ۳۴	ب ۶/۱۴	حدیث نبوی کی نشر و اشاعت اور صحابہ کرام	357 ارشد محمد اکرم
	۱۱ تا ۵	تاریخ جمع و تدوین حدیث	358 داؤد غزنوی، سید
۱۰:	ص ۱، ۳/۶۳/۲۳/۶۳	حدیث کے صحیفے عہد صحابہ و تابعین میں [۳/اقساط]	359 طیب شاہین لودھی
۳۳ تا ۸	ط ۲/۲۰	حدیث کے صحیفے عہد صحابہ و تابعین میں	360 طیب شاہین لودھی
۴۳ تا ۳۷	ر ۹/۷	فضائل حدیث و اصحاب الحدیث	361 عبدالستار، مولانا
	۴ تا ۲	الحدیث و اصحاب الحدیث	362 عزیز زبیدی، مولانا
۵۶ تا ۱۵	ث ۵/۲۷	صحابہ کرام کے صحائف حدیث، ایک تحقیقی مقالہ	363 غزل کاشمیری
۲۷ تا ۱۸	ت ۶/۲۳	دور تابعین میں کتابت حدیث	364 یوسف بخاری، محمد
کل: ۲۲:	ت ۵ تا ۲۳	عہد نبوت اور دور صحابہ کے حدیثی مجموعے [۵/اقساط]	365 یوسف بخاری، محمد
۴۵۶ تا ۴۵۵	ط ۳	روایت احادیث میں صحابہ کا اختلاف	366 ولی اللہ، شاہ

### ۳ تدریس حدیث کی عمومی تاریخ

کل: ۲۲:	پ ۴، ۴ تا ۱۰/۳	تدریس حدیث [۶/اقساط]	367 ابراہیم میرسیا لکوی
۶۳ تا ۵۶	ت ۳/۲۴	تدریس حدیث اور فقہ کی تاریخ	368 احمد اللہ ندوی
کل: ۸:	ج ۱۱، ۱۰/۱۶	تدریس حدیث [۲/اقساط]	369 اسحاق رانا، محمد
کل: ۱۹:	ت ۵، ۳/۸	کتابت حدیث [۲/اقساط]	370 اسحاق سلہٹی، محمد
۳۸ تا ۳۲	ب ۱۱/۲	تدریس حدیث	371 اصغر علی بہاری
۱۳ تا ۱۲	ص ۱۰/۳۶	تاریخ و تدوین حدیث	372 ثناء اللہ
۳۱ تا ۶	ث ۶/۲۷	تدریس حدیث کے اسالیب و مناہج	373 حمید اللہ، پروفیسر
۹ تا ۴	گ ۱۲/۱	علم حدیث کی تدوین، علما کا عظیم کارنامہ	374 سرفراز خان صفدر
	ذ ۳۹	تدریس حدیث	375 سعید احمد اکبر آبادی

۳۹۶ تا ۳۹۵	ص ۲۰ تا ۱۱/۳۲	۳76	سلیمان ندوی، سید	حدیث نبوی ﷺ کی تدوین
۲۲۵ تا ۲۱۵	ش جلد ۶	۳77	ضیاء الدین صلاقی	حدیثوں کی جمع و تدوین
۱۱۲ تا ۱۱۰	ع ۳۹	۳78	ظفر اقبال، پروفیسر	تدوین حدیث
۷، ۵/۷	کل: ۷	۳79	عبدالعلیم صدیقی	تدوین حدیث [۳/اقساط]
۱۵۵ تا ۱۵۰	ث ۸/۳۲	379a	عبدالرحمن مدنی حافظ	حفاظت حدیث کے مختلف ذرائع
۵۰ تا ۳۹	ج ۱۰/۱۹	380	عبدالرشید عراقی	تدوین حدیث
۲۲۶ تا ۲۳۸	ث ۸/۳۳	380a	عبدالرشید عراقی	دفاع حدیث اور علمائے اہل حدیث
۱۸ تا ۸	ر ۵/۲	381	عبدالرشید عراقی	حجیت حدیث و تدوین حدیث
۲۵۵ تا ۲۳۹	ن ۲/۵۵	382	عبدالرشید نعمانی	تاریخ و تدوین حدیث پر منکرین حدیث کے اعتراضات
۲۱۳ تا ۱۹۲	ش جلد ۶	383	عبدالغفار حسن	تدوین سنت
۲۳۹ تا ۲۳۵	ص ۲۰ تا ۱۱/۳۲	384	عبدالقادر روپڑی	تدوین حدیث کے متعلق سوال کا جواب
۸۲ تا ۸۳	ع ۲۸/۷	385	عبدالقیوم	جمع و تدوین حدیث کے چند اہم دور
۲۳۸ تا ۲۲۶	ش جلد ۶	386	عجاج الخطیب، محمد	صدرا اسلام میں حدیث کی کتاب و تدوین
۱۱: ۱۹	ص ۱۵ تا ۱۵/۳۵	387	محبت السنہ	کتابت حدیث [۲/اقساط]
۱۷ تا ۱۰	ج ۱۸/۱	388	محمد گوندلوی، حافظ	حدیث کی کتابت
۱۶ تا ۷	ج ۲۲	389	محمد گوندلوی، حافظ	کتابت حدیث: منکرین کے اعتراضات اور ان کے جوابات
۲۳۳ تا ۲۳۲	ص ۲۰ تا ۱۱/۳۲	390	مقبول احمد	تاریخ حدیث
ذ جنوری ۷۷ء تا اکتوبر ۷۵ء		391	مناظر حسن گیلانی	تدوین حدیث (مختلف شماروں میں مختلف اقساط)
ف اپریل تا جون ۷۱ء		392	مناظر حسن گیلانی	تدوین حدیث [۳/اقساط]
۱۹۱ تا ۵۳	ش جلد ۶	393	مناظر حسن گیلانی	تدوین حدیث
۷۰ تا ۶۹	ع ۲۸/۷	394	ہدایت اللہ ندوی	تدوین حدیث
۳۶ تا ۳۵	ر ۱/۲۲	395	یوسف بخاری، محمد	تدوین حدیث
۲۳ تا ۱۵	ر ۶/۲۲	396	یوسف بخاری، محمد	کتابت حدیث
۳۶ تا ۳۶۵	ص ۲۰ تا ۱۱/۳۲	397	یوسف کلکوئی	تدوین حدیث
<b>④ حفاظت حدیث</b>				
۲۶ تا ۱۷	ر ۵/۲۲	398	یوسف بخاری، محمد	حفاظت حدیث اور اس کے اسباب
۲۳ تا ۱۹	ع ۵/۵	399	شمس الرحمن، محمد	حفاظت حدیث کی عملی صورتیں
۱۲ تا ۵	گ ۷/۱	400	سرفراز خان صفدر	ارشادات نبوی ﷺ کی حفاظت کیلئے صحابہ کرام اور تابعین کی خدمات
۲۰ تا ۳۰	ب ۸/۱۸	401	ضیاء الرحمن	حفاظت حدیث کے محرکات
۱۳ تا ۱۲	د ۱۱/۱	402	عبدالصمد بہا کیوری	صحابہ حفاظ حدیث خیر الانام ﷺ
۲۳۹ تا ۲۳۱	ص ۲۰ تا ۱۱/۳۲	403	محبت السنہ	حفاظت حدیث

ج ۲۱	۸۵۳	حفاظت حدیث کا اہتمام (اسباب و ذوایع)	404 محمد گوندلوی، حافظ
ج ۶۲	۲۰۴۱۵	حفاظت حدیث شرط و سحت روایت	405 محمد گوندلوی، حافظ
ج ۲۳ تا ۲۱۰	۱۸	حفاظت حدیث، سحت حدیث کی شرائط [۲/اقساط]	406 محمد گوندلوی، حافظ
ج ۵۳ تا ۲	۲۰	اسباب حفظ حدیث [۳/اقساط]	407 محمد گوندلوی، حافظ
ج ۱۴	۱۰	حفاظت حدیث کے اسباب	408 محمد گوندلوی، حافظ
ج ۸۲	۱۰ تا ۶	حفاظت حدیث، محدثین کا معیار تنقید	409 محمد گوندلوی، حافظ

### ⑥ تحریک اہل حدیث اور منکرین حدیث

پ ۱۲	۳۳ تا ۲۹	فتنہ انکار حدیث اور ثناء اللہ امرتسری	410 خورشید احمد سلفی
ع ۲۸/۷	۳	جماعت اہل حدیث کا عقیدہ و نصب العین	411 داؤد غزنوی، سید
ص ۲۰ تا ۱۰۳	۲۶	اہل حدیث کا فرض	412 رفیق خان
۱۳	۱۰ تا ۹	ایک اہل حدیث کا اہل قرآن سے مطالبہ	413 شفیع الحسن
کل: ۲۳	۱۱/۱۵	برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث اور علمائے اہل حدیث کی مساعی [۳/اقساط]	414 عبدالرشید عراقی
کل: ۱۴	۸، ۷، ۴	علمائے اہل حدیث کی تصنیفی خدمات [۳/اقساط]	415 عبدالرشید عراقی
ب ۶/۹	۱۸ تا ۱۱	حدیث رسول ﷺ کا مقام اور مسلک اہل حدیث	416 عبدالرؤف صافی
۳۹ تا ۳۴	۱۰/۵	شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری اور تردید انکار حدیث	417 مستقیم سلفی، محمد

### ⑦ اسلامی عقائد و نظریات اور منکرین حدیث

#### ① ایمانیات اور منکرین حدیث

ش ۶/۲۷	۸۳ تا ۵۷	عذاب قبر برحق ہے!	418 ابو جابر عبداللہ
ش ۱۱/۱۴	۱۳ تا ۲	احکام تیرے حق ہیں مگر اپنے مفسر؟ (سائنسی مضمون کی غلط تشریح کا جواب)	419 اکرام اللہ ساجد
۲۳ تا ۳	۵ تا ۳	عالم برزخ اور اہل قرآن	420 ثناء اللہ امرتسری
۳	۳۳ تا ۷	مسئلہ شفاعت اور منکرین حدیث	421 ثناء اللہ امرتسری
ش ۷/۱۸	۳۸ تا ۳۰	رویت ملائکہ، قرآن کی روشنی میں	422 دین محمد قاسمی پروفیسر
ش ۱۱/۱۹	۲۲	سرگزشت آدم علیہ السلام کے دو پہلو اور منکرین حدیث [۲/اقساط]	423 دین محمد قاسمی پروفیسر
ش ۱/۱۹	۶۳ تا ۵۰	مقام رسالت اور منکرین حدیث	424 سلیم ہنسی
ش ۱۱/۱۳	۳۵ تا ۲۳	عبدالرحمن کیلانی، مولانا جنت ارضی یا جنت الموائی: حقیقت کیا، افسانہ کیا؟	425 عبدالرحمن کیلانی، مولانا
ف ۶/۳۳	۶۲	عالم برزخ کی حقیقت از روئے قرآن	426 محمد سورتی، مولانا
ج ۵/۱	۱۱ تا ۷	'مرکز ملت' اور شریعت سازی	427 محمد گوندلوی، حافظ
ل ۲۹ تا ۳۵	۱۴	انکار حدیث یا انکار رسالت [۱۱/اقساط]	428 محی الدین قصوری
ع ۲۸/۷	۱۶ تا ۷	انکار حدیث یا انکار رسالت	429 محی الدین قصوری
۳۶/۳۴	۸ تا ۷	قرآن اور اطاعت رسول ﷺ	430 مطیع الرسول

- 431 مودودی، ابوالاعلیٰ منصب نبوت کے صحیح اور غلط تصور کا فرق ن ۶/۵۶ ۲۴۰ تا ۵۸
- 432 ادارۃ اللمعات ثناء اللہ امجدی منکرین حدیث کی نماز [۳/اقساط] ۱۸ تا ۱۵/۲۲، کل: ۶
- 433 ثناء اللہ امجدی اہل قرآن کی نماز ۵۰/۳۲ ۴ تا ۳
- 434 ثناء اللہ امجدی اہل قرآن کی اذان ۳۲/۲۰ ۴ تا ۱
- 435 ثناء اللہ امجدی منکرین حدیث کی نماز [۳/اقساط] ۱۸ تا ۱۵/۲۲، کل: ۱۵
- 436 ثناء اللہ امجدی نماز سید المرسلین بجاو صلوة المرسلین از میاں محمد فضل ۳۳ تا ۲۲/۳۶، کل: ۱۵
- 437 ثناء اللہ امجدی اہل قرآن کی نمازیں اور ان میں باہمی اختلاف ۲۱/۲۶ ۲ تا ۱
- 438 حسین بناوٹی، محمد روزہ کے متعلق منکرین حدیث کے افکار کا تجزیہ ق ۷/۱ ۲۹۳ تا ۲۵
- 439 رکن الدین مکالمہ مابین قائل حدیث و منکرین حدیث بابت نماز ۵/۳۲ ۱۰ تا ۸
- 440 سلیم شمشی نماز اور منکرین حدیث (منکرین حدیث کا تین نمازوں کا انکاری ہونا) ت ۱۹/۴ ۳۳ تا ۳۳
- 441 صلی اللہ علیہ وسلم، حافظ طلوع اسلام کا اشتراک نظریہ، زکوٰۃ کا انکار (حدیث سے انحراف، قرآن میں تحریف) ت ۲۲/۴ ۸۹ تا ۸۰
- 442 عبدالرحمن کیانی، مولانا شرح زکوٰۃ کا قرآنی حکم ت ۱۶/۸ ۱۶

### 3 منکرین حدیث اور مسئلہ قربانی

- 443 ابراہیم کبیر پوری قربانی کی مشروعیت اور منکرین سنت ت ۲/۱۲ ۲۳ تا ۱۱
- 444 ابورحیم عبدالاعلیٰ فریضہ قربانی کا معاشی پہلو اور منکرین حدیث کی ذہنی اوج ت ۱۱/۶ ۲۵ تا ۲۱
- 445 جماعت المسلمین قربانی اور منکرین حدیث ت ۲/۲۲ ۲۶ تا ۲۳
- 446 دین محمد قاسمی، پروفیسر مسئلہ قربانی، قرآن کی روشنی میں [۳/اقساط] ت ۱۲/۱۸، ۱۲/۱۷، کل: ۳۲
- 447 روح الامین قربانی اور منکرین حدیث [۲/اقساط] ل ۲۹/۵۰، کل: ۲
- 448 عبدالعزیز راشد قربانی کے خلاف منکرین حدیث کا دواہیہ ت ۳۸/۳۶ ۱۱
- 449 عبدالرحمن کیانی، مولانا مسئلہ قربانی کی شرعی حیثیت ت ۱۶/۸ ۱۴ تا ۱۰
- 450 عبداللہ عقیف عقیدہ اور قربانی کی شرعی حیثیت بسلسلہ کیا اسلام میں قربانی جائز ہے؟ [۳/اقساط] ج ۱۸/۵ تا ۸، کل: ۳۸
- 451 علی احمد زاہد قرآن سے قربانی کا جواز ص ۳۸/۲۳ ۲۱ تا ۱۹

### 4 وراثت اور منکرین حدیث

- 452 دین محمد قاسمی، پروفیسر یتیم ہوتے کی وراثت کا مسئلہ (منکرین حدیث کے جواب میں) ت ۲۰/۵ ۵۰ تا ۲۴
- 453 صدیق ہفتی محمد مسئلہ عول کے بارے میں اہل تشیع اور منکرین حدیث کا نظریہ اور اس پر تبصرہ ج ۱۹/۶ ۴۱ تا ۳۶
- 454 صدیق ہفتی محمد مسئلہ عول کے بارے میں اہل تشیع اور منکرین حدیث کے نظریات [۳/اقساط] ل ۱۷/۳۵، ۳۰/۴۱، کل: ۸
- 455 صدیق ہفتی محمد مسئلہ عول کے متعلق اعتراض و جواب ج ۱۹/۹ ۳۳ تا ۲۹
- 456 صدیق ہفتی محمد مسئلہ عول، اہل تشیع اور منکرین حدیث [۳/اقساط] ع ۳۸ ۳۰، ۳۵، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، کل: ۹
- 457 صدیق ہفتی محمد مسئلہ عول کے بارے میں اہل تشیع اور منکرین حدیث ت ۱۶/۸ ۳۱ تا ۲۸

### 5 واقعہ معراج اور منکرین حدیث



- 458 سعید مجتبیٰ سعیدی معراج النبیؐ کے مضمون کے متعلق مزید استشکارات بعنوان 'استدراک' ش ۱۰/۱۸ ۶۳ تا ۶۱
- 459 البروف ظفر، ڈاکٹر معراج النبیؐ پر کئے گئے اعتراضات کا علمی جائزہ [۳/اقساط] ش ۸ تا ۱۳ ۴۶: کل
- 460 عبدالرحمن کبیانی، مولانا معراج النبیؐ پر منکرین معجزات کے اعتراضات کا جائزہ [۳/اقساط] ش ۱۰ تا ۱۸ ۱۰۵: کل

### ⑥ کتب احادیث اور منکرین حدیث

- 461 ابوالاشبال شافعی صحیح بخاری کی بعض خوبیوں کا بیان ۱۱/۹م ۸ تا ۷
- 462 ایوب توحیدی فتنہ انکار حدیث اور صحیح بخاری ل ۲۳/۲۰ ۱۸ تا ۱۷
- 463 شرف الدین حیرت منکر حدیث کے صحیح بخاری پر اعتراض کا جواب ص ۲۱۱/۲۰ تا ۲۵۲/۲۳
- 464 صدیق مفتی محمد صحیح بخاری اور اس کے تدوینی و تالیفی مقاصد ۴/۲م ۱۵ تا ۱۸
- 465 غلام مصطفیٰ ظہیر صحیح بخاری 'غیروں' کی نظر میں ۹/۱۰م ۹ تا ۵

### ⑦ صحیح احادیث اور منکرین حدیث

- 466 احمد مجتبیٰ سلفی ضعیف اور موضوع احادیث کا چلن اور اُمت پر ان کے اثرات ب ۱۰/۹ ۲۶ تا ۱۹
- 467 ثناء اللہ امرتسریٰ حدیث پر بے سمجھی سے اعتراض ۴/۱۱/۳۶ ۷
- 468 عبدالغفور لہوری تصحیح احادیث کا معیار [۳/اقساط] ح ۱۲ تا ۸/۱۴ کل ۱۴
- 469 عبدالمعبود سلفی موضوع احادیث کی روایت، ایک جرم عظیم ب ۸/۲ ۱۱ تا ۷
- 470 غلام مصطفیٰ ظہیر کیا 'محقق علیہ' روایت بھی 'ضعیف' ہو سکتی ہے؟ ر ۳۶/۳۷ ۳۷ تا ۳۷
- 471 محمد گوندلوی، حافظ احادیث صحیحہ پر اعتراضات، اور سندوں پر کل ۱۸: ۸ تا ۶/۱۳
- 472 محمد گوندلوی، حافظ صحت حدیث پر سابقہ اعتراضات کے جوابات ح ۳/۵ ۱۵: کل
- 472a مقتدی حسن ازہری ضعیف حدیث پر عمل کیلئے اصرار کا غیر علمی انداز ب ۱۸/۳ ۱۹ تا ۷

### ⑧ نسخ اور منکرین حدیث

- 473 دین محمد قاسمی پرنسپل نسخ فی القرآن ش ۳۲/۳۱ ۱۶ تا ۱۳
- 474 غازی عزیر نسخ فی القرآن مغالطات و شبہات کا ازالہ [۳/اقساط] ش ۲۷/۲۹/۲۱۸/۹/۲۷ کل ۴۴
- 475 محمود الحسن عارف سنت نبوی ﷺ سے احکام قرآن کا نسخ ض ۲/۱۴ ۳۰ تا ۲۹
- 476 مقبول احمد، قاضی نسخ کے اہم اصول (کوئی صحیح حدیث قرآن سے معارض نہیں!) ش ۱۴/۶ ۵۲ تا ۴۸

### ⑨ اصول حدیث اور منکرین حدیث

- 477 اسماعیل اسد، محمد اصول حدیث، محدثین کرام کا علمی شاہکار ۸/۹م ۲۶ تا ۲۱
- 478 انور ابنوبی علوم حدیث اور نقد حدیث [۳/اقساط] ت ۲۰/۱۰/۶/۹ کل ۳۶
- 479 باقر خان خاگوانی علمائے اصول اور حدیث کی اقسام [۳/اقساط] ف ۱۸/۳۴ کل ۳۳
- 480 باقر خان خاگوانی علمائے اصول اور مخبر طعون کے اقسام [۲/اقساط] ف ۱۶۳/۵۰ کل ۳۰
- 481 باقر خان خاگوانی علمائے اصول کے نزدیک صحابہ اور ان کی روایت کا مقام [۲/اقساط] ف ۱۶۰/۵۰ کل ۳۰
- 482 زبیر علی زئی، حافظ التاسیس فی مسئلہ التدلّیس ش ۲۷/۳۹ ۳۹ تا ۲۹
- 483 صر فراز خان صفدر روایت حدیث میں ائمہ کی احتیاط گ ۱۲/۴ ۸

۲۱۹ تا ۲۱۴	ظ ۲	نقحر حدیث کے لئے درایت کے اصول	484 شبلی نعمانی، علامہ
۷۰ تا ۵۳	۵/۵	روایت بالمعنی کی شرعی حیثیت	485 شریف، حافظ محمد
۱۹ تا ۱۷	خ ۶/۵	حفاظت حدیث اور اصول حدیث	486 شمس الرحمن، محمد
۱۶۳ تا ۱۶۸	ض ۲/۱۸	ائمہ مجتہدین و محدثین اور نقحر حدیث کے اصول	487 عبدالحمید عباسی
۴۳ تا ۴۰	ب ۱۰/۱۰	وضع حدیث پر ایک نظر [مترجم: امتیاز احمد سلطانی]	488 عبدالرحمن الفریوانی
۲۸:	ث ۱۵/۱۵	مولانا وضع حدیث اور وضعائین [۱۲/۲ قسط]	489 عبدالرحمن کیلانی، مولانا
۲۳ تا ۱۹۵	ض ۱/۱۵	علم اصول حدیث اور اس کا ارتقا	491 عبدالرؤف ظفر
۵۸ تا ۳۹	ژ ۳/۹	اسناد حدیث اور اس کا آغاز	492 عبدالرؤف سعیدہ
۱۷:	ف ۵/۳	کیا علم حدیث پر سلطنت کا اثر پڑا ہے؟	493 عبدالسلام ندوی
۲۸ تا ۲۸۳	ظ ۲	نقحر حدیث کے لئے درایت کے اصول	494 عبداللہ الحمادی
۳۹ تا ۳۷	ر ۵/۹	حدیث میں اصول روایت اور اصول درایت کی وضاحت	495 غلام مصطفیٰ ظہیر
۱۴۸ تا ۱۴۳	ظ ۲	حدیث نبوی ﷺ کی درایت کے اصول	496 قدرۃ اللہ فاطمی

**(10) مسائل خواتین اور منکرین حدیث**

۴۷ تا ۲۵	ث ۷/۲۰	دین محمد قاسمی پروفیسر خواتین کی عدالتی شہادت، قرآن کی روشنی میں	497
۲۴:	ث ۱۱، ۱۰، ۱۶	مولانا شہادت نسواں و مساوات مرد و زن [۲/۲ قسط]	498 عبدالرحمن کیلانی، مولانا
۱۶ تا ۲	ث ۶/۲۰	عورت کی سربراہی اور منکرین حدیث کے نظریات	499 عبدالعزیز بن باز

**⑧ منکرین حدیث کے اعتراضات و شبہات کا جائزہ**

۲۱:	م ۱۱ تا ۵/۳	امام محمد بن اسلم پر جرح کے اسباب اور ان کا حل [۳/۳ قسط]	500 امین عزیز، محمد
۲۳:	م ۳۹ تا ۴۱، ۳۲	تصدیق الحدیث بیان الحق بجواب بلاغ الحق	501 ثناء اللہ امرتسری
۵ تا ۳	۱/۳۱	منکرین حدیث کے اوچھے حملے	502 ثناء اللہ امرتسری
۴ تا ۱	۸/۵	منکرین حدیث کے حملے اور جواب	503 ثناء اللہ امرتسری
۸ تا ۶	۳۱/۵	اہل قرآن کا تنگنہ	504 ثناء اللہ امرتسری
۳ تا ۱	۳۵/۱۹	بہتان از اہل قرآن	505 ثناء اللہ امرتسری
۲ تا ۱	۱۳/۲۶	حدیث نبوی پر حملہ بطرز جدید	506 ثناء اللہ امرتسری
۳ تا ۱	۱۷/۲۶	امرتسری اہل قرآن جماعت میں برہموازم	507 ثناء اللہ امرتسری
۳ تا ۱	۱۹/۲۶	اہل قرآن پانچ سو جمع کروائیں	508 ثناء اللہ امرتسری
۳	۶، ۵/۲	ابن صلاح کی کتاب 'علوم الحدیث' [۲/۲ قسط]	509 خالد سیف، محمد
۵۷ تا ۳۳	ث ۹/۲۰	علامہ اقبال اور حدیث نبوی ﷺ (اعتراضات کے جوابات)	510 دین محمد قاسمی، پروفیسر
۴۳ تا ۳۲	ث ۱/۲۰	جواب آں ہزل، در جواب آں غزل (سلسلہ پرویزیت)	511 رمضان سلطانی، محمد
۱۴:	ص ۳، ۱/۱۸	منکرین حدیث کے مغالطے اور ان کے جوابات	512 سعید احمد سعیدی
۴۱:	م ۱۲، ۱۱/۲	تکبیر بن حاطب الانصاری المہدوی [۲/۲ قسط]	513 سلیم بن اسامہ

کل: ۴۷	۵۰/۲۳۳ ف	سیرت النبی چہارم ایک منکر حدیث کی نظر میں [۲/اقساط]	514 سلیمان ندوی، سید
۱۸۶۱۵۶	۸/۳۴ ث	حضرت ابو ہریرہؓ اور علم حدیث	514a صفی الرحمن مبارکپوری انکار حدیث، حق یا باطل؟
۱۹۲۱۷	۷/۲۴ ة	مقام حدیث اور بزم طلوع اسلام، کویت	515 عبد الجبار شاہ
۲۱۵۲۱۹۷	۸/۳۴ ث	مذہب رسول ﷺ کا اقرار حدیث، بیجاپور	515a عبدالحق کویت
۲۲۲۳۷	۱۰/۱ ث	امام زہری کون تھے؟	516 عبد السلام کیلانی، مولانا امام نصر مزنی اور انکار حدیث کے رد میں امام کی خدمات
۶۲۳	۸/۱ ی	کے جوابات	517 عبدالشکور شکرانی
۳۲۷۳۳۲۳	۲۰/۱۱/۳۲ ص	بنت رسول ﷺ کا اقرار حدیث، بیجاپور	518 عبدالقادر روپٹی
۳۹۲۳۳۸۰	۲۰/۱۱/۳۲ ص	منکرین حدیث کی ایک تنقید کا حقیقتانہ جواب	519 عبید اللہ مبارکپوری
کل: ۱۶	۳۰/۲۲ ق	چند اہم اور علمی سوالات کے جوابات: ① امام زہری کون تھے؟	520 عطیہ اللہ حنیف، محمد
		② مسئلہ فدک؟ ③ حدیث قرطاس ④ کیا صحیحین میں بھی ضعیف احادیث ہیں؟	
۱۹۶۲۱۸۷	۸/۳۴ ث	بعض اعتراضات کا جائزہ	520a مودودی، ابوالاعلیٰ
۹۸۷۹۳	۱/۳۹ ن	حضرت عائشہؓ کی غسل کے پانی کی مقدار والی روایات پر اعتراضات	521 مودودی، ابوالاعلیٰ
۳۳۷۳۲۲۷	۶/۳۷ ن	حضرت ماریہ قبطیہؓ کے متعلق روایات پر اعتراضات	522 مودودی، ابوالاعلیٰ
<b>⑨ متفرق مضامین</b>			
۵۲۳	۲۳/۳۰ ہ	حدیث پر حملہ، اوجھے ہتھیاروں سے	523 ابراہیم حنیف
۱۷۷۱۶	۱۴/۷۲ ص	منکرین سنت جواب دیں!	524 ابراہیم خلیل
۱۷۷۱۵	۱۲/۲ د	اتباع قرآن و حدیث اور معراج ترقی	525 ابوالخیر ریوٹی
۲۰۷۱۷	۳/۷ م	شاغف فقیہ تو محدث ہی ہوتا ہے	525a ابوالاشبال
۱۰۷۶	۱۰/۶ ر	ایک حدیث پر تنقید اور اس کی تحقیق	526 ابوالکلام آزاد
۹۷۸	۸/۱۰ ہ	اہل قرآن کی عدم واقفیت قرآن	527 ابوسلمان، اوریس
۲۹۱۲۱۷	۲۰/۱۱/۳۲ ص	سے گلو خلاصی کا چور دروازہ ہے	528 احتشام الحق تھانوی
۱۲۲۱۳	۹/۱۰ گ	منکرین حدیث کی سرگرمیاں اور ان کا تعاقب	529 احمد علی سراج
کل: ۳	۶، ۵/۲۷ ہ	احادیث پر حملات [۲/اقساط]	529a ادارہ البحدیث
۲۲۱	۳۶/۲۷ ہ	اہل قرآن کا تشہد	530 ادارہ البحدیث
۳۲۱	۸/۲۵ ہ	اہل قرآن کی تشریف آوری	531 ادارہ البحدیث
۳۲۲	۲۰/۲۲ ہ	اہل قرآن لاہور کی کارگزاری	532 ادارہ البحدیث
۶۲۱	۲۳/۱۹ ہ	حدیث پر حملہ اور اس کی مدافعت	533 ادارہ البحدیث
کل: ۹	۲۲/۲۵/۲۱/۲۲ ہ	مختلف شماروں میں اقساط	534 ادارہ البحدیث
۲۲۱	۵۱/۱۹ ہ	ضربات المؤمنین علیٰ ہفوات المسلمین	535 ادارہ البحدیث
۲۲۱	۲۵/۱۹ ہ	ضربات المؤمنین علیٰ ہفوات المسلمین	536 ادارہ البحدیث
۷	۲۶/۳۱ ہ	منکرین حدیث سے چند سوالات	537 ادارہ البحدیث

۳۳۲۳۲ ۲۰۱۰/۳۲ص	اقوال زریں	538 ادارہ
۹۴۸ ۲۹/۳۲	اہل قرآن اور ان سے چند سوالات	539 ادارہ
۷۲۴ ۱۵/۳۵ص	تعمیل حدیث پر ایک مناظرہ	540 ادارہ
۱۵۵۱۴ ۴۰/۹ء	منکرین حدیث بھی حدیث کے قائل ہو گئے (مناظرہ)	541 ادارہ
۲۹۴۲۲۶ ۲۰۱۰/۳۲ص	احادیث طیبہ..... سرا اور آنکھوں پر!	542 اداریں کا ندھلوی
۷۸۲۷۱ ۲۸/۷ع	منکرین حدیث کے دائل حقائق کی روشنی میں	543 اداریں کا ندھلوی
۳۰۶۲۴ ۷/۱ق	حدیث کیا ہے؟	544 اخلق بھٹی، محمد
۳۹ ۵۱۲۴۷۲۲ع	بلاغ القرآن کی تنقید اور اس کا علمی جائزہ [۱۲/اقساط]	544a اخلق، حافظ محمد
۳۲۴۲۹ ۱/۷ع	تعارف حدیث	545 اخلق رانا، محمد
۵۴۳۵۰ ۲۸/۷ع	سنت رسول کے پاسبان	546 اخلق، حافظ محمد
۱۵: کل	منکرین حدیث کی بوجھل ہٹ [۹/اقساط]	547 اخلق، محمد
۲۴۳۱۹ ۲۸/۷ع	عجمی سازش کا افسانہ	548 اسماعیل سلقی، محمد
۸۳۲ ۱۰/۱۴ث	رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کے ذریعے عذاب الہی کے حقدار (اتباع اور شاہ ولی اللہ)	549 اکرام اللہ ساجد
۷۰: کل	فتنیہ استسراق اور ڈاکٹر فضل الرحمن [۷/اقساط]	550 مین الحق
۱۸۲ ۲۰۱۱/۳۲ص	بدیع الدین راشدی ایک عجیب سوال	551 بدیع الدین راشدی
۳۱۳۲۷ ۶/۲م	حدیث اعرابی (نبی ﷺ کی قبر پر آکر استغفار کرنا) اور اس کی حقیقت	552 برق التوحیدی
۸: کل	اسلام اور علم حدیث [۳/اقساط]	553 ثناء اللہ امرتسری
۴ ۱۶/۳۳	امرتسری اہل قرآن کا افترا	554 ثناء اللہ امرتسری
۶ ۱۵/۳۳	امرتسری اہل قرآن کی بلاغت	555 ثناء اللہ امرتسری
۵ ۲۲/۳۳	امرتسری منکرین کی راست گوئی	556 ثناء اللہ امرتسری
۳۳۲ ۴۰/۳	اہل حدیث اور اہل قرآن	557 ثناء اللہ امرتسری
۴۳۳ ۴۱/۱۰	اہل قرآن کی قرآن دانی	558 ثناء اللہ امرتسری
۵۳۴ ۱/۳۸	اہل قرآن کی مخالفت قرآن	559 ثناء اللہ امرتسری
۵: کل	اہل بلاغ، کا باطل گونا گونا گوار حسن نظامی [۲/اقساط]	560 ثناء اللہ امرتسری
۵۳۴ ۳۹/۳۷	ایک روایت کا مطالبہ	561 ثناء اللہ امرتسری
۴۳۳ ۳۰/۳۷	آریہ اور اہل قرآن	562 ثناء اللہ امرتسری
۲۰: کل	بہتان از اہل قرآن [۱۳/اقساط]	563 ثناء اللہ امرتسری
۷۲۶ ۴۲/۳۶	حدیث پر بغیر قرآن	564 ثناء اللہ امرتسری
۹: کل	دفاع عن الحدیث [۷/اقساط]	565 ثناء اللہ امرتسری
۱۴: کل	فرقہ بے حدیثیہ [۷/اقساط]	566 ثناء اللہ امرتسری
۵۳۳ ۱/۲۹	فکر و فکر (نیاز فتح پوری کے متعلق)	567 ثناء اللہ امرتسری

۳۲۳	۳۸/۱۵	قرآن کی شکایت اہل قرآن سے	568	ثناء اللہ ام ترسی
۱۰۴۸	۷/۷۵	کھلی چشمی بنام اہل قرآن	569	ثناء اللہ ام ترسی
۴: کل	۲۲۲۹	منکرین حدیث کی مساعی [۱۳/اقساط]	570	ثناء اللہ ام ترسی
۵۲۳	۲۰/۱۸۵	مولوی حشمت علی اہل قرآن کی البہ فریبی	571	ثناء اللہ ام ترسی
۲۲۱	۲۸/۱۲۵	حدیث اور اہل حدیث	572	ثناء اللہ ام ترسی
۳۲۳	۱۸/۲۵	اہل قرآن اور حدیث	573	ثناء اللہ ام ترسی
	ت اگست ۶۳	وضع حدیث کی تاریخ	574	حبیب اللہ مختار
۲۵۲۱۷	۵/۱۲	توضیحات	575	خورشید احمد ندیم
۳۵۳۳۳۸	۲۰ تا ۱۰/۳۲ ص	حدیث مصطفیٰ ﷺ..... حلال اور حرام	576	رفیق خان
۳۳۷۳۳۰	۲۰ تا ۱۰/۳۲ ص	قرآن، حدیث کی روشنی میں	577	رفیق خان
۴۱۷۳۳۳	۲۰ تا ۱۰/۳۲ ص	سنت محمدی کا مستند مجموعہ	578	رفیق خلیل عرب
۴۳۳۳۵	۱/۹	ازواج مطہرات اور مستشرقین	579	زابد علی واسطی
۹: کل	۶، ۵/۳۵	قرآن کے نام پر اسلام سے برگشتہ کرینکی سازش (جمل خاں اور عثمانی گروہ) [۲/اقساط]	580	زبیر علی زئی
۲۱۲۱۸	۷/۱۳	احادیث نبویہ قرآن کی روشنی میں	581	شفقت حسین
۱۱: کل	۹، ۸/۵	فن روایت اور درایت [۲/اقساط]	582	شمس الرحمن، محمد
۶۹: کل	۳۲۲۱۶۸	شہاب الدین ندوی تجرباتی علوم اور قرآن کا نظریہ علم	583	شہاب الدین ندوی
۳۶۲۲۸	۸/۳	قرآن کے قوانین فطریہ کے مستثنیات	584	ظفر اقبال خان
۵۰: کل	۵۰ تا ۹/۳۳	عبدالصمد مبارکپوری تیسرے حدیث بردہ تنقید حدیث [غیر مسلسل اقساط]	584a	عبدالصمد مبارکپوری
۱۶۲۵	۱۱/۸	تفہیم قرآن یا تحریم قرآن	585	عبدالاعلیٰ رحمانی
۲۱۳۲۱۱	۲۰ تا ۱۱/۳۲ ص	حدیث نبوی ﷺ اور فقہائے محدثین	586	عبدالجبار سلانی
۹۰ تا ۸۷	۲۸/۷	حدیث اور اصحاب حدیث کی فضیلت	587	عبدالخلیل سامرودی
۱۵۸ تا ۱۵۵	۲۰ تا ۱۱/۳۲ ص	قرآن شریف و احادیث رسول ﷺ	588	عبدالخلیل سامرودی
۲۳۷۳۳۷	۱/۱۷	متواتر حدیث	589	عبدالحمید خان
۸۲۵	۷/۲	حدیث اور عقلی تقاضے	590	عبدالخالق
۱۵	۹/۵	منکرین حدیث کا مذہب	591	عبدالرشید عراقی
۲۳: کل	۶، ۳۱ تا ۱۰/۳۰ ص	حدیث رسول کی تائید اور نفوات جہول کی تردید [۶/اقساط]	592	عبدالستار مولانا
۵۲۳	۷/۱	فتنہ انکار حدیث	593	عبدالشکور شکر اوی
۳۲۱۳۱۶	۲۰ تا ۱۱/۳۲ ص	علم حدیث و اہل حدیث کے فضائل	594	عبدالغفار سلانی
۱۸۰ تا ۱۶۱	۲۰ تا ۱۱/۳۲ ص	حدیث و مراتب حدیث	595	عبدالقادر حصاری
۹: کل	۱۷، ۱۶/۲۰ ص	منکرین حدیث کی شریعت سازی [۳/اقساط]	596	عبدالقادر حصاری
۸	۵/۳۶	قرآن کی حدیث رسول ﷺ بھی واجب الاطاعت ہے	597	عبداللہ اعظمی

۳۶۶۳۵	۱۷/۸۴ص	انکار حدیث کا فتنہ	598	عبداللہ البرنی
۱۳	۲۴/۳۴ہ	امرتسری منکرین کا افترا	599	عبداللہ ثانی
۱۰	۳۹/۳۱ہ	امرتسر کے فرقے بے حدیثی کی اخلاقی موت	600	عبداللہ ثانی
۷	۳۴/۳۴ہ	قرآن مجید اور اطاعت رسول ﷺ	601	عبداللہ ثانی
۸۶۷	۳۰/۳۴ہ	منکرین حدیث نہیں تو اور کیا ہو؟	602	عبداللہ ثانی
۳۳۹۶۳۳۶	۲۰تا۱۰/۳۲ص	صدافت حدیث رسول ﷺ	603	عبداللہ دہلوی
۳۳۳۶۳۲۹	۲۰تا۱۰/۳۲ص	منکر حدیث اور پنڈت کا مکالمہ	604	عبداللہ دہلوی
۲۰۸۶۲۰۵	۲۰تا۱۰/۳۲ص	حدیث نبوی ﷺ سے اعراض صریحاً بے ایمانی ہے	605	عبداللہ عقیل
۳۱۱۶۳۹۷	۲۰تا۱۰/۳۲ص	عبداللہ محشر روپڑیؒ مؤطا امام مالکؒ	606	عبداللہ محشر روپڑیؒ
۳۱۳۶۲۶۸	۲۰تا۱۰/۳۲ص	عبداللہ محشر روپڑیؒ وضع حدیث	607	عبداللہ محشر روپڑیؒ
۱۹:	۱۲/۱۱ر	عبدالوہاب حجازی حدیث میں مذکور حیوانات [۲/اقساط]	608	عبدالوہاب حجازی
۹۶۶	۲/۹ج	عبداللہ عقیف حدیث 'شق صدر' و منکرین حدیث	609	عبداللہ عقیف
۴۶۲	۵/۱ق	عطاء اللہ حنیفؒ، محمد کیا علماء عقل، کوحیثیت نہیں دیتے؟	610	عطاء اللہ حنیفؒ
۴۶۲	۱۰/۱ق	عطاء اللہ حنیفؒ، محمد منکرین حدیث کا سب سے بڑا کارنامہ	611	عطاء اللہ حنیفؒ
۶۳۶۵۵	۲۸/۷ع	عطاء اللہ حنیفؒ، محمد مسند اعظم امام احمد بن حنبلؒ (منکرین حدیث کی نئی دریافت)	612	عطاء اللہ حنیفؒ
۱۳:	۱۰تا۸/۹ط	علی ندوی، ابوالحسن حدیث نبوی ﷺ کا بنیادی کردار [۳/اقساط]	613	علی ندوی، ابوالحسن
۲۴۶۱۵	۷/۱ث	علیم الدین منشی حدیث وسنت سے انکار کیوں؟	614	علیم الدین منشی
۱۱۶۱۰	۴۰/۱۴ہ	غلام حیدر فرقہ اہل قرآن سے چند سوالات	615	غلام حیدر
۵۵۶۵۱	۱/۵ن	غلام علی، ملک انکار حدیث اور اقرار حدیث	616	غلام علی، ملک
۱۹=	۲، ۱۱/۳، ۱۱/۲ر	غلام مصطفیٰ ظہیر اتباع رسول ﷺ [۳/اقساط]	617	غلام مصطفیٰ ظہیر
۲۳۶۷	۵/۱ط	فضل الرحمن، ڈاکٹر تحریک حدیث	618	فضل الرحمن، ڈاکٹر
۲۷۶۷	۶/۱ط	فضل الرحمن، ڈاکٹر حدیث اور اہل سنت والجماعت	618a	فضل الرحمن، ڈاکٹر
۲	۹/۱۱ر	فیض احمد بھٹی انکار حدیث کا بہانہ اور اس کا انجام	619	فیض احمد بھٹی
۳۱۶۲۸	۲۰تا۱۱/۳۲ص	کرم دہلوی رہبر اعظم اور آپ کی حدیث اکرم	620	کرم دہلوی
۳:	۹/۷ع	محمد خان حمڈی موجودہ دور میں فتنہ انکار حدیث	621	محمد خان حمڈی
۶۸۶۶۲	۲۸/۷ع	محمد علی قصوری فتنہ انکار حدیث کا عقلی اور تاریخی جائزہ	622	محمد علی قصوری
۲۴:	۴، ۳/۳ث	محمد کنگن پوری کیا عامل بالحدیث (اہل حدیث) ہونا ناممکن ہے؟ [۲/اقساط]	623	محمد کنگن پوری
۱۶۶۹	۵/۱ج	محمد گوندلوی، حافظ احتسان	624	محمد گوندلوی، حافظ
۱۷:	۱۰تا۹/۱ج	محمد گوندلوی، حافظ حدیث کے ماننے سے قرآن پر عمل کرنے میں خلل واقع نہیں ہوتا [۲/اقساط]	625	محمد گوندلوی، حافظ
۳۳۶۲۸	۳/۳ج	محمد گوندلوی، حافظ صحت حدیث کے متعلق ایک اور نقطہ نظر	626	محمد گوندلوی، حافظ
۱۵۶۹	۹/۱ج	محمد گوندلوی، حافظ قرآن و حدیث دونوں ضروری ہیں۔	627	محمد گوندلوی، حافظ

۱۳۶۶	ج ۴/۴	مولانا سندی صاحب کے مغالطات	628 محمد گوندلوی، حافظ
۴۳۳	ل ۲۸/۲	اہل حدیث اور فکر و نظر	629 ادارہ اہل حدیث
۳	ل ۴۷/۱	جو لوگ منکرین حدیث رسول ہیں	630 ادارہ اہل حدیث
۵۳۴	ع ۲۸/۷	سخن ہائے گفتنی	631 مدیر الاعتصام
۱۳۳۱۲	ص ۴/۴۲	منکرین حدیث کی دیانت	632 مدیر 'ایشیا'
۲۶۴۸	۲۰۲۱۰/۳۲ ص	آخری ملت اسلامیہ کی تعمیر	633 مدیر صحیفہ ابجدیث
۱۸:	ج ۶، ۵/۲۲	پروفیسر شاخت اور حدیث نبوی ﷺ [۲/اقساط]	634 مصطفیٰ الاعظمی
۶۳:	ف ۱۱/۳۸۵ تا ۱۱/۳۸۸	شاخت اور حدیث نبوی [مترجم: عمیر صدیق] [۳/اقساط]	635 مصطفیٰ الاعظمی
۵۰:	ف ۶، ۵/۳۱	انکار حدیث [۲/اقساط]	636 معین الدین ندوی
۹:	ب ۲۱/۱۹	حدیث کی اسناد اور متن پر..... (۱) [۲/اقساط]	637 مقتدی حسن ازہری
۷	ہ ۴۶/۳۱	فرق منکرین حدیث سے چند سوال	638 منظور حسین
۱۳۲۱۰	ص ۱۵/۲۸	تعمیل حدیث پر سلطان المشائخ کا علمائے دہلی سے مناظرہ	639 مولوی جی
۵۶۴۷	۳/۹	اتباع سنت کیلئے قرآن کے ساتھ صحیح مرفوع احادیث ہی کا ہونا [مترجم: محمد صادق ظیل] ص ۳/۹	640 ناصر الدین البانی
۵۶۳۳۵	ذ ۲/۷	علم حدیث پر ایک الزام کا تحقیقی جائزہ	641 ندیم الوجدی
۳۷۳۳۶۹	۲۰۲۱۱/۳۲ ص	محمدین	642 وحید الزمان لکھنوی

### 10 سید ابو الاعلیٰ مودودی اور حدیث نبوی

۷۴۵	ص ۲۱/۳۵	مولانا مودودی پر استخفاف محمدین کا الزام	179 ادارہ
۱۸:	ص ۲۹/۷ تا ۲۳/۳۰	حدیث نبوی ﷺ کا مقام حجیت اور افکار مودودی بابت مسلک اعتدال [۱۵/اقساط]	180 اسماعیل سلفی، محمد
۲۱۳۲۲۰۶	۵/۱	کتاب 'جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث پر' (مدیر: فاران مولانا ماہر القادری) کے تہرے کا جائزہ [ق ۵/۱]	181 اسماعیل سلفی، محمد
۱۵:	کل: ۳۶۳۳/۲۲	حدیث نبوی پر شکوک و شبہات اور مولانا مودودی سے خطاب [۱۰/اقساط]	182 ثناء اللہ امرتسری

### (11) حدیث نبوی اور احناف

۱۰۳۹	و ۱۶/۲	کیا محدثین مقلد تھے؟ محدثین کا مرتبہ اجتهاد اور مطاعن کا جواب	643 ابوبکر، مولانا
۱۱:	م ۸۳/۵	احادیث ہدایہ اور اطہار حقیقت [۳/اقساط]	644 ارشاد الحق اثری
۳۳۳۱۶	ر ۱۰/۵	تقلید کی بارگاہ میں حدیث رسول ﷺ کو سجدہ ریز کرنے کی جسارت	645 اکرام اللہ ساجد
۱۳۵:	ف مئی تا نومبر ۴۷	داخلی نقد حدیث [۷/اقساط]	646 تقی امینی، مولانا
۱۳۵:	ذ ۲/۷ تا ۲/۷	حدیث کا درایتی معیار (داخلی فہم حدیث) [مختلف اقساط]	647 تقی امینی، مولانا
۴:	ہ ۳۶۲۳/۱۱	مدافعت حدیث، سراج الاخبار، جہلم کا جواب (علمائے احناف) [۳/اقساط]	648 ثناء اللہ امرتسری
۲۱۹۴۲۱۳	ط ۲	نقد حدیث کے لئے درایت کے اصول	649 شبلی نعمانی، علامہ
۷۴۵	و ۶/۲	متعارض احادیث پر عمل کرنے میں مقلد اور غیر مقلد کا مسلک	650 عبد الجبار
۲۸۷۳۲۸۳	ط ۲	نقد حدیث کے لئے درایت کے اصول	651 عبد اللہ العمادی
۴۳۳۲۴۱	ر ۹/۹	حضرت ابو ہریرہؓ کو خفیوں نے غیر فقیہ کیوں کہا؟ کیا یہ گستاخی صحابہ نہیں؟	652 غلام مصطفیٰ ظہیر
۴۳۳۲۴۰	ج ۶/۱۲	یونس سعودی، ابوالوفاء روایت اور درایت	653 یونس سعودی، ابوالوفاء

## (۲) سے زیادہ مقالات والے مصنفین کے مقالات کی فہرست

مقالہ نگار	مقالات کے نمبر	کل
احمد علی سراج	۵۲۹، ۱۹۲، ۱۹۱، ۵۱، ۱۰	(۵)
ادارۃ الحمد بیٹ، لاہور	۶۳۰، ۶۲۹، ۵۳۷ تا ۵۳۰، ۵۲۹a، ۴۳۲، ۲۰۳، ۲۰۲، ۱۳۱	(۱۵)
ارشاد الحق اشرفی، مولانا	۵۱a، ۶۴۴، ۳۳۳، ۳۳۲	(۴)
اسحاق، حافظ محمد	۵۴۷، ۵۴۶، ۲۰۴a، ۱۱b، ۵۴۴a	(۵)
اسحاق بھٹی، محمد	۵۴۴، ۱۱، ۱۱a	(۳)
اسماعیل سلفی، مولانا محمد	۱۱c، ۱۳۲b، ۵۴۸، ۴۴۳، ۲۰۵، ۱۸۱، ۱۸۰، ۵۳، ۵۲	(۹)
اکرام اللہ ساجد	۶۴۵، ۵۴۹، ۴۱۹، ۳۳۳، ۲۴۵، ۲۴۴، ۲۳۶، ۱۵۰، ۱۴۹، ۵۷، ۵۷	(۱۲)
باقر خان خاگوانی	۳۳۵، ۱۶۱، ۴۸۱، ۴۸۰، ۴۷۹	(۵)
شاہ اللہ امرتسری، مولانا	۲۳۷، ۲۱۴، ۲۱۱، ۱۹۳، ۱۸۲، ۱۴۱ تا ۱۳۸، ۱۳۵، ۱۳۴، ۶۵، ۶۴، ۴۴ تا ۴۲، ۳۹، ۳۵، ۱۳، ۱۲	(۶۲)
حبیب اللہ مختار	۶۴۸، ۵۷۳ تا ۵۵۳، ۵۰۸ تا ۵۰۱، ۴۶۷، ۴۳۷ تا ۴۳۴، ۴۳۳، ۴۲۱، ۴۲۰، ۴۲۰	(۳)
حسین بیٹا لوی، مولانا محمد	۵۷۴، ۴۲۹، ۴۲۸	(۴)
حمید اللہ عبدالقادر، ڈاکٹر	۳۷۳، ۳۴۹، ۳۲۸، ۲۱۵، ۲۱۴	(۵)
دین محمد قاسمی، پروفیسر	۵۱۰، ۴۹۷، ۴۷۳، ۴۵۴، ۴۶۶، ۴۴۳، ۴۲۲، ۷۲ تا ۶۷، ۶۷a	(۱۴)
رفیق خان	۵۷۷، ۵۷۶، ۴۱۲	(۳)
رمضان سلفی، مولانا محمد	۵۱۱، ۲۵۰، ۱۶۲، ۷۹ تا ۷۳، ۷۳a	(۱۱)
زاہد الراشدی، مولانا	۲۵۱، ۱۶۷ تا ۱۶۳	(۶)
زبیر علی زئی، مولانا	۵۸۰، ۴۸۲، ۱۶۹، ۱۶۸	(۴)
سرفراز خان صفر، مولانا	۴۸۳، ۴۰۰، ۳۷۴، ۲۷۲، ۲۷۳	(۵)
سلیمان ندوی، سید	۵۱۴، ۳۷۶، ۲۷۶	(۳)
شمس الرحمن، محمد	۵۸۲، ۴۸۶، ۳۹۹	(۳)
صادق سیالکوٹی، محمد	۳۱۴، ۲۲۴، ۸۵	(۳)
صدیق، مفتی محمد	۴۶۴، ۴۵۷ تا ۴۵۳، ۲۲۳	(۷)
صلاح الدین یوسف، حافظ	۴۴۱، ۳۱۶، ۳۱۵، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۵۳، ۸۶	(۷)
طیب شاہین لودھی، پروفیسر	۲۸۰، ۳۶۰، ۳۵۹	(۳)
ظفر اقبال خان	۵۸۴، ۸۹، ۳۴	(۳)
عبدالصمد مبارکپوری	۵۸۴، ۱۳۲، ۹۱، ۴۰	(۴)
عبدالخالق بھٹی	۵۹۰، ۱۹۴، ۹۶، ۹۵، ۹۴	(۵)
عبدالرحمن کیلانی، مولانا	۴۹۸، ۴۸۹، ۴۶۰، ۴۴۹، ۴۴۴، ۴۴۵، ۱۰۲ تا ۹۷	(۱۲)
عبدالرشید عراقی	۵۹۱، ۴۱۵، ۴۱۴، ۳۸۱، ۳۸۰a، ۳۸۰، ۲۸۵ تا ۲۸۱، ۱۰۶ تا ۱۰۴، ۴	(۱۵)



(۳)	۵۱۶، ۲۵۳، ۲۵۲	عبدالسلام کیلانی، مولانا
(۵)	۵۹۳، ۵۱۷، ۲۲۶، ۳۶، ۱۹	عبدالشکور شکر اوی
(۴)	۴۹۹، ۱۹۷، ۱۹۵	عبدالعزیز بن باز، شیخ
(۸)	۳۸۳، ۳۳۸، ۲۹۳، ۲۹۲، ۲۳۸، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۱۰	عبدالغفار حسن، مولانا
(۳)	۵۹۶، ۵۹۵، ۱۱۱	عبدالقادر حصاری، مولانا
(۵)	۶۰۲ تا ۶۰۰، ۵۹۹، ۳۵۲	عبداللہ ثانی
(۵)	۶۰۷، ۶۰۶، ۳۳۹، ۳۲۳، ۱۶۰	عبداللہ محدث روپڑی
(۶)	۳۶۲، ۱۱۶ تا ۱۱۳، ۸	عزیز زبیدی، مولانا
(۱۳)	۶۱۲ تا ۶۱۰، ۵۲۰، ۲۱۶، ۱۸۶ تا ۱۸۳، ۱۱۹ تا ۱۱۷، ۲۵، ۲۳	عطاء اللہ حنیف، محمد
(۵)	۴۷۴، ۲۵۷، ۲۵۶، ۲۳۹، ۱۴۷	غازی عزیز
(۵)	۶۵۲، ۶۱۷، ۴۹۵، ۴۷۰، ۴۶۵	غلام مصطفیٰ ظہیر
(۵)	۶۱۸a، ۶۱۸، ۲۹۸، ۲۹۷، ۱۲۳	فضل الرحمن، ڈاکٹر
(۳)	۶۱۹، ۲۲۹، ۲۲۸	فیض احمد بیٹی
(۳)	۴۰۳، ۲۸۷، ۲۹۹	محب النہ
	۳۸۹، ۳۸۸، ۳۵۶، ۳۳۳، ۳۳۲، ۲۶۰، ۲۵۹، ۲۴۰، ۲۳۳، ۲۳۲، ۲۱۷، ۱۸۸، ۱۲۵، ۱۲۲	محمد گوندلوی، حافظ
(۲۸)	۶۲۸ تا ۶۲۲، ۴۷۲، ۴۷۱، ۴۷۰، ۴۶۹، ۴۰۹ تا ۴۰۴	
(۴)	۶۳۷، ۴۷۲a، ۳۴۴، ۳۲۷	مقتدی حسن ازہری
(۳)	۳۹۳ تا ۳۹۱	مناظر احسن گیلانی
(۷)	۵۲۴، ۵۲۱، ۵۲۰a، ۴۳۱، ۳۲۸، ۳۰۱، ۲۹	مودودی، ابوالاعلیٰ
(۴)	۶۴۰، ۳۳۵، ۲۶۲، ۲۶۱	ناصر الدین البانی، شیخ
(۳)	۱۹۰، ۳۰a، ۱۳۲a، ۱	ہدایت اللہ، ابوالحمود
(۵)	۳۹۸، ۳۹۶، ۳۹۵، ۳۶۵، ۳۶۲	یوسف بنوری، مولانا محمد

### (۳) مجلات کے اعتبار سے مقالات کی فہرست

مقالہ نمبر

مجلہ

ش ماہنامہ 'محدث' لاہور (کل: ۱۱۹): ۳، ۴، ۵، ۸، ۵۶، ۵۵، ۵۷، ۶۰، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲





Monthly **MUHADDIS** Lahore

- عناد اور تعصب قوم کے لیے زہر بلائیں کی حیثیت رکھتے ہیں..... لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم امت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
- علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں..... لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا امت کی تباہی کا سبب ہے۔
- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے..... لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرت اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔
- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمت عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔
- آئین و سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے..... لیکن عداوت و بددین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی
- جاہل کو دوری سے سلام کر دینا عباد صالحین کے اوصاف میں داخل ہے..... لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

۝ ۝ ۝

..... اگر آپ ایسا مصفاانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

مطالعہ

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!  
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرز فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

زمر سالانہ ۳۰۰ روپے

قیمت خصوصی شمارہ ۱۰۰ روپے